قوانینِ حدود و قصاص اور اسلامی ریاست

عبد الغفار

قوانینِ حدود و قصاص اور اسلامی ریاست

عبد الغفار

ASIAN RESEARCH INDEX

ASIAN RESEARCH INDEX

نام کتاب	قوانینِ حدود و قصاص اور اسلامی ریاست
مصنف	عبد الغفار
ناشر	ایشین ریسرچ انڈیکس، اسلام آباد
طبع	اول
اشاعت	2024ء
آئی ایس بی این	978-627-7680-12-1
آے آر آئی ڈی	1707476245802
آن لائن حصول	https: //asianindexing.com/
لائسنس	

OPEN ACCESS

Licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

التماس: انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی پروف ریڈنگ، تسہیل، طباعت اور اشاعت میں نہایت احتیاط برتی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمال بہر حال باقی رہتا ہے۔ بشری تقاضے اپنی جگہ ہیں۔ لہذا کتاب میں اگر سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو مصنف، ناشر، پروف ریڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر معافی کے طلب گار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کسی بھی قسم کی غلطی یا خامی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جاسکے۔

انتساب

حضرت محمد ﷺ کے نام جن کی زندگی سب کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین کے نام جن کی محنت سے اسلام کو عروج ملا۔

فقہائے اسلام کے نام جن کی مجتہدانہ کاوشوں کی بدولت لوگوں کی زندگی آسان ہوئی۔

مشائخ سلسلہ عالیہ نقشبندیہؒ کے نام جن کی برکت سے اتباعِ سنتِ نبوی کی توفیق عام ہوئی۔

والدِ محترم قاری محمد عثمانؒ مرحوم کے نام جن کی دعاؤں سے قلم اور کاغذ سے رشتہ جڑا۔

فہرست عنوانات

مقدمہ ج

تقریظ ر

حرف آغاز ز

باب اول: حدود و قصاص کا مفہوم اور اس کے معاشرتی اثرات 1

فصل اول: حدود کا مفہوم ، ضرورت ، شرائطِ تنفیذ، مواقعِ تخفیف، اقسام اور تعداد . 3

حد کا لغوی معنی 3

حد کا اصطلاحی مفہوم 5

حدود کے نفاذ کی ضرورت 14

حدود کی تنفیذ کی فضیلت 16

حدود کے نفاذ کی شرائط 17

حدود میں تخفیف کے مواقع 21

حدود کی اقسام 24

حدود کی تعداد 26

1۔ حدِ زنا 28

2۔ حدِ قذف 37

3۔ حدِ سرقہ 42

4۔ حدِ حرابہ 45

5۔ حدِ خمر 49

6۔ حدِ بغاوت 53

7۔ حدِ ارتداد 56

فصل دوم: قصاص و دیت کا مفہوم و احکام ... 60

قصاص کا لغوی معنی 60

قصاص کا اصطلاحی مفہوم 61

قصاص کی اقسام 62

دیت کا معنی و مفہوم 63

دیت کی اقسام 65

1۔ قصاص کے بدلے میں دیت 65

2۔ دیت تغلیظ 65

اَرش 66

اَرش کا معنی و مفہوم 66

مختلف اعضاء کی دیت 68

قتل کی حرمت، احکام اور اقسام 70

احناف اور اقسامِ قتل 73

1۔ قتل عمد 73

2۔ قتل شبہ عمد 76

3۔ قتل خطاء 77

4۔ قتل قائم مقام خطاء 79

5۔ قتل بسبب 80

مالکیہ کے نزدیک اقسام قتل 80

1۔ قتل عمد 80
2۔ قتل خطاء 81
شوافع کے مطابق اقسام قتل 82
1۔ قتل عمد 82
2۔ قتل شبہ عمد 82
3۔ قتل خطاء 82
حنابلہ کے نزدیک اقسام قتل 83
1۔ قتل عمد 83
2۔ قتل شبہ عمد 83
3۔ قتل خطاء 83
تعزیرات پاکستان کی روسے اقسام قتل.... 83
1۔ قتل عمد 83
2۔ قتل شبہ عمد 84
3۔ قتل خطاء 84
4۔ قتل بسبب 84
فصل سوم: مقاصد شریعت کی روشنی میں حدود و قصاص کے معاشرتی اثرات 86
مقاصد شریعت کا مفہوم 86
مقاصد شریعت کی روشنی میں حدود و قصاص کے معاشرتی اثرات 88
1۔ تحفظ دین 89
2۔ تحفظ جان 93
3۔ تحفظ عقل 98
4۔ تحفظ نسل 100
5۔ تحفظ مال 104
باب دوم: اسلامی فلسفہ حدود و تعزیرات اور صدرِ اسلام میں ان کی عملی تنفیذ 108
فصل اول: اسلام کا فلسفہ حدود و تعزیرات 110
فلسفہ حدود 110
فلسفہ تعزیرات 116
فصل دوم: صدرِ اسلام میں حدود و قصاص کی عملی تنفیذ کا جائزہ 118
دور نبوی ﷺ میں حدود و قصاص کی عملی تنفیذ 118
عہد خلفائے راشدین میں قوانینِ حدود و قصاص کی عملی تنفیذ 124
عہدِ صدیقی میں حدود و قصاص کا نفاذ ... 125
عہد فاروقی میں حدود و قصاص کی تنفیذ.. 128
عثمانی دور میں حدود و قصاص کی تنفیذ.... 132
عہد علی میں حدود و قصاص کا نفاذ....... 135
باب سوم: قوانینِ حدود قصاص کی تنفیذ سے متعلق ریاستی اقدامات 140
فصل اول: قوانینِ حدود و قصاص کے نفاذ میں معاون اساسی اقدامات 142
1۔ عدل وانصاف کا قیام 143

2۔ اہل اور تربیت یافتہ حکام کا انتخاب و تقرر 157...
3۔اسلامی نظام تعلیم 164
4۔ حکومتی پالیسیوں کا تسلسل 168
فصل دوم: قوانین حدود و قصاص کی عملی تنفیذ میں نظام قضاء کا کردار 169
1۔ ججز کا کردار 171
2۔ وکلاء کا کردار 179
3۔ پولیس کا کردار 182
4۔ شہادت کی ضرورت و اہمیت 186
5۔ عدالتی انصاف کے حصول میں درپیش مشکلات 189
فصل سوم: حدود و قصاص کے اسلامی اور بین الممالک قوانین کے طرقِ نفاذ کا باہمی ربط ..197
1۔ شرعی اور وضعی قوانین کی باہمی مطابقت 197...
2۔اسلامی و غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کا باہمی تعلق............201
3۔ قوانینِ حدود و قصاص بین الاقوامی رویوں کے تناظر میں 203
فصل چہارم: حدود و قصاص کے نفاذ میں معاون سماجی اداروں کا کردار...........209
1۔اصلاح معاشرہ میں شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کردار 210
2۔ اصلاح معاشرہ میں حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت 213
3۔ معاشرتی اصلاح میں ذرائع ابلاغ کا کردار 220...
4۔ معاشرتی اصلاح میں علماء کا کردار 225
5۔ معاشرتی اصلاح میں خانقاہوں کا کردار 228...
باب چہارم: پاکستان میں قوانینِ حدود و قصاص کا نفاذ اور اس میں حائل رکاوٹیں 232
فصل اول: پاکستان میں قوانین حدود و قصاص کے نفاذ کی تاریخ 234
حدود آرڈیننس 234
قصاص و دیت کا قانون...............240
قوانین حدود و قصاص میں ہونے والی ترامیم 251 ....
قصاص و دیت ایکٹ میں ہونے والی ترامیم 251 ....
حدود آرڈیننس میں کی جانے والی ترامیم 251
تحفظ نسواں بل 2006ء 252
فصل دوم: حدود قوانین کے عدم نفاذ کی وجوہات

....254

1۔عوام میں مذہبی جوش وجذبہ کی قلت 256
2۔فقہ اسلامی سے ناواقفیت..........257
3۔اسلامی ماحول کی عدم فراہمی........258
4۔عوامی شعور کی کمی 258
5۔شرعی و قانونی ماہرین کی قلت 258
6۔سیاسی سطح پر قوت فیصلہ کی کمی اور عدم دلچسپی 259
7۔با اثر طبقات کا اسلامی قوانین کی تنفیذ میں رکاوٹ بننا 260
8۔عدالتی فیصلوں میں تاخیر 261
9۔انسانی حقوق کی تنظیموں کی بے جا مداخلت 261
10۔عالمی میڈیا کی مداخلت..........261
11۔پولیس کا عدم تعاون اور کارکردگی میں سستی کا مظاہرہ................262
12۔بین الاقوامی دباؤ 262
13۔مذہبی سیاست 263
14۔اندھی تقلید 264
15۔دہشت گردی اور فرقہ واریت ...264
16۔جرائم پیشہ افراد کا اثرورسوخ 265
17۔عدالتی نظام میں سقم و نقائص 265
18۔غربت اور بے روزگاری.........265
19۔رشوت ستانی اور سفارش 266
20۔قانونی تربیت کی کمی..............266
21۔دینی عناصر کی تقسیم کار 266
22۔سیاسی عدم استحکام 267

خاتمہ کلام **268**

کتابیات **270**

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ۔الْحَمْدُ للّٰہِ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین الصطفیٰ۔اما بعد:

اسلام ایک مکمل دستور زندگی اور ضابطہ حیات ہے۔اس کے قوانین جہاں ناقابل ترمیم ہیں، وہاں ان میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ لچک بھی پائی جاتی ہے۔زندگی کے نئے پیش آمدہ مسائل و پیچیدگیوں کے حل کی کنجی اسلام کے پاس ہے، کیونکہ اس کے اصول ابدی و آفاقی ہیں۔اسلام نے معاشرے کی اخلاقی اقدار کے تحفظ کے اصول وضوابط بیان کیے ہیں اور یہ بتلایا ہے کہ معاشرہ کی اخلاقی اقدار کا تحفظ لازم ہے۔اگر کوئی اس کا خیال نہیں کرے گا تو معاشرہ اس کے حقوق کو تحفظ بھی فراہم نہیں کرے گا اور اس پر حد(سزا) بھی جاری کرے گا۔دوسرا اسلام نے لوگوں کو فرائض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور ان کے حقوق کی گفتگو انہی فرائض کے ضمن میں آگئی ہے۔جب لوگ فرائض کی ادائیگی میں دلچسپی لیں گے تو خود بخود ان کے حقوق کا تحفظ ہوتا رہے گا۔یہی وہ بنیادی فرق ہے جو اسلامی اور وضعی قوانین میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔اسی کی بنیاد پر جرم وسزا کے قوانین سامنے آتے ہیں۔انہی قوانین کی بنیاد پر ہی معاشرے کی اخلاقی اقدار کو محفوظ بنایا جاتا ہے۔دنیا میں امن وسکون اسی اسلامی فلسفہ کا ہی مرہون منت ہے۔

دین اسلام میں گناہوں سے دور رہنے اور ان سے بچنے کے ضابطے درجہ بدرجہ تفصیلاً بیان ہوئے ہیں، لیکن پہلے تربیت کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں، پھر آخری درجے پر سزا کا حکم دیا گیا ہے۔اس عملی کام کے علاوہ نظری طور پر اسلام کے بنیادی عقائد بھی انسان کی بھرپور تربیت کرتے ہیں اور اسے زندگی کے کسی معاملے میں بھٹکنے سے بچاتے ہیں۔خاص طور پر عقیدہ توحید کا یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر کسی کے افعال کو دیکھ رہا ہے اور دوسرا آخرت میں جواب دہی کا تصور اس معاملے میں بہت نمایاں ہے۔

آج دنیا اکیسویں صدی کے تیسرے عشرہ میں اپنے آپ کو عروج پہ محسوس کرتی ہے ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ایجادات و انکشافات نے انسان کے لیے ترقی کی نئی نئی راہیں کھول دی ہیں ۔ انسان زمین سے آسمان تک پہنچ چکا ہے لیکن اس کے باوجود انسانیت امن وسکون کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ قتل وغارت، فحاشی وعریانی، شراب نوشی، چوری، راہزنی اور دین کی تحقیر و تنقیص عام ہے۔کسی کی جان ومال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں۔ تمام وضعی قوانین امن قائم کرنے سے عاجز اور جرائم کی روک تھام میں ناکام نظر آتے ہیں۔ان حالات کو مد نظر رکھ کر انسانی ذہن خود بخود شرعی قوانین کی طرف جاتا ہے

کہ جن کی بدولت آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل بھی انسانیت کو اس قسم کے حالات سے چھٹکارا ملا تھا۔ قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ سے عرب میں امن و امان کی مثالی فضا قائم ہوئی اور جرائم میں حیرت انگیز کمی آئی۔ انہی قوانین کے سبب سات صدیوں تک دنیا میں امن و امان برقرار رہا۔ برصغیر میں مغلیہ دور اور خلافت عثمانیہ میں بھی ان قوانین سے استفادہ کیا گیا۔ آج پوری دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً ان قوانین کے نفاذ کی اشد ضرورت ہے تاکہ معاشرے کو پر امن، خوشحال اور مثالی بنایا جاسکے۔

اسلام قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ کے لیے معاشرہ کی اخلاقی اقدار کے تحفظ و اصلاح پر بہت زور دیتا ہے کیونکہ اسلام کا مطمح نظر عدل و انصاف کا قیام، برائی و فحاشی کا خاتمہ، مساوات کا قیام، رواداری، انصاف کی فوری فراہمی، امن کا قیام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور بنیادی حقوق و فرائض کی تنفیذ ہے اور اس کے لیے اسلام ترغیب و ترہیب کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ امر بالمعروف و عن المنکر کی تلقین کرتا ہے، تعاون علی البر پر زور دیتا ہے اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کو نقصان دینے والے عناصر کو راہِ راست پر لانے کے لیے آخری حربے کے طور پر سزاؤں کے نفاذ کو لازمی قرار دیتا ہے لیکن اگر سارے معاشرے کی حالت ہی خراب ہو، معاشرے کی اکثریت بے راہروی کا شکار ہو تو ان سزاؤں کی تنفیذ سے اصلاح کرنا ممکن نہیں بلکہ کتنا ہی سخت قانون بنالیا جائے، اس سے جرائم کا بالکل خاتمہ ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معاشرے کو پاکیزہ بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور جو چیزیں افراد کو غلط کاموں پر ابھارتی اور جرائم کے ارتکاب کی جانب مائل کرتی ہیں، ان پر پابندی عائد کی جائے۔ قانون جرائم کو روکنے میں معاون تو ہو سکتا ہے، لیکن محض قانون سے ان کا سدِّ باب ناممکن ہے۔ اگر جرائم کے تمام محرکات اور ترغیبات کو علی حالہٖ باقی رکھا جائے اور کوئی سخت تر قانون منظور کرلیا جائے تو جرائم میں تو کوئی کمی نہیں آئے گی، البتہ قانون کے غلط انطباق اور استعمال کے اندیشے بڑھ جائیں گے۔ عدالتوں کے موجودہ طریقہ کار کی بنا پر اس بات کا خدشہ رہے گا کہ غریب اپنے دفاع سے عاجز اور سزاوار ٹھہریں جبکہ مال دار اور طاقت ور اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے سزا سے بچ جائیں۔ اسی طرح اسلام کے کسی ایک حکم کا مطالبہ اور دیگر احکام سے صرفِ نظر درست رویّہ نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اسلامی نظام کو ایک کُل کی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۔﴾ [البقرہ، 208:2]

"اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔"

اسلامی تعلیمات کے اثرات کا مشاہدہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پورے کے پورے اسلام کو نافذ کیا جائے۔ جس طرح کوئی مشین اسی وقت صحیح طریقے سے کام کرے گی، جب اس کے تمام پرزے اپنی اپنی جگہ نصب ہوں۔ اگر اس میں سے کوئی ایک پرزہ نکال لیا جائے تو مشین صحیح ڈھنگ سے وہ کام نہیں کرے گی جس کے لیے اسے بنایا گیا ہے اور نہ اس نکالے گئے پرزے سے وہ کام لیا جا سکتا ہے جو پوری مشین کے کرنے کا تھا۔ اسی طرح اسلام کے کسی ایک قانون کو نافذ کر دیا جائے اور اس کے دیگر احکام پر عمل نہ کیا جائے، تو اس سے بھی مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔

قوانین کے نفاذ کے باوجود عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ جہاں انفرادی اور معاشرتی پہلو سے برتی گئی کوتاہی ہے، وہاں پولیس کی مجرمانہ غفلت، وکلاء کا غیر موثر کردار، عدلیہ کا غلط طریقہ کار اور بین الاقوامی طور پر ان قوانین کو تسلیم تو کجا ان میں ترمیم کے حوالے سے حکومت و سیاستدانوں پر رہنے والا دباؤ بھی ہے۔ ذرائع ابلاغ، انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیموں اور این جی اوز نے بھی ان قوانین کے عمل درآمد میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ مصنف نے اس کتاب میں اسلامی قوانین جرم و سزا کو بیان کرنے کے بعد ان پر عمل درآمد کے ریاستی اقدامات اور ان کے عدم نفاذ کی وجوہات اور بہتری کی تجاویز بیان کی ہیں تاکہ ان قوانین پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کو افراتفری، بے چینی، بدامنی، فحاشی و عریانی اور جرائم سے محفوظ رکھا جا سکے۔ لوگوں میں صحیح و غلط کی پہچان پیدا کر کے، پولیس کو فعال بنا کر، وکلاء کے کردار کو مؤثر بنا کر اور عدالتی طریقہ کار میں آسانیاں پیدا کر کے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس طرح معاشرے کی اخلاقی اقدار کا تحفظ بھی ہو جائے گا اور جرائم کی بیخ کنی بھی۔ نتیجہ کے طور پر پورا معاشرہ امن کا گہوارا بن جائے گا۔

یہ کتاب "**قوانینِ حدود و قصاص اور اسلامی ریاست**" چار ابواب پر مشتمل ہے: باب اول میں حدود و قصاص کا مفہوم اور اس کے معاشرتی اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ باب دوم میں اسلامی فلسفہ حدود و تعزیرات اور صدرِ اسلام میں ان کی عملی تنفیذ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ باب سوم میں قوانینِ حدود و قصاص کی تنفیذ سے متعلق ریاستی اقدامات کا تذکرہ ہے اور چوتھے باب میں پاکستان میں قوانینِ حدود و قصاص کے نفاذ کی تاریخ اور اس میں حائل رکاوٹوں کا تذکرہ ہے۔

مقدمہ

حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں مفید حدود و قصاص کے اہم قوانین کی بنیاد پر ایک فقید المثال ریاست قائم فرمائی۔ اس وقت دنیا میں ستاون اسلامی ممالک میں سے یہ قوانین مکمل یا جزوی طور پر افغانستان، ایران ،برونائی، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب، سوڈان، شام، عراق، مصر، ملیشیا اور لیبیا وغیرہ میں آج بھی نافذ العمل ہیں۔ زیر نظر کتاب کا بنیادی مقصد چونکہ پاکستان میں ان قوانین کی تطبیق کا جائزہ لینا ہے، اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے کہ صدر اسلام میں ان کی تطبیق کا تذکرہ کر کے ان کا فہم حاصل کیا جائے۔

بندہ ناچیز کو بنیادی طور پر اس موضوع میں دلچسپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایم۔ فل میں "حدود و قصاص اور دیت کی تنفیذ میں ریاست کا کردار" اور پی۔ ایچ۔ ڈی میں "حدود اللہ کے بارے میں الہدایہ اور المحلیٰ کے مباحث کا تقابلی مطالعہ" جیسے موضوعات پر اپنے خیالات رقم کرنے کا موقع بفضل تعالیٰ ملا۔ اس دوران مجھے اسلامی قوانینِ حدود و قصاص سے بنیادی آگاہی حاصل ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں بھی"کل یوم ھو فی شان"کا عملی مشاہدہ کرتے ہوئے علمی ارتقاء کے متعدد مراحل سے گزرا اور خیالات میں گراں قدر مثبت و منفی تبدیلیاں آئیں۔ مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ پاکستان میں قوانین حدود و قصاص کی تاریخ کو مرتب کیا جائے، اس میں حائل رکاوٹوں کو جانچا جائے تاکہ مکمل طور پر ان قوانین کی عملی تنفیذ کو ممکن بنایا جاسکے اور معاشرے کو اخلاقی معیار کی اعلیٰ سطح تک لے جایا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے اس کتاب کے لیے بنیادی مباحث ایم فل کے مقالہ سے اخذ کیے گئے، البتہ ان میں متعدد مقامات پر اضافہ وترامیم ہوئیں۔ چوتھا باب مکمل طور پر نئے سرے سے لکھا گیا۔

تحقیق ایک معاشرتی عمل ہے اور معاشرے سے ہٹ کر اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ناممکن تو نہیں لاحاصل ضرور ہے۔ اس زیر نظر تحقیق میں بھی مجھے بہت سے اساتذہ اور دوستوں کی رفاقت حاصل رہی، جن کا اگر شکریہ ادا نہ کیا جائے تو کفران نعمت کے مترادف ہو گا۔ سب سے پہلے میں حضرت خواجہ خلیل احمد دامت برکاتہم العالیہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی لائبریری اس علمی کام کے لیے میرے لیے کھول دی اور جن محققین اور فقہاء تک میری رسائی نہ تھی، ان تک رسائی کا وسیلہ بنے۔ مولانا زاہد الراشدی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے بے پناہ مصروفیت کے باوجود اس کتاب کے حوالے سے چند کلمات تبریک لکھے۔ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عریبک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، پروفیسر ڈاکٹر شیخ شفیق الرحمٰن، ڈائریکٹر سیرت چیئر، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور،

پروفیسر ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمٰن، چیئرمین شعبہ فقہ وشریعہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر عبد الغفار، ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ شعبہ اسلامیات وعربی، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان، استاذ محترم اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبد المجید، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ادیان عالم و بین المذاہب ہم آہنگی، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، ڈاکٹر زوہیب احمد، لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، ڈاکٹر صہیب جمیل، برادر کبیر مفتی عبد الرحیم اور دیگر رفقاء کار کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں جنہوں نے متعدد مواقع پر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، جن کی بدولت کتاب کے بنیادی ڈھانچے اور مواد کی ترتیب بہتر ہوئی۔ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ وفیڈرل شریعت کورٹ مظہر اقبال بھٹہ اور ڈسٹرکٹ بار ایسوی ایشن لیہ کا مشکور ہوں جنہوں نے قانونی نکات کو سمجھنے میں معاونت فرمائی۔ اس موقع پر اپنے اہل خانہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھ پر گھریلو ذمہ داریوں کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا، جس کی وجہ سے کتاب کی بروقت تکمیل ممکن ہو سکی۔ فجزا هم الله خيرا واحسن الجزاء

ڈاکٹر عبد الغفار

شعبہ فقہ وشریعہ

فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عریبک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، پاکستان

06 اکتوبر 2023ء

تقریظ

حق جل مجدہ نے خصوصی احسان فرمایا کہ انہوں نے انسانیت کے لیے فوز وفلاح اور سزا و جزا کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس امر کی اہمیت اس قدر ہے کہ تہذیب اخلاق مستقلاً ایک فن قرار پایا ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے انسانیت کے اخلاق اور اعمال کی نگہداشت کا فریضہ عملی طور پر بحسن خوبی سرانجام فرمایا۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالی اجمعین نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اسوہ حسنہ کے اسرار کو امت پر کھول کھول کر بیان فرمایا اور امت کی راہنمائی فرمائی۔ حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ نے خلق خدا کے قلوب پر محنت فرمائی اور عامۃ الناس کے دلوں میں احکامات خداوندی پر بلاچوں وچرا عمل کرنے اور حق جل مجدہ کی مرضیات کو مقدم رکھنے کی سعی فرمائی۔ فجزا ھم اللہ خیرا واحسن الجزاء

اسی سلسلہ میں عزیزم ڈاکٹر عبد الغفار زید مجدہم نے **"قوانینِ حدود و قصاص اور اسلامی ریاست"** کے عنوان سے ایک بہترین کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں اپنے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، قرآن، سنت اور فقہی دلائل کی روشنی میں مدلل کلام کیا ہے۔ نیز موجودہ زمانہ میں حدود و قصاص اور اس سلسلہ میں ریاست اپنی ذمہ داریوں کو کسی طرح سرانجام دے، موصوف نے اپنی سفارشات بھی قائم کی ہیں کہ کس طرح سے معاشرہ میں فساد اپنے منطقی انجام کو پہنچ سکتا ہے اور امن کا بول بالا کیسے ہو سکتا ہے۔
فجزاھم اللہ خیراو احسن الجزاء

مولائے کریم اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے۔ آئندہ بھی تصنیفی و تالیفی خدمات سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ جمیع مہمات خیر میں اپنی خاص نصرت اور امداد سے سرفراز فرمائے۔ اس مجموعہ کو اہل علم اور عامۃ الناس کے لیے مفید وافید بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم ﷺ

فقیر ابو السعد خلیل احمد عفی عنہ

سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی

16 اکتوبر 2023ء

حرف آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معاشرتی جرائم اور ان کی سزاؤں کا تعین ہر انسانی معاشرہ اور ریاستی نظام کی ضرورت اور ذمہ داری رہی ہے اور ہر دور میں مختلف حوالوں سے اس پر علمی اور تحقیقی کام ہوتا آرہا ہے۔ اسلامی ریاست کی بنیاد آسمانی تعلیمات کے حوالے سے شرعی احکام و قوانین پر ہوتی ہے اور اس کی ابتدا حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو زمین پر بسانے کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے ان سے اور ان کی نسل و ذریت سے اس ارشاد کے ساتھ فرمادی تھی کہ

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[البقرہ، 2:38]

دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے میری طرف سے تمہارے پاس ہدایات آتی رہیں گی اور ان پر عمل کر کے تم خوف و حزن سے نجات پاسکو گے۔ یہ ہدایات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ مسلسل نازل ہوتی رہیں جن کا آخری اور مکمل مجموعہ قرآن کریم کی صورت میں ہمارے پاس بحمد اللہ محفوظ و موجود ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے صرف ہدایات نہیں پہنچائیں بلکہ ان کی ضروری تعبیرات و تشریحات بھی فرمائیں اور ان پر عمل کا ماحول قائم کر کے ایک اسلامی معاشرہ کی عملی صورت بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ رکھی جو ہمارے پاس حدیث و سنت کے ساتھ ساتھ تعامل صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار کی شکل میں قیامت تک کے لیے اسوہ اور راہنما کے طور پر ہماری ملی تاریخ کا اہم ترین حصہ ہیں۔

ان اصول و ضوابط کی سوسائٹی میں عملی تنفیذ و تطبیق کے وسائل و ضروریات کو فقہائے عظام رحمہم اللہ نے مرتب فرمایا اور ہر دور میں اس وقت کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق فقہائے وقت نے ان کی تجدید اور ترامیم فرمائیں، جس پر عمل ہوتا رہا اور قیامت تک یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا۔

مسلم تہذیب و ثقافت کے امتیاز اور شناخت کے تحفظ اور اسلامی قوانین و احکام کے نفاذ کے لیے اب سے پون صدی قبل پاکستان کے نام سے ایک نئی ریاست دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی تو اسی ریاست کے باشندوں بالخصوص اربابِ اقتدار اور علماء و فقہاء کو اس پورے فقہی ذخیرے پر نظر ڈالتے ہوئے آسمانی تعلیمات اور فقہ و شریعت کے مطابق اپنے لیے راہ عمل اور طریق کار طے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی

جس کے لیے مختلف دائروں میں مسلسل محنت و کاوش جاری ہے۔

زیر نظر کتاب بھی اسی محنت کا ایک حصہ ہے جس میں محترم مولانا ڈاکٹر عبد الغفار صاحب نے معاشرتی جرائم کی سزاؤں بالخصوص قوانینِ حدود و قصاص کو گفتگو کا موضوع بنایا ہے اور شرعی احکام کی علل و مصالح اور نتائج و ثمرات کی عملی صورتوں اور ان کے حوالہ سے سامنے آنے والے سوالات و اشکالات پر بحث کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے، جو کہ یقیناً قابل توجہ ہے اور اس دائرہ میں علمی اور عملی کام کرنے والے طبقات و افراد کے لیے مفید ہے۔ اللہ پاک سبحانہ و تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت و ثمرات سے نوازیں اور اس جدوجہد میں پیش رفت کا ذریعہ بنائیں۔

ابو عمار زاہد الراشدی

خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

یکم دسمبر 2023ء

باب اول: حدود و قصاص کا مفہوم اور اس کے معاشرتی اثرات

حرف آغاز

فصل اول: حدود کا مفہوم، ضرورت، شرائطِ تنفیذ، مواقعِ تخفیف، اقسام اور تعداد

حد کا لغوی معنی

حد ایک کثیر المعنی لفظ ہے۔ ماہرین لغت، محدثین اور فقہائے کرام نے اس کے کئی معنی بیان کیے ہیں، جیسا کہ مشہور لغت دان ابن فارس (م:395ھ) حد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"الحد: الحاء والدال أصلان: الأوّل المنع، والثاني طَرَف الشيء.فالحدّ: الحاجز بَيْنَ الشَّيئين. وفلان محدودٌ، إذا كان ممنوعاً. و"إنّه لَمُحارَفٌ محدود"،كأنه قد مُنِع الرِّزْقَ.ويقال للبوَّاب حَدّاد،لمنْعِه النَّاسَ من الدخول۔"[1]

"مادہ" حا اور دال" اس کی دو اصل ہیں پہلے کا معنی ہے روکنا اور دوسرے کا معنی ہے کسی شے کا کنارہ، پس حد کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان آڑ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "وفلان محدودٌ"جب کہ اس شخص کو روک دیا گیا۔"إنّه لَمُحارَفٌ محدود"جیسا کہ وہ رزق سے روک دیا گیا ہے اور دروازے پر کھڑے ہونے والے کو حداد کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔"

حد آڑ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ابن منظور افریقی (م:711ھ) نے بیان کیا ہے

"الحَدُّ الفصل بين الشيئين لئلا يختلط أَحدهما بالآخر أَو لئلا يتعدى أَحدهما على الآخر وجمعه حُدود وفصل ما بين كل شيئين حَدٌّ بينهما۔"[2]

"حد دو چیزوں کی درمیانی آڑ کو کہتے ہیں تاکہ دونوں آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ یا ان دونوں میں سے ایک دوسری پر زیادتی نہ کرے اور حد کی جمع حدود ہے۔ دو چیزوں کی درمیانی آڑ ان کے لیے حد ہوتی ہے۔"

لفظ حد بطور روکنا بھی لیا جاتا ہے، راغب اصفہانی (م:502ھ) اس حوالے سے بیان کرتے ہیں

---

1 ابن فارس، أحمد بن زكريا، أبو الحسين، معجم مقاييس اللغة، دار الفكر، بيروت، 1399هـ - 1979م، عدد الأجزاء : 6، جلد2، ص:3

2 ابن منظور، محمد بن مكرم، الأفريقي، المصري، لسان العرب، دار صادر ، بيروت، الطبعة الأولى ، عدد الأجزاء : 15، جلد3 ، ص:14

"الحد الحاجز بین الشیئین الذی یمنع اختلاط احدهمابالاخر۔"[1]

"حد سے مراد وہ شے ہے جو دو اشیا کو باہم ملنے سے روک دے۔"

دو چیزوں کی درمیان آڑ کو حد کہتے ہیں، جیسا کہ علامہ زبیدیؒ (م:1205ھ) تاج العروس میں لکھتے ہیں

"الحَدُّ الفَصْلُ الحِاجِزُ بَيْنَ الشيئين لئلّا يَختلِط أَحدُهما بالآخَرِ، أَو لئلّا يَتعدَّى أَحدُهما على الآخَرِ۔"[2]

"دو چیزوں کی درمیانی آڑ کو حد کہتے ہیں تا کہ دونوں آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں، یا ان دونوں میں سے وہ ایک دوسری پر زیادتی نہ کرے۔"

حد دو چیزوں کو ملنے سے روکنے والی یا دو چیزوں کو جدا کرنے والی ہے۔ معروف محدث ابن حجر عسقلانیؒ (م:852ھ) حد کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں

"وَأَصْلُ الْحَدِّ مَا يَحْجِزُ بَيْنَ شَيْئَيْنِ فَيَمْنَعُ اخْتِلَاطَهُمَا وَحَدُّ الدَّارِ مَا يُمَيِّزُهَا۔"[3]

"حد سے مراد وہ شے ہے جو دو اشیا کو باہم ملنے سے روک دے اور حد الدار یہ ہے کہ جو ایک گھر کو دوسرے سے جدا کر دے۔"

حق اللہ کے طور پر مقرر شدہ سزا حد کہلاتی ہے، جیسا کہ مشہور فقیہ علامہ مرغینانیؒ (م:593ھ) لکھتے ہیں

"فی الشرع عقوبة لاجل حق الله فیخرج التعزیر لعدم التعزیر والقصاص لانه حق آدمی۔"[4]

"شریعت میں حد اس مقررہ سزا کو کہتے ہیں جو حق اللہ کے طور پر متعین کی گئی ہو، تعزیر اس سے خارج ہے کیونکہ تعزیر مقرر نہیں اور قصاص بھی اس سے خارج ہے

---

1 الاصفہانی،راغب حسین بن محمد، ابی القاسم، المفردات فی غریب القرآن، داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان، 1423ھ- 2002م، الطبع الاولیٰ، ص:114

2 الزبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق ، الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، تاج العروس من جواهر القاموس، ، دار الهداية، عدد الأجزاء / 40، جلد 8، ص: 6

3 ابن حجر، احمدبن علی،ابو الفضل،عسقلانی ، فتح الباری شرح صحیح البخاری ، دارالمعرفه، بیروت، 1379ھ ، جلد 12، ص:58

4 المرغینانی، علی بن ابی بکر،ابوالحسن، برہان الدین ، الھدایہ ، کتاب الحدود ، مکتبہ رحمانیہ ، لاہور، س ۔ ن، جلد2 ، ص:498

کیونکہ قصاص حق العبد ہے۔"

حق اللہ کے طور پر واجب کی گئی شرعی سزا حد کہلاتی ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ (م:587ھ) نے بیان کیا

"الحد في الشَّرْعِ:عِبَارَةٌ عن عُقُوبَةٍ مُقَدَّرَةٍ وَاجِبَةٍ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالَى۔"[1]

"شریعت میں حد اس شرعی سزا کو کہتے ہیں جو بطور حق اللہ واجب ہو۔"

پس ثابت ہوا کہ حد سے مراد ایسی آڑ یا رکاوٹ یا جدا کرنے والی چیز جس سے آگے بڑھنا اور تجاوز کرنا منع ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ سزا ہے جس کی کسی صورت میں خلاف ورزی جائز نہیں ہے، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے سزا کے طور پر حد لگائی جائے گی۔

حد کا اصطلاحی مفہوم

ایسے امور جن کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی ہے اور ان سے تجاوز کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ یہ امور "حدود اللہ" کہلاتے ہیں۔ اہل علم نے حد کی اصطلاحی تعریفیں مندرجہ ذیل بیان کی ہیں:

ایسے کام جن کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہو، جیسا کہ ابن منظور افریقی تحریر کرتے ہیں

"وحُدُود الله تعالى الأَشياء التي بيَّن تحريمها وتحليلها وأَمر أَن لا يُتعدى شيء منها۔"[2]

"حدود اللہ سے مراد ایسی اشیاء ہیں کہ جن کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ ان سے آگے نہ بڑھا جائے۔"

علامہ زبیدیؒ (م:1205ھ) حدود کی اقسام اور اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں

"فَحُدُودُ ا الله عزّ وجلّ ضَرْبَانِ : ضَرْبٌ منها حُدودٌ!حدَّها للنّاسِ في مَطَاعِمِهم ومَشارِبِهم ومَنَاكِحِهِم وغيرِها ممّا أَحَلّ وحَرَّم،وأَمَرَ بالانتِهَاءِ عمّا نَهَى عنه منها ونَهَى عن تَعَدِّيهَا ، والضَّرْب الثاني عُقوباتٌ جُعِلَتْ لمَنْ ركِبَ ما نَهَى عنْه ، كحَدّ السّارِق۔"[3]

"حدود اللہ کی دو اقسام ہیں: ایک تو ایسی حدود جو لوگوں کے لیے ان کے ماکولات،

---

1 الکاسانی، علاؤالدین بن مسعود، ابو بکر، الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتاب العربي ، بیروت ، 1982ء، جلد 7، ص: 33

2 ابن منظور ، لسان العرب ، جلد3 ، ص:140

3 الزبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس، جلد 8، ص:7

مشروبات اور مناکحات وغیرہ میں بسبب حلال اور حرام متعین کی گئی ہیں یہ ان اشیاء سے رکنے کا سبب ہیں جن سے تجاوز کرنے سے روکا گیا ہے اور دوسری قسم وہ سزائیں ہیں جو ممنوع کام کرنے والوں کو دی جاتی ہیں جیسا کہ چور کی حد۔"

امام سرخسیؒ (م:483ھ) حد کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"في الشرع الحد اسم لعقوبة مقدرة تجب حقا لله تعالى ولهذا لا يسمى به التعزير لأنه غير مقدر ولا يسمي به القصاص لأنه حق العباد وهذا لأن وجوب حق العباد۔"[1]

"شریعت میں حد اس مقررہ سزا کا نام ہے جو بطور حق اللہ واجب ہوتی ہے اسی لیے تعزیر کو اس نام سے موسوم نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ مقرر شدہ نہیں ہوتی اور نہ ہی قصاص کو حد کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ وہ بندوں کا حق ہے۔"

علامہ شوکانیؒ (م:1250ھ) حد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں

"فی الشرع عقوبة لاجل حق الله فیخرج التعزیر لعدم التعزیر والقصاص لانه حق آدمی۔"[2]

"شریعت میں حد ایسی سزا ہے جو بطور حق اللہ متعین کی گئی ہو، تعزیر اس سے خارج ہے کیونکہ تعزیر مقرر نہیں اور قصاص بھی، کیونکہ قصاص حق العبد ہے۔"

ابن حجر عسقلانیؒ (م:852ھ) حد کا مفہوم شارع کی طرف سے مقرر کردہ سزا بیان کرتے ہیں

"وَأَصْلُ الْحَدِّ مَا يَحْجِزُ بَيْنَ شَيْئَيْنِ فَيَمْنَعُ اخْتِلَاطَهُمَا وَحَدُّ الدَّارِ مَا يُمَيِّزُهَا وَحَدُّ الشَّيْءِ وَصْفُهُ الْمُحِيطُ بِهِ الْمُمَيِّزُ لَهُ عَنْ غَيْرِهِ وَسُمِّيَتْ عُقُوبَةُ الزَّانِي وَنَحْوِهِ حَدًّا لِكَوْنِهَا تَمْنَعُهُ الْمُعَاوَدَةَ أَوْ لِكَوْنِهَا مُقَدَّرَةً مِنَ الشَّارِعِ وَلِلْإِشَارَةِ إِلَى الْمَنْعِ سُمِّيَ الْبَوَّابُ حَدَّادًا "[3]

"حد سے مراد وہ شے ہے جو دو اشیا کو باہم ملنے سے روک دے اور حد الدار یہ ہے

---

1 السرخسی، محمد بن أبي سهل، شمس الدين، أبو بكر، المبسوط للسرخسي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 1421ھ 2000م، جلد 9، ص: 58

2 الشوکانی ، محمد بن علی ، نیل الاوطار، بیروت ، دار صادر ، 1981ء ، جلد7، ص: 93

3 ابن حجرعسقلانی ، فتح الباری شرح صحیح البخاری ، ج 12، ص:58

کہ جو ایک گھر کو دوسرے سے جدا کر دے اور حد الشی سے یہ مراد ہے کہ اس شے کا ایسا وصف جو اس پر محیط ہو اور دوسرے شے سے اس کو جدا کر دے اور زانی وغیرہ کی سزا کو اس لیے حد کہا جاتا ہے کہ وہ اسے دوبارہ ایسا کام کرنے سے روکتی ہے یا اس لیے کہ یہ شارع کی طرف سے مقرر ہے۔"

علامہ کاسانیؒ (م:587ھ) حد سے متعلق تحریر کرتے ہیں

"الحد في الشَّرْعِ:عِبَارَةٌ عن عُقُوبَةٍ مُقَدَّرَةٍ وَاجِبَةٍ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالَى عز شَأْنُهُ بِخِلَافِ التَّعْزِيرِ فإنه ليس بِمُقَدَّرٍ قد يَكُونُ بِالضَّرْبِ وقد يَكُونُ بِالْحَبْسِ وقد يَكُونُ بِغَيْرِهِمَا وَبِخِلَافِ الْقِصَاصِ فإنه وَإِنْ كان عُقُوبَةً مُقَدَّرَةً لَكِنَّهُ يَجِبُ حَقًّا لِلْعَبْدِ حتى يَجْرِيَ فيه الْعَفْوُ وَالصُّلْحُ۔"[1]

"شریعت میں حد اس شرعی سزا کو کہتے ہیں جو بطور حق اللہ واجب ہو، یہ تعزیر کے خلاف ہے کیونکہ تعزیر مقرر نہیں ہوتی بلکہ مار پیٹ ، قید یا اس کے علاوہ کسی طریقے سے بھی یہ دی جا سکتی ہے یہ (حد) بخلاف قصاص ہے کیونکہ قصاص اگرچہ ایسی سزا کو کہتے ہیں جو مقرر ہے لیکن یہ حق العبد کے طور پر واجب ہوتی ہے اور اس میں معاف کرنے اور صلح کی گنجائش ہوتی ہے۔"

عبد القادر عودہ شہید (م:1374ھ) حد کے حوالے سے لکھتے ہیں

"والحدهوالعقودةالمقررةحقالله تعالى، او هو العقوبةالمقررةلمصلحه الجماعه وحينما يقول الفقهاءان العقوبة حق لله يعنون بذلک انها تقبل الاسقاط من الافراد ولا من جماع۔"[2]

"حد سے مراد وہ مقرر شدہ سزا ہے جو بطور حق اللہ مقرر ہو یا جماعت کی مصلحت کی خاطر مقرر کی گئی ہو۔ جب فقہا اس کو حق اللہ قرار دیتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس سزا کو افراد یا جماعت ساقط نہیں کر سکتے۔

فقہائے احناف کے نزدیک حدود وہ معین شرعی سزائیں ہیں جن کا طریقہ کار بھی متعین ہے، جیسا کہ وہبۃ

1 الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد 7، ص: 33

2 عودہ، عبدالقادر، التشریح الجنائی الاسلامی، دار الکتاب العربی، بیروت، س۔ ن، جلد1، ص:631

الزحیلی(م:1437ھ)اس حوالے سے تحریر کرتے ہیں

"والحد فی الشرع فی الاصطلاح الحنفیه : عقوبة مقدرةواجبة حقا لله فلا یسمی التعزیرحدا لانه لیس بمقدرولا یسمی القصاص ایضالانه اسن کان مقدرا، لکنه حق العباد، فیجری فیه العفو الصلح وسمیت هذه العقوبات حدودا لانها تمنع من الوقوع فی مثل الذنب۔"[1]

"احناف کی اصطلاح میں حد وہ مقرر کردہ شرعی سزا ہے جو اللہ کے حق کے طور پر واجب ہو۔ تعزیر کو حد نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ مقرر نہیں اور نہ قصاص کو حد کہا جا سکتا ہے اگرچہ یہ مقرر تو ہے لیکن یہ بندوں کا حق ہے اوراس میں معافی اور صلح کی گنجائش ہوتی ہے ان سزاؤں کو حدود اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ گناہ میں واقع ہونے سے انسان کو روکتی ہیں۔"

ان تمام تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حد سے مراد معاشرتی جرائم پر مقرر شدہ ایسی سزا جو نص سے ثابت ہو، بطور حق اللہ مقرر کی گئی ہو اور اس کا طریقہ کار بھی معین ہو۔ اس کے علاوہ کسی بھی سزا پر حد کا اطلاق نہیں ہوگا، چاہے وہ تعزیر ہو یا قصاص۔

قرآن مجید میں لفظ حد

قرآن مجید میں حد کا مفہوم احکام یا حقائق کا بیان یا کسی کام سے روکنا مراد ہے۔ قرآن مجید میں لفظ حد "چودہ" مرتبہ "نو" آیات مبارکہ میں استعمال ہوا ہے، لیکن تمام مقامات پر جمع "حدود" کی صورت میں مذکور ہے۔ یہ قرآنی مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

1﴿ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ﴾[2]

"اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے قریب بھی نہ جانا۔"

اس آیت مبارکہ میں روزے کی حالت میں کھانے پینے اور اعتکاف میں رات کو بیویوں سے مباشرت کی

[1] وهبة الزحیلی، الدکتور ، الفقه الا سلامی وادلته ، دارالفکر، سورية ، دمشق، جلد 7 ، ص:216

[2] البقرہ، 187:2

ممانعت کا حکم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام یا حدود ہیں ان کے قریب جانے سے منع کیا گیا ہے۔

2 ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔﴾[1]

"طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو عورت کو روک لیا جائے یا بہتر طریقے سے اسے رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے وقت تمہارے لئے یہ جائز نہیں کی جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لو، البتہ یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کا حکم قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو، ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔"

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد اختیار ہے کہ عدت پوری کرنے کے بعد اسے اپنے پاس رکھے یا چھوڑ دے لیکن حدود اللہ کے قائم نہ رہنے کا اندیشہ ہے تو معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے جو اللہ کی حدود کو توڑے گا یا تجاوز کرے گا تو ایسے شخص کے لیے وعید ہے۔

3 ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔﴾[2]

"پھر اگر دوبارہ طلاق دینے کے بعد شوہر نے تیسری بار طلاق دے دی تو پھر وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں

1 البقرہ، 229:2

2 البقرہ، 230:2

کہ وہ حدود اللہ پر قائم رہیں گے تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ اس قوم کے واضح کر رہا ہے جو جانتے ہیں۔"

4﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۔﴾[1]

"یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں میراث کے احکام بیان کرنے کے بعد احکام کو ماننے اور اس پر انعام کا تذکرہ ہے۔

5﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۔﴾[2]

"جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے گا تو اسے اللہ تعالی آگ میں ڈلوائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔"

اس آیت میں میراث کے احکام بیان کرنے کے بعد احکام کو نہ ماننے والوں کو وعید سنائی جا رہی ہے۔

6﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔﴾[3]

"یہ عرب گنوار کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اس بات کے امکانات زیادہ ہیں کہ وہ اس دین کی حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں دیہاتی اعرابی جو شہریوں سے زیادہ کفر و نفاق میں سخت ہیں علماء اور علم سے دور رہنے کے سبب، وہ اپنے ماحول کی وجہ سے حدود کے احکام سے لاعلم ہیں۔

---

1 النساء، 13:4

2 النساء، 14:4

3 التوبہ، 97:9

7﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۔﴾[1]

"اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی عبادت کرنے والے، اس کی حمد بیان کرنے والے اور اس کی خاطر زمین میں چلنے پھرنے والے، اس کے آگے رکوع کرنے اور سجدہ ریز ہونے والے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے (مومن ہیں) اور ان مومنین کو خوشخبری دے دو۔"

8﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔﴾[2]

" پس جو شخص غلام نہ پائے وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار بن جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور نہ ماننے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت میں کفارہ ظہار کے لیے عورت کو چھونے سے قبل غلام آزاد کرو یا دو ماہ کے مسلسل روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ یہ کفارہ کے احکام اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز حرام ہے۔

9﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا﴾[3]

---

1 التوبہ، 112:9

2 المجادلة، 4:58

3 الطلاق، 1:65

"اے نبی! جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت پر طلاق دو اور گنتے رہو عدت کو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ نہ تم ان کو گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔"

احادیث مبارکہ میں لفظ حد

ذخیرہ حدیث میں لفظ حد اور حدود دونوں استعمال ہوئے ہیں، البتہ حد کا لفظ احادیث میں بہت زیادہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں حدود کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ حدود کا اصطلاحی، فقہی اور قانونی مفہوم عہد رسالت میں بالکل واضح تھا، جیسا کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا

"أقيموا حدود الله في القريب و البعيد. ولا تأخذكم في الله لومة لائم"[1]

"اللہ کی حدود کو قریب و بعید سب میں قائم کرو اور اللہ کے حکم بجالانے میں ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے"

حضرت انس بن مالک (م: 93ھ) سے مروی ہے

"كنت عند النبي ﷺ فجاءه رجل فقال يا رسول الله ﷺ إني أصبت حدا فأقمه۔"[2]

"ہم نبی ﷺ کے پاس تھے۔ پس ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حد واجب ہو گئی ہے، پس آپ ﷺ مجھ پر حد جاری فرمادیں۔"

حضرت علی (م: 40ھ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا

"من أصاب حدا فعجل عقوبته في الدنيا فالله أعدل من أن يثني على عبده العقوبة في الآخرة ومن أصاب حدا فستره الله عليه وعفا عنه فالله أكرم من أن يعود الى شيء قد عفا عنه۔"[3]

"جو شخص گناہ کرے پھر اس پر جلدی سے حد جاری ہو۔ پھر اس کی سزا دنیا میں

---

1 ابن ماجه ، السنن، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود ، رقم الحديث: 2540

2 البخاری، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب إذا أقر بالحد ولم يبين، رقم الحديث: 6437

3 الترمذی، الجامع الترمذی، كتاب الحدود، باب ما جاء لا يزني الزاني وهومؤمن، رقم الحديث:2626

اس کو دی جائے، تو اللہ اس سے زیادہ عادل ہے کہ اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے اور جو شخص دنیا میں گناہ کرے پھر اللہ اس کا گناہ ڈھانپ لے تو اس کا کام اس سے زیادہ ہے کہ دوبارہ اس کا مواخذہ کرے جس کو ایک بار معاف کر چکا۔"

حضرت عائشہ (م:58ھ) سے مروی ہے کہ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی عورت فاطمہ بنت اسود نے چوری کی۔ لوگ اسامہ بن زید (م:54ھ) کو رسول ﷺ کے پاس سفارشی بنا کر لے آئے تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ سے ارشاد فرمایا

"أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ، ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ، وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا "[1]

"کیا تو حدود اللہ میں سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا پھر فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک کر دیے گئے کہ ان میں سے جب کوئی امیر جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر غریب جرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

ابی بردہ (م:104ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"لا يحد فوق عشرة أسواط إلا في حد من حدود الله ۔"[2]

"حد (تعزیر) میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے مگر اس سزا میں سے جو حدود اللہ میں سے ہو۔"

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دور مبارک میں لوگ حدود سے اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ حدود سے مراد ایسی سزائیں ہیں جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں اور ان سزاؤں میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کی گنجائش نہیں اور ان کا طریقہ کار بھی

---

1 البخاری ، الجامع الصيحح، كتاب الحدود، باب أم حسبت أن أصحاب الكهف والرقيم ، رقم الحديث: 3288

2 النسائی،السنن الكبرٰی ،كتاب الرجم، باب كم التعزير وذكراختلاف الناقلين،رقم الحديث:7330

متعین ہے، نیز یہ سزائیں نا قابل معافی اور سفارش سے بالاتر ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے نزدیک حدود

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے بھی حدود کو انہی مفہوم میں لیا، خصوصاً خلفائے راشدین کے دور میں حدود کی عملی تنفیذ اسی بات کی غمازی ہے۔ ان کے عہد کی عملی مثالیں اگلے صفحات میں پیش کی جائیں گی۔

متقدمین اور متاخرین کے نزدیک حدود

جہاں پر بھی شریعت محمدی ﷺ نافذ رہی، چاہے وہ دور بنو امیہ کا ہو یا بنو عباس کا، خلافت عثمانیہ ہو یا مغلیہ دور یا آج کے جدید دور میں سعودی عرب، پاکستان اور برونائی میں اسلامی حکومت، حدود کا مفہوم آج تک وہی سمجھا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ البتہ یہ مسئلہ رہا کہ دنیا میں حدود کا نفاذ نہ رہا ہو یا ان پر عمل درآمد نہ ہو رہا ہو، لیکن ان کا مفہوم آج تک وہی لیا جاتا ہے۔

حدود کے نفاذ کی ضرورت

حدود سے مراد اللہ کی حدود ہیں جن میں مداخلت اللہ کی سلطنت میں مداخلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو لاتعداد امور میں اپنی عقل استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ بے شمار ناپسندیدہ افعال اور جرائم ایسے ہیں جن کی سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی اور یوں شخصی آزادی کا اہتمام کیا گیا، لیکن کچھ افعال کو حرام قرار دینے کے بعد ان کی سزا اور اس کے متعلقات کے لیے حد کی اصطلاح خود اللہ تعالیٰ نے وضع کی۔ زنا، قذف، خمر، سرقہ، حرابہ، ارتداد اور بغی حرام ہیں اور ان کی سزائیں بھی اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمادی ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان افعال پر سزائیں کس قدر اہم ہیں، جیسا کہ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ تنبیہ فرمارہے ہیں

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔﴾[1]

"یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کریں، وہی ظالم ہیں۔"

آپ ﷺ نے رحمت للعالمین اور امت پر شفیق ہونے کے باوجود حدود کے معاملے میں یوں تنبیہ فرمائی

---

[1] البقرہ ، 229:2

"أَلاَ وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلاَ وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ۔ "[1]

"خبر دار! ہر بادشاہ کی (کوئی نہ کوئی) چراگاہ ہوتی ہے اور (یاد رکھو) اللہ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔"

لفظ "حمی" عربی ادب میں اپنے مجازی معنوں میں اگرچہ "چراگاہ" کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن فی الاصل اس کا صحیح ترین معنی "علاقہ ممنوعہ" ہے۔ یہ علاقہ ممنوعہ اللہ تعالیٰ کی خاص سلطنت کی حدود بھی ہو سکتا ہے، یہ اس کی خلوت گاہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی۔ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محارم اللہ تعالیٰ کا علاقہ ممنوعہ ہیں۔ ان محارم میں سے کئی محارم کے نزاعات میں قول فیصل کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو تفویض فرما دیا ہے جیسے ملاوٹ کرنا حرام ہے۔ یہ فعل اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے ایک ہے، لیکن اس پر سزا کا تعین انسان کے فہم پر چھوڑ دیا گیا اور اللہ نے خود سزا مقرر نہیں فرمائی۔

لیکن اللہ کی سلطنت میں بعض ممنوعہ علاقے ایسے ہیں جن کی سرحدی خلاف ورزی پر خود اللہ تعالیٰ نے الہامی ہدایت کے ساتھ سزا مقرر فرما دی ہے۔ ان سرحدی خلاف ورزیوں پر سزا کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دینا پسند نہیں فرمایا بلکہ ان کی سزا بھی خود ہی مقرر فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی اگر ممنوعہ علاقہ موجود ہے تو اس کے امور مکمل طور پر مکلفین کے افعال سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس مکلفین کے افعال میں حلال و حرام دونوں شامل ہیں اور انہی افعال کی وجہ سے جزا یا سزا ہو گی۔ اس طرح ان اساسی افعال حرام پر حدود کا نفاذ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھ کر انسانوں پر ایک طرح سے شفقت فرمائی ہے اور مقاصد شریعہ کے تحت انسان کے دین، جان، نسل، عقل اور مال کی حفاظت کا انتظام حدود کے ساتھ جوڑ دیا گیا تاکہ معاشرے میں امن و امان قائم رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی کو سزا نہ دی، لیکن جب اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا، تو آپ ﷺ نے حدود کا نفاذ فرمایا، جیسا کہ حضرت عائشہ (م:58ھ) سے روایت ہے

" مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ، فَإِذَا كَانَ الإِثْمُ كَانَ أَبْعَدَهُمَا مِنْهُ، وَاللَّهِ مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ فِي

[1] المسلم ، المسلم بن الحجاج، أبو الحسين، القشيري، الجامع الصحيح، كتاب ا لمساقاة، باب أَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الشُّبُهَاتِ، دار الجيل و دار الأفاق الجديدة ، بيروت، رقم الحديث: 4178

شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ قَطُّ، حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمُ لِلَّهِ ۔"[1]

" نبی ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے آسان ہی کو پسند کیا بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کا پہلو نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا تو آپ ﷺ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اللہ کی قسم! نبی ﷺ نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو توڑا جاتا تو آپ ﷺ اللہ کے لیے بدلہ لیتے۔"

حدود کی تنفیذ کی فضیلت

اسلام میں حدود قائم کرنے کی میں بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں چند روایات نقل کی جاتی ہیں:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۔﴾[2]

" یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔"

گویا کہ اللہ کی حدود میں رہنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع و فرمانبردار بننا اور شریعت مطہرہ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا سمجھا جائے گا، جس پر جنت کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ (م:59ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" حَدٌّ يُعْمَلُ بِهِ فِي الْأَرْضِ، خَيْرٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُمْطَرُوا أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ۔"[3]

"روئے زمین پر کسی حد پر عمل کیا جانا اہل زمین کے لیے چالیس دن کی بارش برسنے سے زیادہ بہتر ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ (م:59ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

1 البخاری، محمد بن إسماعيل، أبو عبدالله ، الجامع الصحيح ، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود، دار ابن كثير ، اليمامة ، بيروت، 1407-1987، الطبعة الثالثة، رقم الحديث: 6404

2 النساء، 13:4

3 ابن ماجه ، محمد بن يزيد، أبو عبدالله، القزويني، السنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود، دار الفكر ، بيروت ، رقم الحديث: 2538

" إِقَامَةُ حَدٍّ يُعْمَلُ بِأَرْضٍ خَيْرٌ لِأَهْلِهَا مِنْ مَطَرٍ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً "[1]

"اللہ کی حدود میں کسی حد کا قائم کرنا چالیس رات پانی برسنے سے بہتر ہے۔"

حد گناہوں کا کفارہ ہے، جیسا کہ خزیمہ بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" قال من أصاب ذنبا أقيم عليه حد ذلك الذنب فهو كفارته۔"[2]

"جب کوئی گناہ کرتا ہے اس پر جب حد لگ جائے تو حد اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔"

دنیا میں حد جاری ہونے پر سزا ملتی ہے لیکن آخرت میں یہ بھی نہیں ہو گی، جیسا کہ حضرت علی نے فرمایا

"مَنْ أَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا فَاللَّهُ أَعْدَلُ مِنْ أَنْ يُثَنِّيَ عَلَى عَبْدِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الآخِرَةِ، وَمَنْ أَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللَّهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَعُودَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ " [3]

"جو شخص گناہ کرے پھر اس پر جلدی سے حد جاری ہو پھر اس بندے کو اس پر سزا دنیا میں دے دی جائے، تو اللہ اس سے زیادہ عادل ہے کہ اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے اور جو شخص دنیا میں گناہ کرے پھر اللہ اس کا گناہ ڈھانپ لے تو اس کا کام اس سے زیادہ ہے کہ دوبارہ اس کا مواخذہ کرے جس کو ایک بار معاف کر چکا۔"

حدود کے نفاذ کی شرائط

حدود کی تنفیذ کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے:

1۔ حدود کا اجراء ہر کسی کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ حق صرف اسلامی حکومت کو حاصل ہے اور حکومت بھی اس وقت یہ سزا دے گی جب معاملہ کی پوری تحقیق ہو جائے اور ثبوت، اقرار یا قرائن سے جرم ثابت ہو جائے اور کوئی شبہ باقی نہ رہے کیونکہ حد حق اللہ ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اسلامی قانون میں جائز نہیں کہ جرم ثابت ہو جانے کے بعد سزا میں کوتاہی کی جائے بلکہ ایسا کرنا جرم ہے۔ حدود کا نفاذ اسلامی حکومت کے قیام سے ہو گا اور امام کے ذمہ ہے، جیسا کہ امام سرخسیؒ نے لکھا ہے

---

1 النسائی، السنن ، كتاب الحدود، الترغيب في إقامة الحدود، رقم الحديث: 7392

2 احمد بن حنبل ، مسنداحمد ، حديث خزيمة بن ثابت رضي الله تعالى عنه ، مؤسسة قرطبة ، القاهرة، س۔ ن، رقم الحديث: 21915

3 الترمذی ، محمد بن عیسی، أبو عيسى ، الجامع الترمذي ، كتاب الحدود ، باب جاء لا يزني الزاني وهو مؤمن ، دار إحياء التراث العربي ، رقم الحديث:2626

"استيفاء الحد إلى الإمام"[1] "حد کا استیفاء امام کا کام ہے۔"

حاکم وقت یا اس کا نمائندہ ہی حد کا نفاذ کر سکتا ہے، جیسا کہ علامہ مرغینانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ "حد قائم کرنے کے لیے ضروری ہے اس کو امیر المومنین یا حاکم وقت یا حاکم کا نمائندہ قائم کرے۔"[2]

2۔ آزاد، عاقل، بالغ اور مرضی سے فعل سر انجام دینے والے پر حد جاری ہوتی ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں جس پر حد لگائی جائے وہ "آزاد، عاقل، بالغ ہو اور یہ فعل آزادی و مرضی سے ہوا ہو۔"[3]

3۔ جس پر حد قائم کی جائے وہ سلیم البدن ہو۔ پاگل، مجنون، مریض، ناتواں، ضعیف اور نشہ کی حالت میں حد قائم نہ ہو گی۔ ہاں البتہ ان کمزوریوں کے دور ہونے پر حد قائم ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تندرست پر ہی حد جاری کی جاتی، سوائے رجم کے۔ حضرت عبد الرحمان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی کو ایک لونڈی پر حد زنا جاری کرنے کا حکم فرمایا

" فَإِذَا هِيَ حَدِيثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِيتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ « أَحْسَنْتَ »۔"[4]

"جب سیدنا علی نے ایک لونڈی پر زنا کی سزا نافذ کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ وہ بچے کی ولادت کے بعد ابھی حالت نفاس میں تھی تو نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کی تحسین کی۔"

4۔ مکمل ثبوت کے ساتھ حد نافذ کی جائے گی۔ قابل اعتماد شہادت یا بینہ کے بغیر قاضی محض اپنے علم کی بنا پر سزا نہیں دے سکتا۔ اس حوالے سے امام کاسانی لکھتے ہیں

"الْحُدُودُ كُلُّهَا تَظْهَرُ بِالْبَيِّنَةِ وَالْإِقْرَارِ لَكِنْ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهَا" [5]

"تمام حدود بینہ اور اقرار سے ثابت ہوتے ہیں لیکن اس وقت جب اس کی تمام شرائط پوری ہوں۔"

---

1 السرخسی، المبسوط للسرخسي، جلد 9 ، ص: 182

2 المرغینانی، الهدایه ، کتاب الحدود ، جلد2 ، ص:501- 500

3 ایضاً ، جلد2 ، ص:502

4 مسلم، الجامع الصحيح ، كتاب الحدود ، باب تَأْخِيرِ الْحَدِّ عَنِ النُّفَسَاءِ، رقم الحديث: 4547

5 الكاسانی، بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، جلد 7، ص: 46

مدینے میں ایک عورت کھلی فاحشہ تھی لیکن اس کے خلاف بدکاری کا ثبوت میسر نہیں تھا۔ اس لیے اس کو کوئی سزا نہ دی جا سکی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ تک نکلے

"فقال له ابن شداد هي التي قال لها رسول الله ﷺ لو كنت راجما أحدا بغير بينة لرجمتها ؟ فقال ابن عباس تلك امرأة أعلنت۔ "[1]

"اگر میں ثبوت کے بغیر رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو ضرور رجم کرا دیتا۔ ابن عباس نے کہا (نہیں) وہ تو اعلانیہ فاحشہ تھی۔"

5۔ حد سرعام لگائی جائے تا کہ لوگ عبرت پکڑیں اور آئندہ اس فعل سے باز رہیں، جیسے ارشاد باری ہے

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔﴾[2]

"اور ان کی سزا کے وقت مؤمن لوگوں کی ایک جماعت حاضر ہو۔"

6۔ سزاؤں کے نفاذ کے حوالے سے شریعت کا یہ عمومی رجحان بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ شریعت کا اصل زور مجرم کو ہر حال میں سزا دینے پر نہیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو اسے سزا سے بچا کر اصلاح احوال کا موقع فراہم کیا جائے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جن سے جرم سرزد ہو جائے، یہ ترغیب دی ہے کہ اگر جرم کے ساتھ کسی بندے کا حق متعلق نہیں ہے تو وہ اپنے جرم پر پردہ ڈالے رکھیں اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ آنَ لَكُمْ أَنْ تَنْتَهُوا عَنْ حُدُودِ اللَّهِ مَنْ أَصَابَ مِنْ هَذِهِ الْقَاذُورَاتِ شَيْئًا فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللَّهِ فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِي لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللَّهِ۔"[3]

"اے لوگو! تحقیق تمہارے لیے ہے کہ حدود اللہ سے بچو۔ جو شخص ان ناپاک چیزوں میں سے کسی میں ملوث ہو جائے تو وہ اس پردے سے اپنے آپ کو چھپا لے جو اللہ نے ڈال رکھا ہے، کیونکہ جو شخص ہمارے سامنے اپنے جرم کو بے نقاب کرے گا، ہم اس پر اللہ کے قانون کو نافذ کر دیں گے۔"

---

[1] ابن ماجه ، السنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من أظهر الفاحشة ، رقم الحديث:2560

[2] النور، 2:24

[3] مالك بن أنس، الموطامالک، كتا ب الحدود، بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ اعْتَرَفَ عَلَى۔،مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان ، الطبعة الاولى 1425هـ - 2004، رقم الحديث:3048

آپ ﷺ نے معاشرے کے لوگوں کو بھی یہی ترغیب دی ہے کہ ایسے مجرموں کو عدالت میں پیش کرنے سے گریز کریں کیونکہ عدالت میں مقدمہ پیش ہو جانے کے بعد مجرم پر سزا کا نفاذ حاکم یا قاضی کی ذمہ داری قرار پاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"تعافوا الحدود فيما بينكم فما بلغني من حد فقد وجب"[1]

"حدود کو تم آپس میں معاف کر دیا کرو، میرے پاس پہنچنے کے بعد واجب ہو گی (یعنی اب ضرور قائم ہو گی)۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں ارباب حل و عقد کے لیے بھی یہ رہنما اصول بیان فرمایا ہے کہ ان کی اصل دلچسپی مجرم کو سزا دینے سے نہیں بلکہ عدل و انصاف کی حدود میں رہتے ہوئے اس کے لیے معافی کی گنجائش تلاش کرنی چاہیے، جیسا کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے

"ادروا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة 2

"جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے سزاؤں کو ٹالو۔ پس اگر تمہیں کسی مسلمان کے لیے سزا سے بچنے کا کوئی راستہ ملے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معاف کر دینے میں غلط فیصلہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کو سزا دینے میں غلطی کرے۔"

7۔ اس کے علاوہ حد جاری کرنے میں جو شخص مانع بنے۔ وہ اسلام کی نظر میں سخت مجرم اور لائق ملامت ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا

"مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ فَقَدْ ضَادَّ اللَّهَ "[3]

"جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں مانع بنے (تو وہ ایسا ہے) کہ اس نے اللہ کے فیصلہ میں اس کی مخالفت کی۔"

---

1 النسائی ، السنن ، كتاب الحدود، باب ما يكون حرزا وما لا يكون ، رقم الحديث:7373

2 الترمذی، الجامع الترمذی ، كتاب الحدود عن رسول الله صلى الله عليه و سلم، ماجاء في درء الحدود، رقم الحديث: 1424

3 ابو داؤد ، سليمان بن الأشعث، السجستاني ، السنن أبي داود ، دار الكتاب العربي .بيروت، س۔ ن۔ ، كتاب الأَقضية، باب فِيمَنْ يُعِينُ عَلَى خُصُومَةٍ، رقم الحديث: 3599

حدود میں تخفیف کے مواقع

مندرجہ ذیل چند اہم پہلوؤں کی نشان دہی کی جارہی ہے، جن کی بناء پر حدود (عقوبات) میں معافی یا تخفیف کی گنجائش ملتی ہے:

1۔ اگر شریعت کا کوئی دوسرا اصول کسی خاص مجرم پر سزا کے نفاذ میں مانع ہو تو اسے سزا سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا یا اس کے لیے متبادل سزا تجویز کی جائے گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں سے ثابت ہے۔ حضرت نعیم بن مسعود اشجعی (م:36ھ) سے روایت ہے، جب بنو حنیفہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کے دو قاصد اس کا خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ مسیلمہ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو رسول اللہ نے ارشاد فرمایا

" لو لا أن الرسل لا تقتل لضربت أعناقكما۔"[1]

"اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کی روایت ہوتی تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ ارتداد کی وجہ سے وہ دونوں قاصد قتل کے مستحق ہو چکے تھے، لیکن قاصدوں اور سفیروں کے احترام اور ان کی حفاظت کا ایک دوسرا اخلاقی اصول اس پر عمل کرنے میں مانع تھا اور آپ نے اسی کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں بحفاظت واپس جانے دیا۔ آپ ﷺ نے اسی اصول پر یہ ہدایت کی کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اسے قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔ حضرت سراقہ بن مالک (م:24ھ) سے روایت ہے

" رسول الله ﷺ يقيد الأب من ابنه ولا يقيد الابن من أبيه۔"[2]

"رسول اللہ ﷺ باپ پر بیٹے کے قتل میں قصاص نہیں دلوایا کرتے تھے جب کہ بیٹے سے باپ کے قتل میں قصاص دلواتے تھے۔"

2۔ سزا نافذ کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا مجرم کو سزا دینے سے کسی بے گناہ کو کوئی نقصان تو نہیں ہو گا اور یہ مجرم جسمانی لحاظ سے سزا کا متحمل بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے بدکاری کی

1 احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل ، باب حديث نعيم بن مسعود, رقم الحديث: 16032

2 الترمذی ، الجامع الترمذی، كتاب الديات، ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد ، رقم الحديث: 1399

مرتکب ایک حاملہ عورت کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جب تک وہ بچے کی ولادت سے فارغ نہیں ہو گئی۔

" قَالَتْ إِنَّهَا حُبْلَى مِنَ الزِّنَا. فَقَالَ « آنْتِ ». قَالَتْ نَعَمْ. فَقَالَ لَهَا « حَتَّى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكِ ». قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ قَالَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ. فَقَالَ « إِذًا لاَ نَرْجُمَهَا وَنَدَعَ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ ». فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ فَقَالَ إِلَيَّ رَضَاعُهُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ. قَالَ فَرَجَمَهَا."[1]

" اس نے کہا میں زنا کی وجہ سے پیٹ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا، تو خود! اس نے کہا کہ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ابھی جا یہاں تک کہ تیرے بچہ پیدا ہو جائے۔ پھر جب بچہ پیدا ہو گیا تب حاضر ہو کر اس نے آگاہ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا ابھی جا یہاں تک کہ اس کا دودھ چھڑا دے، پھر جب دودھ چھڑا دیا تو حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا ابھی ہم اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچے کو بے دودھ نہیں چھوڑیں گے۔ ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے کہ میں اس بچہ کی پرورش کروں گا تب اللہ کے نبی ﷺ نے رجم کا حکم دیا۔"

آپ ﷺ نے ایک بوڑھے کو، جو کوڑوں کی سزا کا جسمانی طور پر متحمل نہیں ہو سکتا تھا، حقیقی طور پر سو کوڑے لگوانے کے بجائے یہ حکم دیا

" فخذا له عثكالا فيه مائة شمراخ فاضربوه ضربة واحدة۔"[2]

" کھجور کے درخت کی ایک ٹہنی لے کر جس میں سو پتلی شاخیں ہوں، ایک ہی دفعہ اس کے جسم پر ماردی جائے۔"

3۔ کسی خاص صورتحال میں سزا کے نفاذ سے اگر کوئی فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو بھی شارع کا منشا یہی ہو گا کہ سزا نافذ نہ کی جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کے دوران چور کے ہاتھ نہیں کاٹے۔ جنادہ بن ابی امیہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا

---

1 المسلم ، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا، رقم الحديث:4527

2 ابن ماجه ، السنن ، كتاب الحدود ، باب الكبير والمريض بجب عليه الحد، رقم الحديث: 2574

" « لاَ تُقْطَعُ الأَيْدِى فِى السَّفَرِ، وَلَوْلاَ ذَلِكَ لَقَطَعْتُهُ۔"[1]

"سفر کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹ دیتا۔"

چنانچہ جنگ کے لیے نکلنے والے لشکر میں سے کسی شخص نے اگر چوری کی، تو رسول ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا۔

4۔ اگر مجرم کسی فعل کی حرمت سے ناواقف ہو تو یہ چیز سرے سے سزا کے سقوط یا اس میں تخفیف کا سبب بن سکتی ہے۔ جیسے ایک لونڈی نے زنا کو گناہ نہ سمجھتے ہوئے بلا جھجک اس کا تذکرہ کیا کہ ہاں! میں نے مرغوش نامی شخص سے دو درہم لے کر زنا کیا تھا حضرت عمر نے اسے سزا دینا چاہی تو حضرت علی نے کہا کہ یہ جس انداز میں بے جھجک زنا کا ذکر کر رہی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اس کی حرمت سے واقف نہیں، جب کہ حد اسی شخص پر نافذ کی جاسکتی ہے جو اس فعل کی حرمت سے واقف ہو۔

" فجلدها عمر رضي الله عنه مائة وغربها۔"[2]

"پس عمر نے اسے ایک سو کوڑے لگائے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا۔"

5۔ حرمت محل میں واقع ہونے والے اشتباہ کی بنا پر سزا میں تخفیف کے نظائر بھی روایات و آثار میں موجود ہیں، چنانچہ زنا کے مقدمات میں اس اصول کے اطلاق کی مثال یہ ہے

" عن حبيب بن سالم قال رجل وقع على جارية امرأته فقال لأقضين فيها بقضاء رسول الله صلى الله عليه و سلم لئن كانت حلتها لأه لأجلدنه مائة وإن لم تكن أحلتها له رجمته۔"[3]

"حبیب بن سالم سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مقدمے میں، جس میں شوہر نے اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کیا تھا، یہ فیصلہ فرمایا اگر تو خاوند نے بیوی کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، لیکن اس میں

---

1 ابو داؤد ، السنن ، كتاب الحدود ، باب السَّارِقِ يَسْرِقُ فِى الْغَزْوِ أَيُقْطَعُ، رقم الحديث: 4410

2 البیهقی ، أحمد بن الحسين بن علي ، أبو بكر، بيهقي السنن الكبرٰی، كتاب الحدود، باب ما جاء في درء الحدود بالشبهات، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة، 1414 - 1994 ، رقم الحديث: 16842

3 الترمذي، الجامع الترمذی، كتاب الحدود،ما جاء في الرجل يقع على جارية، رقم الحديث: 1451

بیوی کی رضامندی شامل تھی تو خاوند کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے۔"

6۔ جن حالات میں جرم کا ارتکاب کیا گیا، اگر وہ سزا میں تخفیف کے متقاضی ہوں تو بھی سزا معاف کی جا سکتی یا کم تر سزا دی جا سکتی ہے[1]، چنانچہ مجبوری کے عالم میں کیے جانے والے جرم پر سزا معاف کر دی گئی۔

"أتى عمر بن الخطاب رضي الله عنه بامرأة جهدها العطش فمرت على راع فاستسقت فأبى أن يسقيها إلا أن تمكنه من نفسها ففعلت فشاور الناس في رجمها فقال علي رضي الله عنه هذه مضطرة أرى أن تخلي سبيلها ففعل۔ "[2]

"سیدنا عمر کے سامنے ایک عورت کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے زناء کا ارتکاب کیا تھا۔ اس سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک سفر کے دوران میں اس نے ایک چرواہے سے پینے کیلئے پانی مانگا تو اس نے اس شرط پر پانی دینے پر رضامندی ظاہر کی کہ خاتون اسے اپنے ساتھ زنا کرنے کی اجازت دے۔ چنانچہ خاتون نے شدید پیاس سے مجبور ہو کر اس کی شرط پوری کر کے اس سے پانی حاصل کیا۔ سیدنا عمر نے اس ضمن میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو سیدنا علی نے کہا کہ اس نے حالت اضطرار میں ایسا کیا ہے۔ چنانچہ اس خاتون کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔"

حدود کی اقسام

حدود کو مندرجہ ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1۔ معاملات میں حدود

اس قسم میں معاشرت، معیشت، نکاح، طلاق، کھانے پینے، رہن سہن اور دیگر معاملات میں حدود مقرر کی گئی ہیں جیسا کہ علامہ زبیدی لکھتے ہیں

"فَحُدُودُ اللّهِ عزّ وجلّ ضَرْبَانِ ضَرْبٌ منها حُدودٌ !حدَّها للنّاسِ في مَطَاعِمِهم ومَشارِبِهم ومَنَاكِحِهم وغيرِها ممّا أَحَلّ وحَرَّم"۔ [3]

---

1 عمار خان ناصر، حدود و تعزیرات چند اہم مباحث، المورد، لاہور، طبع اول، 2008، ص:55

2 البیہقی، السنن الکبری ، کتاب الحدود، باب من زنی بامرأة مستکرهة، رقم الحدیث: 16827

3 الزبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس، جلد 8، ص:7.

"حدود اللہ کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو ایسی حدود جو لوگوں کے لیے ان کے ماکولات، مشروبات اور مناکحات وغیرہ میں بسبب حلال اور حرام متعین کی گئی ہیں۔"

قرآن مجید میں انہی معاملات کے بارے میں آیا ہے، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں حرام مال کا تذکرہ کر کے اسے کھانے سے منع فرمایا جارہا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۔﴾[1]

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔"

اس آیت مبارکہ میں نکاح کے بارے میں فرمایا کہ اپنی ماں سے نکاح نہیں ہوتا۔

﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۔﴾[2]

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح مت کرنا مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا) بے شک یہ نہایت بے حیائی اور (اللہ کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا طریقہ تھا۔"

2۔ عقوبات میں حدود

ایسی سزائیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بعض جرائم پر مقرر فرمائی ہیں۔ یہ حدود کی دوسری قسم ہے۔ ان عقوبات سے متعلق ابن منظور تحریر کرتے ہیں

"والضَّرْب الثانِي عُقوباتٌ جُعِلَتْ لمَنْ رَكِبَ ما نَهَى عنْه ، كحَدّ السّارِق"[3]

"دوسری وہ سزائیں ہیں جو ممنوع کام کرنے والوں کو دی جاتی ہیں جیسے چور کی حد"

قرآن مجید اور احادیث میں انہی جرائم کے بارے میں آیا کہ یہ جرائم نہ کرو، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

---

1 النساء، 10:4

2 النساء، 22:4

3 ابن منظور ، لسان العرب، جلد 3، ص:140

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾[1]

"اور زنا کے قریب بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

حدود کا مقدمہ جب حاکم وقت تک پہنچ جائے تو معافی کی گنجائش نہیں، البتہ پہلے معاف کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ عمرو بن شعیب سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

"وتعافوا الحدود فيما بينكم فما بلغني من حد فقد وجب۔ "[2]

"حد کو تم آپس میں معاف کر سکتے ہو (یعنی جب تک اس کا مقدمہ میرے پاس پیش نہ ہو تمہیں اختیار ہے درگزر کرنے کا) میرے پاس پہنچنے کے بعد واجب ہو گی (یعنی اب ضرور قائم ہو گی)۔"

کتاب ہذا میں صرف عقوبات والی حدود کا ذکر ہے۔ معاملات والی حدود کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔

حدود کی تعداد

جرائم حدود کی تعداد کے سلسلے میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک

"جَمْعُ حَدٍّ وَالْمَذْكُورُ فِيهِ هُنَا حَدُّ الزِّنَا وَالْخَمْرِ وَالسَّرِقَةِ وَقَدْ حَصَرَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ مَا قِيلَ بِوُجُوبِ الْحَدِّ بِهِ فِي سَبْعَةَ عَشَرَ شَيْئًا فَمِنَ الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ الرِّدَّةُ وَالْحِرَابَةُ مَا لَمْ يَتُبْ قَبْلَ الْقُدْرَةِ وَالزِّنَا وَالْقَذْفُ بِهِ وَشُرْبُ الْخَمْرِ سَوَاءٌ أَسَكِرَ أَمْ لَا وَالسَّرِقَةُ وَمِنَ الْمُخْتَلَفِ فِيهِ جَحْدُ الْعَارِيَةِ وَشُرْبُ مَا يُسْكِرُ كَثِيرُهُ مِنْ غَيْرِ الْخَمْرِ وَالْقَذْفُ بِغَيْرِ الزِّنَا وَالتَّعْرِيضُ بِالْقَذْفِ وَاللِّوَاطُ وَلَوْ بِمَنْ يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَإِتْيَانُ الْبَهِيمَةِ وَالسِّحَاقُ وَتَمْكِينُ الْمَرْأَةِ الْقِرْدَ وَغَيْرَهُ مِنَ الدَّوَابِّ مِنْ وَطْئِهَا وَالسِّحْرُ وَترك الصَّلَاة تكاسلا وَالْفطر فِي رَمَضَان وَهَذَا كُلُّهُ خَارِجٌ عَمَّا تُشْرَعُ فِيهِ الْمُقَاتَلَةُ كَمَا لَوْ تَرَكَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ وَنَصَبُوا لِذَلِكَ الْحَرْبَ "[3]

"ابن حجر عسقلانی نے سترہ جرائم کو حدود میں شامل کیا ہے اور گیارہ جرائم کے متعلق اتفاق ظاہر کیا ہے کہ یہ حدود میں شامل ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔ زنا،

---

[1] الاسرا ، 32:17

2 النسائی ، السنن ، کتاب الحدود، باب ما یکون حرزا وما لا یکون، رقم الحدیث: 7373

[3] ابن حجرعسقلانی ، فتح الباری شرح صحیح البخاری ، ج 12، ص:58

قذف، سرقہ، بغاوت، شراب نوشی، ارتداد، حرابہ، ترک صلوٰۃ، ترک صوم، سحر اور وطی بہائم۔"

علامہ کاسانیؒ کے مطابق حدود کی تعداد پانچ ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

"الْحُدُودُ خَمْسَةُ أَنْوَاعٍ حَدُّ السَّرِقَةِ وَحَدُّ الزِّنَا وَحَدُّ الشُّرْبِ وَحَدُّ السُّكْرِ وَحَدُّ الْقَذْفِ۔ "[1]

ابن قدامہؒ حدود کی تعداد سات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"الْحُدُودُ سبعةأَنْوَاعٍ حَدُّ السَّرِقَةِ وَحَدُّ الزِّنَا وَحَدُّ الشُّرْبِ وَحَدُّ الْقَذْفِوَحَدُّ الحرابة وحد الردة وحد بغی۔ "[2]

عبد القادر عودہ شہیدؒ کے بقول حدود کی تعداد سات ہے، جو کہ یہ ہیں:

"جرائم الحدود معينة ومحددة العدد وهى سبع جرائم حَدُّ الزِّنَا وَحَدُّ السُّكْرِ وَحَدُّ الْقَذْفِ حَدُّ السَّرِقَةِوَحَدُّ الحرابة وحد ارتداد وحد بغى "[3]

جسٹس تنزیل الرحمن کے مطابق حدود اللہ کی تعداد چھ ہے

"حَدُّ الزِّنَا وَحَدُّ الْقَذْفِ وَحَدُّ الشُّرْبِ حَدُّ السَّرِقَةِ وَحَدُّ الحرابةوحد الردة۔ "[4]

عبد الرحمان الجزیری کے مطابق حدود کی تعداد مختلف فقہا کے نزدیک مندرجہ ذیل ہے:

"أما حد الذين يسعون في الأرض فسادا فلا يخرج عن حد السرقة أو القصاص أو التعذير

1 ـ الشافعية:قالوا إن الجنايات الموجبة للحد سبعة أقسام وهي الأول الجراح - ويشمل القصاص في النفس والأطراف والديات وغيرها ، الثاني البغاة، الثالث الردة، الرابع الزنا، الخامس القذف السادس قطع السرقة، السابع الأشربة المحرمة۔

2 ـ الحنفية،قالوا: إن الحدود ما ثبتت بالقرآن الكريم وهي خمسة فقط

---

1 الكاسانى، بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، جلد 7، ص: 33

2 ابن قدامة ، عبد الله بن أحمد بن قدامة، المقدسي ، المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ، 1405، عدد الأجزاء : 10، جلد 10، ص:60-353

3 عوده، عبدالقادر ، التشريح الجنائى الاسلامى، دار الكتاب العربى، بيروت، جلد1، ص: 79

4 تنزیل الرحمان، جسٹس، اسلامی قوانین (حدود، قصاص، دیت، تعزیرات)، قانونی کتب خانہ، لاہور، ص:64

الأول حد الزنا وهو ثابت بآية الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ۔ الآية 2 من النور ۔ الثاني حد السرقة وهو ثابت بقوله تعالى و السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله و الله عزيز حكيم ۔ آية 38 من المائدة الثالث حد شرب الخمر وهو ثابت بقوله تعالى إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون۔ آية 90 من المائدة الحد الرابع حد قطاع الطريق وهو ثابت بقوله تعالى إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأؤض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم . آية 33 من المائدة والخامس حد القذف وهو ثابت بقوله تعالى والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا شهادة أبدا وأولئك هم الفاسقون ۔ آية 4 من النور۔

3۔ المالكية، قالوا: ثمانيةحد جرائم ۔ الجناية على النفس أو على ما دونها ، حد الزنا وحد القذف حد السرقةوحد الحرابة وحد الردة وأحكامها، وحد البغى، حد الشرب وأشياء توجب الضمان۔ "[1]

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی کے مطابق بھی حدود کی تعداد چھ ہے

"حَدُّ الزِّنَا وَحَدُّ الْقَذْفِ وَحَدُّ الشُّرْبِحَدُّ السَّرِقَةِ وَحَدُّ الحرابةوحد الردة۔ "[2]

کتاب ہذا میں مندرجہ ذیل سات حدود کو زیر بحث لایا جا رہا ہے:"حَدُّ الزِّنَا وَحَدُّ الْقَذْفِ حَدُّ السَّرِقَةِوَحَدُّ الحرابة وحد الخمر وحد البغی وحد الرد۔ "

1۔حدِزنا

زنا کا لغوی واصطلاحی مفہوم

زنا کثیر المعنی لفظ ہے۔اس کا ایک معنی ہے، عظیم ،بلند، چنانچہ ابن فارس تحریر کرتے ہیں

"الزاء والنون والحرف المعتل لا تتضايف، ولا قياس فيها لواحدةٍ على

---

1 عبدالرحمان ، الجزیری، الفقه علی المذاہب الاربعه، بیروت، دارالفکر، 1990ء ، جلد5، ص:7

2 وهبة الزحيلى ، الفقه الا سلامى وادلته ، دارلفكر، سورية ، دمشق، س۔ ن۔ ، جلد 7 ، ص:212

أخرى. فالأوّل الزِّنَى، معروف. ويقال إنّه يمدّ ويقصر. يقال أبا حاضِرٍ
مَنْ يَزْنِ يُعرَف زنَاؤُهُ ۔ "[1]
"زنا کا اصل زاء اور نون اور آخر میں ی معتل ہے اس میں کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہو سکتا اور اس میں ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں پہلا مادہ زَنَیَ ہے اور یہی معروف ہے اور یہ مدہ اور قصر دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ وہ ایسا بلند مرتبہ شخص ہے جس کا عظیم مرتبت ہونا مشہور ہے۔"
زنا حرام کام ہے اور عظیم گناہوں میں ایک گناہ ہے۔ ابن قدامہ نے زنا کو عظیم اور بڑا گناہ کہا ہے
"الزنا حرام وهو من الكبائر العظام ۔"[2]
زنا کا ایک معنی ہے گھر والے سے بغاوت کرنے والی عورت، جیسا کہ ابن منظور لکھتے ہیں
"الزِّنا يمد ويقصر زَنَى الرجلُ يَزْني زِنىً مقصور وزِناءً ممدود وكذلك المرأَة وزانى مُزاناةً وزِنًّى كَزِنى... والمرأَة تُزانِي مُزاناةً وزِناء أَي تُباغِي۔ "[3]
"زنا مدہ اور قصر کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے "زَنَى الرجلُ يَزْني زِنىً" یہ مقصور ہے اور "وزناءً" یہ ممدود ہے اور اسی طرح عورت کے بارے میں ہے کہ زانیہ عورت یعنی اپنے گھر والے کے حق میں بغاوت کرنے والی ہے۔"
بغیر نکاح کے کسی غیر عورت سے ہم بستری کرنا زنا کہلاتا ہے اور امام راغب اصفہانی کے بقول زنا
"الزنا وطءُ المرأة من غير عقد شرعي۔ "[4]
"عقد شرعی کے بغیر کسی عورت سے ہم بستری کرنا ہے۔"
اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ مرد اجنبی عورت کی شرم گاہ میں مباشرت کرے، جیسا کہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں
"فأما الزنا فهو كل وطء وقع على غير نكاح صحيح ولا شبهة نكاح ولا ملك يمين۔"[5]

---

1 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد3، ص: 26
2 ابن قدامه ، المغنى فى فقه امام احمد بن حنبل ، جلد 10 ، ص: 116۔
3 ابن منظورالافريقى، لسان العرب ، ج14 ، ص:359.
4 راغب اصفہانی ، المفردات فی غريب القران، ص:222
5 ابن رشد، محمد بن احمد ، ابو الوليد، الاندلسى، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، مطبعة مصطفى البابي الحلبي ، مصر، الطبعة الرابعة، 1395ھ، 1984، جلد2، ص:433

"ایسی عورت کے ساتھ، جو نہ ملک اور نکاح میں ہو اور نہ اس کے ساتھ ملک و نکاح کا شبہ پایا جاتا ہو، رحم کی جانب سے مباشرت کرنا زنا کہلاتا ہے۔"

ان تمام تعریفات سے ثابت ہوا کہ بغیر نکاح کے کسی عورت سے مباشرت کرنا زنا کہلاتا ہے اور یہ حرام کام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

زنا کی اقسام

زنا کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں: اول: زنا بالرضا اور دوم: زنا بالجبر

یہ اصلاً دونوں گناہ ہیں، لیکن ان میں فرق قانون کے نفاذ اور اطلاق کے حوالے سے ہو سکتا ہے، مثلاً زنا بالرضا میں کسی انسان کے حق پر تعدی نہیں پائی جاتی اور اس کے ارتکاب پر از خود نہیں، بلکہ کسی کی طرف سے شریعت کی بیان کردہ کڑی شرائط کے مطابق شکایت کا اندراج کرائے جانے کے بعد ہی کاروائی کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ زنا بالجبر کو اصل میں فرد کے خلاف تعدی کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور اس پر ریاست کسی کی شکایت کے بغیر کاروائی کا لازمی حق رکھتی ہے۔[1]

زنا کی حرمت

شریعت مطہرہ نے عفت و عصمت اور انساب کی حفاظت کے لیے جہاں زنا کو حرام قرار دیا، وہاں زنا کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾[2]

"اور زنا کے قریب بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

مزید ارشاد فرمایا

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ.﴾[3]

"اے نبی! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ

---

11 عمار خان ناصر، حدود و تعزیرات چند اہم مباحث، ص:48-47

2 الاسرا ، 32:17

3 الممتحنة ، 12:60

خدا کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی اور نہ زنا کریں گی۔"

لوگوں کو زنا جیسے برے کام سے دور رکھنے کے سزا بتائی جارہی ہے، جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۔﴾[1]

"اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جن جاندار کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر، اور زنا نہیں کرتے۔ اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ایک مجلس میں صحابہ کرام سے بیعت لیتے ہوئے ارشاد فرمایا

" تبايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا۔ "[2]

"تم اس چیز پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے اور نہ چوری کروگے اور نہ زنا"۔

زنا کا ثبوت

حد زنا کی سزا کے اثبات کے تین طریقے ہیں: ایک اس کے خلاف گواہی جو ایک مخصوص نصاب کے مطابق ہو، دوسرا مجرم کی جانب سے عدالت کے سامنے آزادنہ اقرار جرم اور تیسرا قرائن یعنی حمل کا ظاہر ہو جانا۔

گواہی

حد زنا میں گواہی کا نصاب یہ ہے کہ چار گواہ ایک مرد و عورت پر زنا کی گواہی دیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ﴾[3]

"اور مسلمان عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں سے چار اشخاص کی شہادت لو۔"

---

1 الفرقان، 68:25

2 البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام ، باب بیعة النساء، رقم الحدیث: 6787

3 النساء، 15:4

قرآن مجید میں زنا کا الزام ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا گیا ہے گواہوں سے زنا کی گواہی بارے حاکم شرع گواہوں سے یوں سوال کرے کہ زنا کیا ہے؟ یعنی گواہوں سے زنا کی حقیقت پوچھے گا۔ جو وہ بیان کرتے ہیں کیا اس پر زنا کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں۔ کس طرح ہوا؟ یعنی زنا رضامندی سے ہوا یا بحالت اکراہ (بالجبر) ہوا۔ کہاں ہوا؟ مقام کا پوچھا جائے گا کہ کس جگہ ہوا۔ دارالاسلام میں ہوا یا دارالحرب میں ہوا۔ کب ہوا؟ یعنی زنا ہوئے کتنی مدت گزری ہے حال ہی میں ہوا ہے یا مدت گزر گئی ہے۔

کس عورت سے زنا کیا؟ یعنی اس عورت بارے سوال جس سے زنا ہوا۔ پس اگر وہ گواہ سب باتیں بیان کر دیں اور یوں کہیں کہ ہم نے اسے دیکھا کہ اس نے عورت کی شرمگاہ میں اس طرح مباشرت کی جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے۔

اگر قاضی گواہوں کے جوابات سے مطمئن ہو اور ان کا عادل ہونا قاضی کو معلوم ہے تو خیر، نہیں تو عدالت خود اس بات کی پوشیدہ یا اعلانیہ تحقیق کرے گی کہ وہ شخص عادل ہے اور اس کی گواہی قابل قبول ہے تو اس اطمینان اور ثبوت کے ساتھ گواہ صالح اور قابل اعتماد ہے تو اس شخص کو جس پر زنا کا الزام لگایا گیا، بروئے گواہان بلایا جائے گا اور اس سے دریافت کیا جائے گا کہ آیا وہ شخص (آزاد، عاقل، بالغ) اور اگر خود اس نے محصن ہونے کا اقرار کیا اور گواہوں سے بھی دریافت ہوا تو اس کو رجم کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس کا محصن نہ ہونا ثابت ہو تو قاضی اسے درے مارنے کا حکم دے گا۔ اور زانی کو گواہیاں مکمل ہونے تک محبوس رکھا جائے گا۔

شہادت کی شرائط

گواہوں کے لیے اسلامی قانون شہادت کی رو سے قابل اعتماد ہونا لازمی ہے مثلاً کہ وہ قبل ازیں کسی مقدمے میں جھوٹا گواہ ثابت نہ ہوئے ہوں، سزا یافتہ نہ ہوں، خائن نہ ہوں اور نہ ہی ملزم سے کوئی ذاتی دشمنی رکھتے ہوں وغیرہ اس کے ساتھ ساتھ گواہوں کو اس بات کی کھلی کھلی شہادت دینا ہوگی کہ انہوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا اس کے ساتھ ساتھ گواہوں کو اس امر میں بھی متفق ہونا چاہیے کہ انہوں نے کب کہاں کس کو کس سے زنا کرتے دیکھا۔[1]

---

[1] المرغینانی، الهدایه، کتاب الحدود، جلد2، ص:511

مندرجہ بالا بنیادی امور میں اختلاف پایا جائے تو رجم کی سزا قائم نہیں ہو گی۔

اقرار

خود زنا کا ارتکاب کرنے والے کے اقرار و اعتراف کی صورت یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ مجالس میں زنا کا اعتراف کرے اور ہر مرتبہ جب اقرار کرے تو قاضی اسے اپنے آگے سے ہٹا دے اپنی ذات پر قاضی کے سامنے جب اس طریقہ سے وہ چار مرتبہ اقرار کر لے، اور چار کا عدد پورا ہو جائے، تو قاضی اس پر حد لازم کر دے، زانی سے چار مرتبہ اقرار کی شرائط احنافؒ کے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ (م:204ھ) ایک مرتبہ اقرار کو کافی قرار دیتے ہیں اس لیے کہ اعتراف سے زنا کا اظہار ہو رہا ہے اور دوبارہ اقرار سے زنا کے اظہار میں زیادتی نہ ہو گی۔ جیسا کہ دوسرے حقوق میں ایک بار اقرار کافی ہوتا ہے تعداد اقرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک زنا کی گواہی میں چار گواہ ضروری ہیں اور دیگر حقوق کی گواہی میں دو گواہ کافی ہیں تو امام شافعیؒ نے گواہی کی جانب میں زنا اور بقیہ حقوق کے درمیان فرق کیا ہے کہ بقیہ حقوق میں گواہوں کی زیادتی، اطمینان دل کی زیادتی کا سبب ہوتی ہے اور احنافؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعز اسلمیٰ کے واقعہ میں اس وقت تک زنا ثابت ہونے کا حکم نہیں فرمایا، جب تک انہوں نے چار مرتبہ اس کا اقرار نہیں کیا۔

"فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِى. فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ « فِيمَ أُطَهِّرُكَ ». فَقَالَ مِنَ الزِّنَى. فَسَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ « أَبِهِ جُنُونٌ ». فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ. فَقَالَ « أَشَرِبَ خَمْرا ». فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ. قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ « أَزَنَيْتَ ». فَقَالَ نَعَمْ. فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ۔ "[1]

"پس کہا اے اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجیے تو پھر نبی ﷺ نے اسی طرح فرمایا ۔ حتیٰ کہ جب چوتھی مرتبہ انہوں نے کہا تو رسول ﷺ نے ماعز سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے تجھے پاک کروں۔ ماعز بولے زنا کی وجہ سے۔ رسول ﷺ نے دریافت فرمایا کیا یہ مجنون ہے تو بتایا گیا کہ یہ مجنون نہیں، پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس نے شراب پی ہے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر سونگھا تو

[1] مسلم ، الجامع الصحیح ، کتاب الحدود، باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا. رقم الحديث: 4527

شراب کی بو نہیں پائی، پھر آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے زنا کیا ہے؟ وہ بولا ہاں، تو آپ ﷺ نے رجم کا حکم فرمایا۔"

زنا کی سزا

قرآن مجید میں زنا کی سزا دو مقامات پر بیان کی گئی ہے: پہلی سزا عبوری ہے، جو بعد میں منسوخ ہو گئی، جب کہ دوسری حتمی سزا ہے۔ عبوری سزا سورۃ النساء میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۔﴾[1]

"اور مسلمان عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں سے چار اشخاص کی شہادت لو، پس اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھیں یہاں تک کہ ان کو موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکالے۔"

حتمی سزا

زنا کی حتمی سزا سورہ النور میں مذکور ہے جس کہ وجہ سے عبوری سزا کا حکم منسوخ ہو گیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔﴾[2]

"زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے مارو اور تمہیں اللہ کے حکم ماننے میں ان پر ترس نہ آئے۔ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیئے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ان کی سزا کے وقت موجود ہو۔"

---

[1] النساء، 15:4

[2] النور ، 24:2

شادی شدہ (محصن) کی سزا

محصن کی سزا رجم ہے اور رجم ایسی سزا ہے، جس میں زانی یا زانیہ کو جرم کے ثبوت کے بعد کھلے میدان میں جا کر اس قدر پتھر مارے جائیں کہ ان کی موت واقع ہو جائے۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت غامدیہ (ازد) کی آئی۔ پس کہنے لگی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے

"قَالَ « وَمَا ذَاكِ ». قَالَتْ إِنَّهَا حُبْلَى مِنَ الزِّنَا. فَقَالَ « آنْتِ ». قَالَتْ نَعَمْ. فَقَالَ لَهَا « حَتَّى تَضَعِى مَا فِى بَطْنِكِ ». قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ قَالَ فَأَتَى النَّبِىَّ -ﷺ- فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ. فَقَالَ « إِذًا لاَ نَرْجُمَهَا وَنَدَعَ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ ». فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ فَقَالَ إِلَىَّ رَضَاعُهُ يَا نَبِىَّ اللَّهِ. قَالَ فَرَجَمَهَا۔"[1]

"آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کیا ہوا، اس نے کہا میں زنا کی وجہ سے پیٹ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا، تو خود! اس نے کہا۔ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ابھی جا یہاں تک کہ تیرے بچہ پیدا ہو جائے پھر جب بچہ پیدا ہو گیا تب حاضر ہو کر اس نے آگاہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ابھی جا یہاں تک کہ اس کا دودھ چھڑا دے، پھر جب دودھ چھڑا دیا تو حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی ہم اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچے کو بے دودھ نہیں چھوڑیں گے۔ ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے (کہا کہ) میں اس بچہ کی پرورش کروں گا تب آپ نے رجم کا حکم دیا۔"

رجم کی صورت یہ ہے کہ لوگ نماز کی طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر ایک صف باری باری پتھر مارتی ہے۔ اگر زنا گواہوں سے ثابت ہو تو رجم کا طریقہ یہ ہے کہ رجم میں پہلے گواہ پتھر ماریں گے اور اس کے بعد حاکم یا قاضی پتھر مارے گا اور پھر باقی لوگ اور اگر زنا کا ثبوت اقرار سے ہو تو پہلے بادشاہ پتھر مارے گا اور پھر اور لوگ، جس کو رجم کیا گیا اسے غسل دینا، کفن دینا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز اور ضروری ہے۔ حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ماعز بن مالک کے حق میں دعائے مغفرت کی اور ارشاد فرمایا

---

[1] المسلم ، الجامع الصحيح ، كتاب الحدود، باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا. رقم الحديث: 4527

" لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ۔"[1]

"اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پوری امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔"

غیر شادی شدہ (غیر محصن) کی سزا

غیر شادی شدہ مرد و عورت کہ سزا قرآن مجید میں یہ ہے کہ ان کو درے مارنے کا حکم ہے۔

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ﴾[2]

"زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے مارو۔"

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک درے مارنے کے ساتھ ایک سال کے لیے جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ ابو ہریرہ اور زید بن خالد راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرے بیٹے نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ میرا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرمائیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ۔"[3]

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کر دی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ملے گی۔"

امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت کو صرف کوڑے مارے جائیں گے جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ "فاجلدوا "اس کا مطلب ہے کہ صرف کوڑے مارے جائیں اور جلاوطن کرنا امام کی مصلحت پر منحصر ہے، جیسا کہ الہدایہ میں ہے

"اسلامی نظام حکومت میں زنا کی سزا مملکت کے قانونی حق اور دائرے میں دی جاتی ہے اس لیے

---

1 المسلم، الجامع الصحيح،كتاب الحدود،باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا. رقم الحديث:4527

2 النور، 24: 2

3 المسلم، الجامع الصحيح،كتاب الحدود،باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا،رقم الحديث: 4531

مملکت کے تمام باسیوں پر یہ حکم لاگو ہوتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔"[1]

2۔حدِ قذف

قذف کا لغوی معنی پھینکنا ہے، جیسا کہ ابن فارس لکھتے ہیں

"القاف والذال والفاء أصلٌ يدلُّ على الرَّمي والطَّرح. يقال: قَذَفَ الشَّيءَ يقذِفُه قذْفاً، إذا رمى به۔ "[2]

"اس کا مادہ ہے "قَذَفَ" جو پھینکنے اور ایک طرف ہونے پر دلالت کرتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے یہ چیز پھینکی جب وہ اس کو پھینکے۔"

پھینکنا، دے مارنا بھی قذف کا مفہوم ہے، جیسا کہ ابن منظور افریقی کے نزدیک قذف کا مفہوم یوں ہے

"قذَفَ بالشيء يَقْذِف قَذْفاً فانْقَذَف رمى والتَّقاذُفُ الترامي ۔ ۔ وقوله تعالى قل إن ربي يَقْذِفُ بالحق۔ "[3]

"کسی چیز کو پھینکا، اور تقاذف کا معنی ہے آپس میں تیر اندازی کرنا۔۔۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دیجئے بے شک میرا رب حق کو باطل پر دے مارتا ہے۔"

اصطلاحی مفہوم

کسی پر تہمت لگانے یا عیب لگانے کو قذف کہتے ہیں، جیسا کہ راغب اصفہانی تحریر کرتے ہیں

"القذف الرمی البعید۔ واستعیر القذف للشتم والعیب کما الستعیر الرمی۔"[4]

"پھینکنا، تہمت لگانا، قذف کا لفظ بطور استعارہ گالی دینے اور عیب لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔"

کسی پر چار گواہوں کی عدم موجودگی میں زنا کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے، جیسے ابن قدامہ لکھتے ہیں

"القذف هو الرمي بالزنا۔ "[5]

---

1 المرغینانی ، ا لهدایه ، کتاب الحدود ، جلد2 ، ص:509

2 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد5، ص:68

3 ابن منظور، لسان العرب، جلد 9، ص:276

4 راغب اصفہانی ، المفردات فی غریب القران، ص: 414

5 ابن قدامه ، المغنی فی فقه امام احمد بن حنبل ، جلد 10، ص: 192

"کسی پر زنا کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے۔"

قذف کی حرمت

شریعت محمدی ﷺ میں کسی زنا کا الزام یا تہمت لگانے کو ایک شنیع جرم قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس طرح پورے معاشرے میں انسان کی عزت وعفت پر داغ لگ جاتا ہے اور اسے رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قاذف کو ملعون قرار دیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔﴾[1]

"جو لوگ پاک دامن، بھولی بھالی اور ایماندار عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔"

اسی طرح ابوہریرہ سے مروی ہے کہ قذف کی سزا بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا هِيَ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالشُّحُّ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ۔"[2]

"ہلاکت میں ڈالنے والی سات چیزوں سے بچو، پوچھا گیا! یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون سی اشیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو، قتل ناحق، سود اور یتیم کا مال کھانا، جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، اور پاک دامن، بھولی بھالی، ایماندار عورتوں پر تہمت لگانا"۔

قاذف کی سزا

قاذف کی سزا مندرجہ ذیل ہے: 1۔ اسی (80) کوڑے لگائے جائیں، 2۔ آئندہ ہمیشہ کے لئے اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور 3۔ اس سے معاملہ کرتے وقت اسے فاسق گردانا جائے، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ

---

1 النور، 23:24

2 النسائی، السنن، كتاب الاحباس، باب إبطال الوصية للوارث، رقم الحديث: 6498

﴿ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ.﴾[1]

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔"

اس آیت میں پاک دامن عورتوں کا ذکر ہے۔ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تہمت زنا پاک دامن مردوں پر لگائی جائے تو بھی موجب حد ہے اس میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہیں۔

قاذف کی شرائط: محصن پر زنا کی تہمت لگانے والا جو بالغ ہو، عاقل ہو اور مجنون نہ ہو۔

مقذوف کی شرائط: محصن جس پر زنا کی تہمت لگے جو بلوغ، حریت، پاک دامنی، اسلام، مکلف اور زنا کرنے پر قادر ہو۔[2]

ان میں سے کوئی بھی شرط کم ہو تو حد نافذ نہیں ہوتی، بلکہ تعزیر لگے گی اور رسول اللہ ﷺ نے خود حد قذف جاری فرمائی، جیسا کہ اماں عائشہ سے مروی ہے

" لما نزل عذري قام رسول الله ﷺ على المنبر فذكر وتلا القرآن فلما نزل أمر برجلين وامرأة فضربوا حدهم۔ "[3]

"جب میری برات نازل ہوئی تو آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اس کا تذکرہ کرنے کے بعد وہ آیات تلاوت کیں۔ پھر نیچے تشریف لائے اور دو مردوں اور ایک عورت پر حد قذف جاری کرنے کا حکم دیا۔"

لِعان

ابن فارس کے نزدیک لعان

"اللام والعين والنون أصلٌ صحيحٌ يدلُّ على إبعادٍ وإطرادٍ[4]"

"اس کا مادہ "لَعَنَ" ہے صحیح ہے اس کا لغوی معنی ہے دوری یا گالی دینا۔"

---

1. النور، 24:4
2. المرغینانی ، ا لهدایه ، کتاب الحدود ، جلد2 ، ص:518
3. الترمذی ، الجامع الترمذی، کتاب فضائل قرآن ، باب ومن سورة النور، رقم الحدیث: 3181
4. ابن فارس، معجم مقاییس اللغة، جلد 5، ص: 252

ابن منظور لکھتے ہیں کہ لعان سے مراد دوری ہے

"واللَّعْنُ الإِبْعادُ والطَّرْد من الخير وقيل الطَّرْد والإِبعادُ من الله ومن الخَلْق السَّبُّ والدُّعاء واللَّعْنةُ الاسم والجمع لِعانٌ ولَعَناتٌ ولَعَنه يَلْعَنه لَعْناً طَرَدَه وأَبعده ورجل لَعِينٌ ومَلْعُونٌ والجمع مَلاعِين [1]"

"اور لعن دوری کے لیے آتا ہے اور طرد بھلائی کے لیے آتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوری اور بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور جب ان کی نسبت مخلوق کی طرف کریں تو اس کا معانی گالی اور دعا ہے اور لعنت اسم ہے اور اس کی جمع لعان ہے اور" ولَعَناتٌ ولَعَنه يَلْعَنه لَعْناً "اس کا مطلب ہے کہ اس کو دور کر دیا اور رجل لعین کا معنی ہے وہ شخص جو اللہ کی رحمت سے دور ہو اور ملعون کی جمع ملاعین آتی ہے۔"

شریعت میں قذف کے عمومی قانون میں ایک استثنائی صورت بھی ہے جس کے تحت جب ایک مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے لیکن اس الزام کے ثبوت میں چار چشم دید گواہ پیش نہ کر سکے تو اس صورتحال میں قذف کی کاروائی نہیں ہوتی، بلکہ لعان کی کاروائی ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۔ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۔ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۔ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۔﴾[2]

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو اور عورت سے سزا

---

[1] ابن منظور، لسان العرب، جلد 13، ص: 387

[2] النور ، 24: 9-6

اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس (بیوی) پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو گواہ پیش کر یا پھر تم پر حد جاری کی جائے گی۔

" فقال هلال يا رسول الله إذا رأى أحدنا رجلا على امرأته أيلتمس البينة ؟ فجعل رسول الله ﷺ يقول البينة وإلا فحد في ظهرك قال فقال هلال والذي بعثك بالحق إني لصادق ولينزلن في أمري ما يبرئ ظهري من الحد فنزل والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم } فقرأ حتى بلغ والخامسة أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين قال فانصرف النبي ﷺ فأرسل إليهما فجاءا فقام هلال بن أمية فشهد والنبي ﷺ يقول إن الله يعلم أن أحدكما كاذب فهل منكما تائب ؟ ثم قامت فشهدت فلما كانت عند الخامسة أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين قالوا لها إنها موجبة ـ "[1]

" ہلال نے عرض کیا کہ اگر کوئی کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھے تو کیا گواہ تلاش کرتا پھرے لیکن آپ ﷺ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ یا پھر تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے۔ ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں یقینا سچا ہوں اور میرے متعلق ایسی آیات نازل ہوں گی جو میری پیٹھ کو حد سے نجات دلائیں گی چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں **والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم والخامسة أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين**۔ آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھیں اور ان دونوں کو بلوایا۔ وہ دونوں آئے اور کھڑے ہو کر گواہی دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ جانتے ہیں کہ تم میں سے کوئی جھوٹا ہے۔ کیا تم دونوں میں

[1] الترمذی، الجامع الترمذی ، کتاب التفسیر، باب ومن سورة النور، رقم الحدیث: 3179

سے کوئی رجوع کرنا چاہتا ہے ؟ پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور گواہی دی۔ جب وہ پانچویں گواہی دینے لگی کہ اگر اس کا شوہر سچا ہو تو اس عورت پر اللہ کا عذاب نازل ہو تو لوگوں نے کہا کہ یہ گواہی اللہ کے غضب کو لازم کر دے۔"

لِعان کی کاروائی کے بعد علامہ مرغینانیؒ کے مطابق

"قاضی میاں بیوی میں تفریق کرادے اور یہ فرقت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک طلاق بین ہوگی اور امام یوسفؒ کے نزدیک دائمی حرمت ہوگی۔ اس کے بعد وہ میاں بیوی کے طور پر نہیں رہ سکتے۔"[1]

3۔حدِ سرقہ

لغوی مفہوم

سرقہ سے مراد کسی چیز کو خفیہ طریقے سے لینا، جیسا کہ ابن فارس سرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں

السين والراء والقاف أصلٌ يدلُّ على أخْذ شيء في خفاء وسِتر. يقال سَرَقَ يَسْرق سَرِقَةً. والمسروق سَرَقٌ. واسترَقَ السَّمع، إذا تسمَّع مختفياً. ومما شذَّ عن هذا الباب السَّرَق: جمعَ سَرَقة، وهي القطعة من الحرير۔[2]

مادہ " سَرَقَ " ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو خفیہ طریقے سے لینا جیسے کہا جاتا ہے سَرَقَ یَسْرِق سَرِقَۃً. والمسروق سَرَقٌ اور واستَرَقَ السَّمع کا معنی ہے کسی بات کو چھپ کر سننا اور اس کی جمع سرقہ ہے اور یہ ریشم کے ٹکڑے کو بھی کہتے ہیں۔

سرقہ مال چوری کرنے کو کہتے ہیں ابن منظور افریقی کے بقول

قالوا سَرَقَهُ مالاً وفي المثل سُرِقَ السارقُ فانتحَر والسَّرَق مصدر فعل السارق تقول بَرِئْتُ إليك من الإباق والسَّرَق في بيع العبد ورجل سارِق من قوم سَرَقةٍ ۔ [3]

---

1 المرغینانی ، الهدایه ، کتاب العان ، جلد2 ، ص:424

2 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة ، جلد 3، ص:154

3 ابن منظور، لسان العرب، جلد10، ص:155

"کہتے ہیں کہ اس کا مال چوری کیا اور ضرب المثل ہے چور کا پیچھا کیا گیا وہ بھاگ گیا السرق سارق کا مصدر ہے جیسے تو غلام کو بیچنے میں کہے کہ میں اس کے بھاگنے اور چوری کرنے میں بری ہوں اور رجل سارق چور قوم کے کسی فرد کو کہتے ہیں۔"

اصطلاحی مفہوم

امام راغب اصفہانی کے نزدیک سرقہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے

"السرقة اخذ ما ليس لہا اخذہفی خفاءِ وصار فی ذلک فی الشرع لتناول الشی ء من موضع مخصوص وقدرمخصوص۔" [1]

"کسی چیز کو دوسرے سے خفیہ طور پر اور چھپا کر لے لینا اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کسی چیز کو محفوظ جگہ سے مخصوص مقدار میں خفیہ طور پر لینا۔"

چوری کی حرمت

اسلامی تعلیمات میں جس طرح ایک انسانی جان قیمتی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح اس کا مال وزر بھی قیمتی متصور کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے مال کے تحفظ کے لئے اسلام کافی اقدامات کرتا ہے اور ناجائز ذرائع سے مال کا حاصل کرنا حرام قرار دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[2]

"اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔"

چور کی سزا

چور کی سزا کے حوالے سے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[3]

"اور چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کا ہاتھ کاٹ دو یہ سزا ان کے فعل کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔"

---

1 راغب اصفہانی ، المفردات فی غریب القران، ص:238

2 البقرہ، 188:2

3 المائدہ ، 5: 38

نصاب سرقہ

فقہاء نے چوری کا نصاب تین دراہم یا چوتھائی دینار یا اس کے برابر مالیت کا کوئی بھی سامان قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

" قال النبي صلى الله عليه و سلم تقطع اليد في ربع دينارفصاعدا۔ "[1]

"نبی ﷺ نے فرمایا چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ پر پر ہاتھ کاٹا جائے۔"

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے

"قطع النبي ﷺ يد السارق في مجن ثمنه ثلاثة دراهم۔ "[2]

"نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ایک ڈھال پر کاٹا تھا، جس کی قیمت تین درہم تھی"

چوری کا ثبوت

چوری ثابت ہوتی ہے اقرار و گواہی سے اور اقرار و گواہی کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

اقرار

اقرار سے مراد چور کا خود چوری کا اقرار کرنا ہے، جیسا کہ الہدایہ میں ہے

" چور کے ایک مرتبہ اقرار کرنے سے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام یوسف کے نزدیک دو مرتبہ اقرار کرنے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہ بھی روایت ہے کہ اقرار دو مجلسوں میں ہو۔ "[3]

گواہی

"دو گواہوں کی گواہی سے قطع ید واجب ہو جاتا ہے اور امام ان دونوں گواہوں سے چوری کی کیفیت، ماہیت، مقام اور زمانے کے متعلق احتیاط کے طور زنا کی طرح سوال کرے۔ پھر چور کو قید کر دے یہاں تک کہ گواہوں کے بارے میں بوجہ تہمت کے دریافت کرے۔ "[4]

---

1 البخاری ، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب قول الله والسارق والسارقة ، رقم الحديث: 6407

2 البخاری ، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، باب قول الله تعالى والسارق ، رقم الحديث: 6413

3 المرغینانی ، الهدايه ، كتاب الحدود ، جلد2 ، ص:525

4 المرغینانی ، الهدايه ، كتاب الحدود ، جلد2 ، ص:525

چوری بار بار کرنے پر سزا

حضرت جابر بن عبد اللہ (م:78ھ) فرماتے ہیں

"جِيءَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اقْتُلُوهُ . فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا سَرَقَ. فَقَالَ اقْطَعُوهُ . قَالَ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اقْتُلُوهُ . فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا سَرَقَ. فَقَالَ اقْطَعُوهُ . قَالَ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اقْتُلُوهُ . فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا سَرَقَ. قَالَ اقْطَعُوهُ . ثُمَّ أُتِيَ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اقْتُلُوهُ. فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا سَرَقَ. قَالَ اقْطَعُوهُ. فَأُتِيَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اقْتُلُوهُ.قَالَ جَابِرٌ فَانْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ـ "[1]

"ایک چور کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو قتل کر دو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ دوسری مرتبہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔ صحابہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا! اس کا پاؤں کاٹ دو پھر تیسری دفعہ لایا گیا فرمایا! اس کو قتل کر دو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ !اس نے چوری کی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر چوتھی دفعہ لایا گیا فرمایا اس کو قتل کر دو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے تو رسول ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پاؤں کاٹ دو، دو پھر پانچویں دفعہ لایا گیا فرمایا اس کو قتل کر دو۔ جابر کہتے ہیں کہ ہم اس کو لے گئے۔ پس ہم نے اس کو قتل کر دیا۔"

4۔ حدِ حرابہ

لغوی معنی کسی کا مال یا کوئی چیز زبردستی چھین لینا، جیسا کہ ابن فارس لکھتے ہیں

"الحاء والراء والباء أصولٌ ثلاثة: أحدها السّلْب، والآخر دويْبَّة، والثالث بعضُ المجالس.فالأوّل: الحَرْب، واشتقاقها من الحَرَب وهو السَّلْب. يقال حَرَبْتُه مالَه، وقد حُرِب مالَه، أي سُلِبَه، حَرَباً. والحريب:

---

[1] امام ابو داؤد ، السنن، كتاب الحدود، باب فِي السَّارِقِ يَسْرِقُ مِرَارًا، رقم الحديث:4412

المحروب. ورجل مِحْرَابٌ: شجاعٌ قَؤُومٌ بأمر الحرب مباشرٌ لها. وحَريبة الرَّجُل: مالُه الذي يعيش به، فإذا سُلِبَه لم يَقُمْ بعده. ويقال أسَدٌ حَرِبٌ، أي من شدّة غضبِه كأنّه حُرِب شيئاً أي سُلِبه. وكذلك الرجل الحَرِب۔"[1]

"مادہ " حَرَبَ " ہے اس کے تین معنی ہیں ایک معنی سلب کرنا (چھیننا) دوسرا دویبۃ اور تیسرا بعض المجالساور پس پہلا حرب سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے چھیننا جیسے کہا جاتا ہے میں نے اس سے اس کا مال چھین لیا اور رجل محراب ایسے شخص کو کہتے ہیں جو امور حرب میں ماہر ہو اور حریبۃ الرجل سے مراد آدمی کا وہ مال ہے جس پر اس کی گزران ہوتی ہو جب وہ چھین لیا جائے تو اس کی گزران باقی نہ رہ سکے اور "الرجل الحرب " بہادر اور شجاع آدمی کو کہا جاتا ہے۔"

فساد پھیلانے کے لیے کسی کو قتل کرنا حرابہ کہلاتا ہے۔ یہ لڑائی دارالاسلام میں بھی ہو سکتی ہے اور دارالحرب میں بھی، جیسا کہ ابن منظور لکھتے ہیں

"إنما حَمَله على معنى القَتْل أَو الهَرْج وجمعها حُرُوبٌ ويقال وقَعَتْ بينهم حَرْبٌ الأَزهري أَنَّثُوا الحَرْبَ لأَنهم ذهَبُوا بها إلى المُحارَبةِ وكذلك السِّلْمُ والسَّلْمُ يُذْهَبُ بهما إلى المُسالمَةِ فتؤَنث ودار الحَرْب بلادُ المشركين الذين لا صُلْح بينهم وبين المسلمِين وقد حاربَه مُحارَبَةً وحِراباً وتحَارَبُوا واحْترَبُوا وحارَبُوا بمعنى ورجُلٌ حَرْبٌ ومِحْرَبٌ بكسر الميم ومِحْرابٌ شَديدُ الحَرْبِ شُجاعٌ۔" [2]

"اس کو محمول کیا ہے قتل کے معنی پر اور اس کی جمع حروب ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے درمیان لڑائی واقع ہوئی اور دارالحرب ایسے مشرکین کا ملک ہوتا ہے کہ ان کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان کوئی صلح نہ ہو حاربَہ مُحارَبةً وحِراباً وتحَارَبُوا واحْترَبُوا وحارَبُوا۔ رجل حرب ، رجل محرب و رجل محراب ایسے شخص کو کہتے ہیں جو شدت سے لڑائی کرنے والا اور بہادر ہو۔"

1 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد 2، ص: 48
2 ابن منظور، لسان العرب، جلد1، ص: 302

اصطلاحی مفہوم

ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ حرابہ سے مراد

"کھلے عام لوگوں کے مال چھیننے، ان کو گھبراہٹ میں ڈالنے، قتل و غارت مچانے اور فساد ڈالنے کے لیے شہر یا خارج میں نکل کھڑے ہونے کو حرابہ کہتے ہیں۔"[1]

حرابہ کی حرمت

کسی کا زبردستی مال چھیننا، قتل کرنا اور زمین میں فساد پھیلانا قبیح جرم ہے جس سے معاشرے کا امن و سکون ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کام سے منع فرمایا گیا ہے اور اس کی نہایت سخت سزا بیان کی گئی ہے تاکہ لوگ اس کام کے قریب نہ جائیں ورنہ عذاب کے مستحق ہوں گے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾[2]

"تم کیوں (لذت کے ارادے سے) لونڈوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) راہزنی کرتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔"

حرابہ (راہزنی) کی مختلف حالتیں

1۔ راہزنی کے ارادہ سے نکلا اور کوئی چیز لینے اور کسی کو قتل کرنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا۔

2۔ راہزنی کے لیے نکلا اور مال معصوم یعنی کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے چکا۔

3۔ مال تو نہیں لیا لیکن کسی کو قتل کر دیا۔

4۔ مال بھی لیا اور کسی کو قتل بھی کیا۔

---

[1] ابن قدامه، المغنی فی فقه احمد بن حنبل، جلد10، ص: 298

[2] العنکبوت، 29:29

محاربین کی سزا

پس جب راہزنی کی حالتیں مختلف ہیں تو احکام بھی مختلف نازل ہوئے اور سزائیں بھی مختلف ہیں

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[1]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاوں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔ دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"

حرابہ کے ارتکاب پر شریعت مطہرہ نے مندرجہ ذیل چار سزائیں مقرر کی ہیں:

1۔ قتل، 2۔ پھانسی، 3۔ مخالف سمتوں سے ہاتھ پاوں کاٹنا اور 4۔ ملک بدر کرنا۔

تمام سزاؤں کے بعد "او" بمعنی یا کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہے۔ امام حالات کے مطابق جو چاہے سزا دے سکتا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اسلامی ریاست میں اسلحہ کے ذریعے داخلی شورش کا باعث بنتے ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک اس آیت میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلح ڈکیتی کا ارتکاب کریں۔ جمہور اپنے موقف کی تائید میں اس آیت "الا الذين تابوا" سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ توبہ کی نسبت مسلمان ہی کی طرف ہو سکتی ہے، غیر مسلم کے لیے توبہ کی اصلاح کرنا بے محل ہے۔

بیشتر علماء نے جمہور فقہاء کا موقف لیا ہے۔ لہذا محاربہ میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اسلامی ریاست سے برسرپیکار ہوں اور زمین میں فساد پھیلائیں، یا مسلح جدوجہد کریں۔ ڈاکو، مسلح ڈکیتی کرنے والے، اغواء برائے تاوان کے مجرم اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے والے تمام افراد اسی زمرے آتے ہیں۔ اس جرم میں مدعی اسلامی ریاست ہوتی ہے اس لیے حرابہ کے عمل میں ملزم کسی کو قتل کر دے اور مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کر دیں تو بھی اس کی جان بخشی نہیں ہو گی کیونکہ اس معاملہ میں جنگ دراصل مقتول

---

[1] المائدہ، 33:5

کے ساتھ نہیں، ریاست اور اس کے باشندگان کے خلاف بحیثیت مجموعی ہوتی ہے۔ اس مقدمہ میں ایک مدعی یقینا مقتول کے ورثاء ہو سکتے ہیں لیکن انہیں معافی دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے، حتی کہ اصل مدعی یعنی اسلامی ریاست کو یہ بھی اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ اس جرم کی سزا اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ نَاسًا أَغَارُوا عَلَى إِبِلِ النَّبِيِّ فَاسْتَاقُوهَا وَارْتَدُّوا عَنِ الإِسْلاَمِ وَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللَّهِ مُؤْمِنًا فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَأُخِذُوا فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ. قَالَ وَنَزَلَتْ فِيهِمْ آيَةُ الْمُحَارَبَةِ ۔"[1]

" ابن عمر سے روایت ہے کہ چند لوگوں نے نبی ﷺ کے اونٹوں پر غارت گری کی۔ انہیں چوری کر لیا اور اسلام سے پھر گئے اور رسول ﷺ کے مومن چرواہے کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو ان کے پیچھے بھیجا۔ پس وہ لوگ پکڑے گئے تو آپ ﷺ نے ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ ڈالا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری اور انہی کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ ۔ ۔ ۔ "

حرابہ کی شرائط

حرابہ کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ راہزن یا محارب وہ لوگ ہوں جن کو ایسی قوت و شوکت حاصل ہو کہ راہ چلنے والے ان کا مقابلہ نہ کر سکیں اور وہ خونی ہتھیاروں سے لیس ہوں، 2۔ راہزنی شہر سے باہر ہو، 3۔ یہ واقعہ دارالاسلام میں ہو۔ 4۔ لیا ہوا مال بقدر نصاب سرقہ ہو، 5۔ سب محارب اجنبی ہوں، 6۔ محارب توبہ کرنے سے پہلے پکڑے جائیں، تو پھر ان پر حد لاگو ہو گی۔[2]

5۔ حدِ خمر

لغوی معنی

خمر ڈھانپنے کو کہتے ہیں، جیسا کہ ابن فارس نے خمر کی یوں تعریف کی ہے

الخاء والميم والراء أصلٌ واحد يدلُّ على التغطية، والمخالطةِ في

---

1 ابوداؤد ، السنن ، كتاب الحدود ، باب مَا جَاءَ فِي الْمُحَارِبَةِ ، رقم الحديث:4371

2 المرغينانى ، الهدايه ، كتاب الحدود ، جلد2 ، ص: 540

سَتْر. فالخَمْرُ: الشَّراب المعروف.[1]

"خَمَرَ اصل ہے یہ ڈھانپنے اور خلط ملط ہونے پر دلالت کرتا ہے اور الخمر مشہور شراب کو کہتے ہیں۔"

خمر ایسا نشہ والا انگور کا پانی جو عقل کو ڈھانپ لے، جیسے ابن منظور تحریر کرتے ہیں

والخَمْرُ ما أَسْكَرَ من عصير العنب لأنها خامرت العقل والتَّخْمِيرُ التغطية يقال خَمَّرَ وجْهَهُ وخَمِّرْ إناءك والمُخامَرَةُ المخالطة۔ [2]

"خمر جو نشہ دلائے انگور کے نچڑے ہوئے پانی سے اس لیے کہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور تخمیر کا معنی ہے ڈھانپنا جیسے کہا جاتا ہے اس نے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور مخامرۃ کا معنی ہے خلط ملط ہو جانا۔"

اصطلاحی مفہوم: امام راغب اصفہانی کے نزدیک خمر سے مراد

والخمر سميت لكونها خامرةلمقرالعقلوهوعندبعضالناساسم لكل مسكر۔ [3]

"خمر نشہ ہے کیونکہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک ہر نشہ آور چیز پر خمر کا لفظ بولا جاتا ہے۔"

شراب نوشی کی حرمت

نشہ آور چیزوں میں سے جو عقل و فہم اور شعور کے لئے مہلک ہیں شراب نوشی کو نمایاں مقام حاصل ہے اور دوسری نشہ آور چیزیں انہی کے حکم میں آتی ہیں زمانہ جاہلیت میں شراب پینے پلانے کا رواج عام تھا حضور ﷺ کی آمد اور نبوت سے امت اور انسانیت کی اصلاح کام شروع ہوا تو جہاں زندگی کے دوسرے گوشوں کی اصلاح کا انتظام ہوا وہاں شراب نوشی کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایات دیں اور شراب کے مفاسد و نقصانات اور حرمت بتلا کر لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت ڈال کر تدریجاً اس کے احکام نازل فرمائے۔ پہلے مرحلے میں ارشاد ہوا

---

1. ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد 2، ص: 215
2. ابن منظور، لسان العرب، جلد 4، ص: 254
3. راغب اصفہانی ، المفردات فی غريب القران، ص:165

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۔﴾[1]

"سوال کرتے ہیں تم سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں، کہہ دو! ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔"

پھر ارشاد ہوا کہ شراب نوشی شیطانی عمل ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾[2]

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔ سو ان سے بچو"

اسی طرح بتلایا کہ شراب نوشی کے مزید نقصانات یہ ہیں

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾[3]

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے متعلق حتمی اصول بیان فرمایا

" كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ ۔ "[4]

"ہر نشہ آور چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر خمر حرام ہے۔"

---

1 البقرہ ، 219:2

2 المائدہ، 90:5

3 المائدہ، 91:5

4 المسلم ، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب بَيَانِ أَنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ ، رقم الحدیث: 5339

شراب نوشی کی سزا

رسول اللہ ﷺ کے دور میں شرابی کی سزا یہ تھی

"عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ جَلَدَ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ أَرْبَعِينَ. وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ضَرَبَ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ الأَرْبَعِينَ."[1]

"قتادہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے درخت کی شاخ اور جوتوں سے چالیس کوڑے مارے اور شعبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے دو لکڑیوں سے چالیس کے لگ بھگ مارے۔"

پھر حضرت عمر کے دور میں شرابی کی سزا کا تعین ہوا، جیسا کہ انس بن مالک سے روایت ہے

" أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَلَدَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ دَعَا النَّاسَ فَقَالَ لَهُمْ إِنَّ النَّاسَ قَدْ دَنَوْا مِنَ الرِّيفِ، وَقَالَ مُسَدَّدٌ مِنَ الْقُرَى وَالرِّيفِ، فَمَا تَرَوْنَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ نَرَى أَنْ تَجْعَلَهُ كَأَخَفِّ الْحُدُودِ.فَجَلَدَ فِيهِ ثَمَانِينَ۔"[2]

"آپ ﷺ نے شراب کی حد میں درخت کی شاخ سے اور جوتے سے کوڑے لگائے اور ابو بکر نے چالیس کوڑے مارے۔ پھر جب عمرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ بے شک لوگ دیہاتوں سے اور مسدد نے اپنی روایت میں کہا کہ گاؤں اور دیہاتوں سے بہت قریب ہو گئے ہیں پس شراب کی حد کے بارے میں تمہارے کیا رائے ہے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف (م:31ھ) نے فرمایا کہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آپ شراب کی ہلکی سے ہلکی سزا مقرر کریں تو حضرت عمر نے شراب پینے میں اسی کوڑے مقرر فرمائے۔"

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ (م:59ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" إذا سكر فاجلدوه . فإن عاد فجلدوه . فإن عاد فاجلدوه ثم قال الرابعة فإن عاد فاضربوا عنقه"[3]

---

1. ابو داود ، السنن، کتاب الحدود ، باب الْحَدِّ فِي الْخَمْرِ ، رقم الحديث:4481
2. ایضاً
3. ابن ماجه، السنن، کتاب الحدود، باب من شرب الخمر مرارا ، رقم الحديث: 2572

"جب کوئی نشہ آور چیز پیے تو اسے 80 کوڑے مارو، پھر ایسا کرے۔ پس کوڑے مارو ، پھر ایسا کرے پس کوڑے مارو، پھر چوتھی مرتبہ ایسا کرے تو اس کی گردن مار دو"

حد خمر کے اجراء کا وقت

احناف کے نزدیک اس وقت شرابی پر حد جاری کی جائے جب

"شرابی اس حالت میں پکڑا جائے کہ اس کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی ہو یا اسے لوگ نشہ کی حالت میں پکڑ کر لائے ہوں اور گواہ اس کے خلاف شراب پینے کی گواہی دیں یا اس نے خود ایک دفعہ اقرار کیا ہو اور اس کے منہ سے بدبو بھی آ رہی ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی، جس کی مقدار اسی کوڑے ہے۔"[1]

6۔ حدِ بغاوت

لغوی معنی

ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہوئے فساد پھیلانا بغاوت کہلاتا ہے، جیسا کہ ابن فارس لکھتے ہیں

الباء والغين والياء أصلان: أحدهما طَلَب الشيء، والثاني جنسٌ من الفَساد. فمن الأوّل بَغَيْتُ الشيء أبْغِيه إذا طلبتَه. ويقال بَغَيْتُك* الشيءَ إذا طلبته لك، وأبغَيْتُك الشّيءَ إذا أَعَنْتُكَ على طَلَبه. والبُغْية والبِغْية الحاجة. وتقول: ما ينبغي لك أن تفعل كذا. وهذا مِن أفعال المطاوَعَة، تقول بَغَيْتُ فانبغَى، كما تقول كسرتُه فانكَسَر.والأصل الثاني: قولهم بَغَى الجرح، إذا تَرامَى إلى فساد، ثم يشتقّ من هذا ما بَعْدَهُ(3). فالبغيّ الفاجِرةُ، تقول بَغَتْ تَبْغي بِغاءً، وهي بَغِيّ(4). ومنه أن يبغي الإنسانُ على آخَرَ. ومنه بَغْيُ المَطَر، وهو شِدّتُه ومُعْظَمُه. وإذا كان ذا بَغْيٍفلا بدّ أنْ يقَعَ منه فسادٌ۔[2]

"مادہ بَغَیَ ہے اس کے دو معنی ہیں کسی چیز کا طلب کرنا اور دوسرا فساد پھیلانا اور دوسری اصل یہ ہے جیسا کہ عرب کا مقولہ ہے بَغَی الجرحیعنی زخم خراب ہو گیا اور

1 المرغینانی، الھدایہ ، کتاب الحدود ، جلد2 ، ص:515

2 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد 1، ص:272

اس کا جو مابعد ہے وہ اس سے مشتق ہے اور اسی سے ہے يبغي الإنسانُ على آخَرَ جب ایک انسان دوسرے پر ظلم کرتے ہوئے فساد پھیلائے اور اسی سے ہے بغی المطر یعنی بارش کا شدید ہونا کیونکہ جب بارش شدید ہو تو اس سے فساد پھیلتا ہے"

زمین میں فساد پھیلانے کو بغاوت کہتے ہیں، جیسا کہ ابن منظور نے تحریر کیا ہے

والبَغِيّةُ الضالة المَبْغِيَّة والباغي الذي يطلب الشيء الضالَّ وجمعه بُغاة وبُغْيانٌ۔ [1]

"اور فساد پھیلانا یا فساد چاہنا اور باغی اسے کہتے ہیں جو فساد والی چیز کا ارتکاب کرے اور اس کی جمع بُغاة وبُغْيانٌ ہے۔"

امام راغب اصفہانی کے نزدیک بغاوت

"بغيت الشيئ وابتغيته کسی چیز کے حاصل کرنے میں جائز حد سے تجاوز کرنا۔ بغى وهوتجاوز الحقاليالباطلاوتجاوز الشبه۔ حق سے تجاوز کر کے باطل یا شبہات میں واقع ہونا، بغت المراة "عورت کے فعل حرام کاری کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عفت کی حدود سے تجاوز کر کے اعتدال کو چھوڑ دیتی ہے۔ اسلامی ریاست، ریاست کے باشندگان سے اطاعت کے ضمن میں اعتدال کا تقاضا کرتی ہے۔ اعتدال چھوڑ کر دوسرا رویہ اختیار کیا جائے تو اسے بغاوت کہا جاتا ہے۔"[2]

ابن نجیمؒ بغاوت کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

"وَأَمَّا الْبُغَاةُ فَقَوْمٌ مُسْلِمُونَ خَرَجُوا على الْإِمَامِ الْعَدْلِ۔ "[3]

"اور مسلمانوں کا ایسا گروہ جو امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرے باغی کہلاتا ہے۔"

بغاوت کی حرمت

اللہ تعالیٰ نے بغاوت کو حرام قرار دیا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

---

1 ابن منظور، لسان العرب، جلد 14، ص:75.

2 راغب اصفہانی ، المفردات فی غریب القران، ص:61

3 ابن نجیم،زین الدین، البحر الرائقشرح کنز الدقائق،دار المعرفة، بیروت، جلد5، ص:151

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾[1]

"کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور ہر گناہ کو اور ناحق بغاوت کو حرام کیا ہے۔"

اسی طرح آگے بغاوت کی حدود کا تعین فرمایا

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾[2]

"اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔"

بغاوت کے حوالے سے دو گروہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا﴾[3]

"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں۔ پس ان میں صلح کرادو اور پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کر رہا ہے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پس اگر وہ پھر آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو۔"

ابن عمر سے روایت ہے کہ بنو قریظہ پر رسول اللہ ﷺ نے حد بغی جاری فرمائی

"حتى حاربت قريظة فقتل رجالهم وقسم نساءهم وأولادهم وأموالهم بين المسلمين إلا بعضهم۔"[4]

"پھر بنو قریظہ نے نبی ﷺ سے (معاہدہ توڑ کر) لڑائی مول لی اس لیے آپ ﷺ

---

1 الاعراف، 33:7

2 الانفال ، 39:8

3 الحجرات ، 9:49

4 البخارى ، الجامع الصحيح، كتاب المغازى، باب حديث بني النضير، رقم الحديث: 3804

نے ان کے مردوں کو قتل کروادیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مالوں کو مسلمانوں
میں تقسیم کردیا، بعض کے سوا۔"

ابن عمرانہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بغاوت کرنے اور ایک دوسرے سے قتال سے منع فرمایا

" لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض ۔"[1]

"میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارے لگو۔"

اگر مسلمانوں میں سے ایک جماعت کسی شہر پر غلبہ کرے اور امام کی اطاعت سے نکل جائیں تو امام انہیں جماعت کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دے اور ان کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اہل حروراء نے جب حضرت علی کے خلاف بغاوت کی تو انہوں نے ان سے قتال کرنے سے پہلے ان کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ امام اہل بغاوت سے قتال میں ابتدا نہ کرے اور اگر وہ ابتدا کریں تو امام ان سے قتال کر کے ان کی جمعیت کو توڑ دے۔ ان کے بچوں کو قید نہ کیا جائے اور مال کو بھی تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہ مال امام اپنے پاس رکھے اور جب وہ بغاوت سے توبہ کریں تو ان کو لوٹا دے۔[2]

7۔ حدِ ارتداد

ردد کا معنی ہے کسی شے کا لوٹنا، مسلمان کا کفر کی طرف لوٹ جانا۔ اس حوالے سے ابن فارس لکھتے ہیں

الراء والدال أصلٌ واحدٌ مطّردٌ منقاس، وهو رَجْع الشَّيء. تقول: ردَدْتُ الشَّيءَ أرُدُّه ردّاً. وسمِّي المرتدُّ لأنّه ردّ نفسَه إلى كُفْره.[3]

"مادہ "رَدَدَ" ہے اور اس معنی ہے کسی شے کا لوٹنا جیسے تو کہے ردَدْتُ الشَّيءَ أرُدُّه ردّاً میں نے فلاں چیز کو لوٹا دیا اور مرتد کو مرتد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کفر کی طرف لوٹا دیتا ہے۔"

اسلام سے پھر جانے کو ارتداد کہتے ہیں، جیسا کہ ابن منظور کے نزدیک ارتداد

"وفي التنزيل من يرتدد منكم عن دينه والاسم الرِّدّة ومنه الردَّة عن

---

1 ایضاً، کتاب الفتن ، باب قول النبي ﷺ لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب ، رقم الحديث: 6666

2 المرغینانی، الهدايه ، كتاب السير، باب البغات، جلد2 ، ص:591

3 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد 2، ص:386

الإِسلام أَي الرجوع عنه وارتدَّ فلان عن دينه إِذا كفر بعد إِسلامه۔"[1]

"اور قرآن مجید میں ہے من یرتدد منکم عن دینہ۔ ۔ ۔ الیٰ آخرہ۔ اور اسی سے ہے الردۃ عن الاسلام یعنی اسلام سے پھر جانا جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص مرتد ہو گیا جب کہ وہ اسلام سے کفر کی طرف پھر جائے۔"

ارتداد کے معنی اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام کو چھوڑ دینے اور اس کے خلاف بغاوت کرنے کے ہیں، جیسے امام راغب اصفہانی نے ارتداد سے متعلق تحریر کیا ہے

"والردة الرجوع فی الطریق الزی جاء منه لکن الردةتختص بالکفر والارتداد یستعمل فیه وفی غیره۔" [2]

"اس راستے پر پلٹنے کو کہتے ہیں جس سے کوئی آیا ہو لیکن ردۃ کا لفظ کفر کی طرف ہی لوٹنا خاص ہے اور ارتداد عام ہے جو حالت کفر اور غیر دونوں کی طرف لوٹنے پر بولا جاتا ہے۔"

اصطلاحی مفہوم: علاؤالدین کاسانیؒ شرعی اصطلاح میں ارتداد کے بارے میں لکھتے ہیں

"فَالرُّجُوعُ عن الْإِيمَانِ يُسَمَّى رِدَّةً في عُرْفِ الشَّرْعِ۔ "[3]

"پس ایمان سے پلٹ جانے کو ردت کہتے ہیں۔"

مرتد کی سزا

﴿وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾[4]

"اور جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور یہ

---

1 ابن منظور، لسان العرب، جلد 3، ص: 172.

2 راغب اصفہانی ، المفردات فی غریب القران، ص:200

3 الکاسانی، بدایع الصنائع ، جلد 7 ، ص: 134

4 البقرہ ، 217:2

آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے مرتد کی سزا سے متعلق ارشاد فرمایا

"من بدل دينه فاقتلوه "[1]

"جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو"

عرینہ قبیلے کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ پھر مدینہ کی ہوا ان کو موافق نہ آئی۔ آخر آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تم صدقہ کے اونٹوں میں (جو شہر سے باہر رہتے تھے) چلے جاؤ

"ففعلوا . فارتدوا عن الإسلام . وقتلوا راعي رسول الله صلى الله عليه و سلم . واستاقوا ذوده . فبعث رسول الله في طلبهم . فجئ بهم . فقطع أيديهم وأرجلهم وسمر أعينهم وتركهم بالحرة حتى ماتوا"[2]

"پس انہوں نے ایسا ہی کیا (جب چنگے بھلے ہو گئے) تو اسلام سے پھر گئے اور چرواہے کو مار کر اونٹ بھی بھگا کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے تعاقب میں (بیس سواروں) کو بھیجا۔ وہ گرفتار ہو کر آئے۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے الٹے کٹوائے۔ ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری گئی ان کو گرم ریت پر ڈال دیا یہاں تک کہ وہ (تڑپ) کر مر گئے۔"

اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر اسلام سے متعلق اسے کچھ اشکالات ہیں تو ان کو دور کیا جائے گا۔ اسے تین دن تک قید میں رکھا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر اسی حالت میں وہ مر جائے تو اس کی حالت اسلام کی کمائی مسلمان ورثاء کو ملے گی اور باقی کمائی بیت المال میں جمع کرا دی جائے گی۔[3] اگر اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے ہی اسے کسی شخص نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن قاتل کے ذمے قصاص یا دیت نہیں۔[4]

خلاصہ کلام حدود حد کی جمع ہے اور اس سے مراد ایسی متعین سزائیں ہیں جو بطور حق اللہ مقرر کی گئی ہوں۔

---

1 البخارى ، الجامع الصحيح ، كتاب استتابة المرتدين ، باب حكم المرتد، رقم الحديث: 6524

2 ابن ماجه ، ا لسنن، كتا ب الحدود، باب من حارب وسعى في الأرض فسادا ، رقم الحديث: 2578

3 المرغينانى، الهدايه ، كتاب السير، باب احكام المرتدين ، جلد2 ، ص:584

4 ابن قدامه ، المغنى فى فقه احمد بن حنبل، جلد 10 ، ص: 62

اس تعریف میں حد متعین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سزا کی مقدار اور کیفیت متعین ہو اور اس کا کوئی اعلیٰ درجہ یا ادنیٰ درجہ نہ ہو اور حق اللہ ہونے کا مطلب ہے کہ افراد یا جماعت اس جماعت کو ساقط نہیں کر سکتے۔ جرائم حدود متعین ہیں اور ان کی تعداد محدود ہے۔ اس کتاب میں ان سات مندرجہ ذیل جرائم کا تذکرہ ہے: زنا سے مراد بغیر نکاح کے کسی اجنبی عورت سے مباشرت کرنا ہے۔ اس کی دو سزائیں ہیں اگر زانی محصن ہو تو رجم کیا جائے گا اور اگر زانی غیر محصن ہو تو سو کوڑے سرِعام مارے جائیں گے۔ غیر محصن کو تعزیری سزا جلاوطنی قاضی یا امام دے سکتا ہے۔ قذف: کسی پر زنا کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے اور قاذف کی سزا اسی کوڑے ہے۔ سرقہ: کسی کی چیز کو محفوظ مقام سے خفیہ طریقے سے چرانا اور اس کی سزا چور کا ہاتھ کاٹنا ہے۔

حرابہ: کھلے عام لوگوں کے مال چھیننے، ان کو گھبراہٹ میں ڈالنے، قتل و غارت مچانے اور فساد ڈالنے کے لیے شہر یا خارج میں نکل کھڑے ہونے کو حرابہ کہتے ہیں۔ حرابہ کے ارتکاب پر شریعت نے چار سزائیں مقرر کی ہیں: قتل، پھانسی، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور جلاوطنی۔ خمر: ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہتے ہیں۔ شراب نشہ ہے یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کے پینے پر سزا اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ بغاوت: فساد پھیلانا یا مسلمانوں کا ایسا گروہ جو امام عادل کے مقابلہ میں خروج کرے۔ اگر مسلمانوں میں سے ایک جماعت کسی شہر پر غلبہ کرے اور امام کی اطاعت سے نکل جائیں تو امام انہیں جماعت کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دے اور ان کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ امام اہل بغاوت سے قتال میں ابتدا نہ کرے اور اگر وہ ابتدا کریں تو امام ان سے قتال کر کے ان کی جمعیت کو توڑ دے۔

ان کے بچوں کو قید نہ کیا جائے اور مال کو تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہ مال امام اپنے پاس رکھے اور جب وہ بغاوت سے توبہ کریں تو ان کو لوٹا دے۔ ارتداد: ارتداد کے معنی اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام کو چھوڑ دینے اور اس کے خلاف بغاوت کرنے کے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اور اگر اسلام کے بارے میں اسے کچھ اشکالات ہیں تو انہیں دور کیا جائے گا اور اسے تین دن تک قید میں رکھا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

فصل دوم: قصاص و دیت کا مفہوم و احکام

قصاص کا لغوی معنی

قصاص کے معنی نشانات پر چلنا، جیسا کہ ابن فارس قصاص کا معنی یوں بیان کرتے ہیں

"القاف والصاد أصلٌ صحيح يدلُّ على تتبُّع الشَّيء. من ذلك قولهم: اقتصَصْتُ الأثَر، إذا تتبَّعته. ومن ذلك اشتقاقُ القِصاص في الجِراح، وذلك أنَّه يُفعَل بهِ مثلُ فِعلهِ بالأوّل۔"[1]

"مادہ "قَصَصَ" ہے یہ دلالت کرتا ہے کسی چیز کی کھوج یا جستجو پر اور اسی سے عرب کا قول ہے کہ میں اس کے نشانات پر چلا جب کہ تو اس راستے کی جستجو کرے۔ اور زخموں میں قصاص اسی سے مشتق ہے اس لیے کہ قصاص میں بھی پہلے فعل کی طرح کام کیا جاتا ہے۔"

قتل کے بدلے قتل کرنا قصاص کہلاتا ہے۔ اس حوالے سے ابن منظور تحریر کرتے ہیں

"القَصُّ أَخذ الشعر بالمِقَصّ وأَصل القَصِّ القَطْعُ يقال قصَصْت ما بينهما أَي قطعت والمِقَصُّ ما قصَصْت به أَي قطعت يقال القِصاص في الجِراح مأْخوذ من هذا إذا اقْتُصَّ له منه بِجِرحِه مثلَ جَرْحِه إيّاه أَو قتْله به الليث القَصُّ فعل القاصّ۔"[2]

"قص سے مراد بالوں کو قینچی کے ساتھ کاٹنا اور قص کا اصل معنی ہے قطع کرنا (جدا کرنا) جیسے کہا جاتا ہے میں نے دو چیزوں کو آپس میں جدا کر دیا اور مقص اس آلے کو کہتے ہیں جس سے کسی شے کا کاٹا جائے، کہا جاتا ہے زخموں کا قصاص اسی سے ماخوذ ہے، زخم کے بدلے میں زخم اور قتل کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔"

قصاص کے معنی خون کا بدلہ لینے یا نشانات پر چلنا کے ہیں، جیسا کہ راغب اصفہانی کے نزدیک "القص" نشان قدم پر چلنا ہے۔ محاورہ ہے "قصصت اثرہ" میں اس کے نقش قدم پر چلا۔ قصص کے معنی

---

[1] ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد 5، ص:11

[2] ابن منظور، لسان العرب، جلد 7، ص:73

نشان کے ہیں جیسے "فارتدا علی اثارهما قصصا" پس وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے "[1]

قصاص کا اصطلاحی مفہوم

علامہ زبیدیؒ کے بقول قصاص سے مراد

"القصاص الاسم منه وهو ان يفعل به مثل فعله من قتل او قطع او ضرب اوجرح۔"[2]

"قصاص اس بات کا نام ہے کہ اس شخص کے ساتھ وہی کیا جائے جو کچھ اس کے ساتھ کیا ہے جس طرح اس نے قتل کیا، یا ٹکرے کرنا، یا مارنا یا زخم لگانا وغیرہ۔"

راغب اصفہانی قصاص کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

"القصاص تتبع الالم بالقود ، قال ولكم فى القصاص حيوةوالجروح قصاص ويقال قص فلان فلانا،وضربه ضربافاقصهايارناهمنالموت، والقص والجص۔" [3]

"قصاص وہ ہے یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کرنا، قرآن مجید میں ہے کہ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اور زخموں میں قصاص ہے اور اسے مار ماری، پس اس سے قصاص لیا یعنی موت کے قریب کر دیا۔"

علامہ کاسانیؒ کے مطابق قصاص سے مراد

"الْقِصَاصِ فإنه وَإِنْ كان عُقُوبَةً مُقَدَّرَةً لَكِنَّهُ يَجِبُ حَقًّا لِلْعَبْدِ حتى يَجْرِيَ فيه الْعَفْوُ وَالصُّلْحُ۔ "[4]

"قصاص ایسی سزا کو کہتے ہیں جو مقرر ہے لیکن یہ حق العبد کے طور پر واجب ہوتی ہے اور اس میں معاف کرنے اور صلح کی گنجائش ہوتی ہے۔"

---

[1] راغب ،اصفہانی ، المفردات فی غریب القران، ص:421

[2] الزبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق ، الحسيني ، أبو الفيض ، الملقّب بمرتضى ، دار الهداية، عدد الأجزاء / 40، جلد 18، ص:106

[3] راغب اصفہانی ، المفردات فی غریب القران، ص:295

[4] الکاسانی، الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد 7، ص: 33

ان تعریفوں سے ثابت ہوا کہ قصاص کا مفہوم قتل کے بدلے قاتل کو قتل کرنا ہے اور یہ مقتول کے ورثاء کا حق ہے، چاہے قتل کے بدلے قتل کریں یا دیت قبول کریں یا معاف کر دیں۔

قصاص کی اقسام

کسی شخص کی جان کے خلاف کوئی جرم ہوا ہو، تو پوری مماثلت کے ساتھ قصاص لیا جا سکتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں:

1۔ جان کے بدلے جان کا قصاص

جان کو قتل یا ختم کرنے والے کو ویسی ہی سزا دیں گے ۔ ایک شخص نے دوسرے کا قتل کر دیا۔ آپ قصاص میں اسے قتل کر دیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَ كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفۡسَ بِٱلنَّفۡسِ﴾[1]

"اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جان کے بدلے جان کا (قتل ہے)"

احادیث کی روشنی میں درج ذیل اعضاء کا قصاص لیا جائے گا۔ جان کے بدلے جان کا خاتمہ

"عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَقِيلَ لَهَا: مَنْ فَعَلَ بِكِ، أَفُلاَنٌ أَوْ فُلاَنٌ، حَتَّى سُمِّيَ اليَهُودِيُّ، فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا، فَجِيءَ بِهِ، فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى اعْتَرَفَ، «فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالحِجَارَةِ "[2]

"حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر پتھر رکھ کر کچل ڈالا۔ لڑکی سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے مارا ہے؟ فلاں نے یا فلاں نے؟ جب اس کے سامنے یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے سر کے اشارے سے یہودی کی نشاندہی کی یہودی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اس نے جرم کا اعتراف کیا۔ اور آپ ﷺ کے حکم سے اس یہودی کا سر پتھر سے کچل دیا گیا۔"

2۔ عضو کے بدلے عضو کا قصاص

قتل کرنے کے علاوہ کسی عضو کے کاٹنے پر بھی قصاص ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی کی ناک، کان کاٹا یا

---

[1] المائدہ، 45:5

[2] البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الوصایا ، باب إذا أومأ المريض برأسه، رقم الحديث: 2595

آنکھ نکالی تو بدلے میں دوسرے شخص کی ناک، کان کاٹا یا آنکھ نکالی جا سکتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے

﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾[1]

"اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر۔"

دانت کے بدلے دانت توڑنا

حضرت انس سے روایت ہے

" أَنَّ الرُّبَيِّعَ عَمَّتَهُ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا إِلَيْهَا العَفْوَ فَأَبَوْا، فَعَرَضُوا الأَرْشَ فَأَبَوْا، فَأَتَوْا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَوْا، إِلَّا القِصَاصَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالقِصَاصِ ۔ "[2]

"کہ ربیعؓ نے جو انس کی پھوپھی تھیں، ایک لڑکی کا دانت توڑ ڈالا، پھر ربیع کے لوگوں نے معافی مانگی، لیکن لڑکی والے معافی پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر ربیع کے لوگوں نے دیت دینا چاہی۔ انہوں نے دیت لینے سے بھی انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے قصاص کا حکم دیا۔"

اس کے علاوہ جو زخم ہوں گے، وہ دیت میں ہوں گے۔

دیت کا معنی و مفہوم

لغوی معنی: خون بہا ادا کرنا دیت کہلاتا ہے، جیسا کہ ابن فارس لکھتے ہیں

"الواو والدال والحرف المعتل: ثلاثُ كلماتٍ غير منقاسة: الأولى وَدَى الفرسُ ليَضربَ أو يبول، إذا أدْلَى. ومنه الوَدْي: ماءٌ يخرج من الإنسان كالمَذْي. والثانية: وَدَيْتُ الرّجلَ أُدِيهِ دِيةً.والثالثة: الوَدِيُّ: صِغار الفُسلان.وإذا هُمز تغيَّرَ المعنى وصار إلى بابٍ من الهَلاك والضَّياع. يقولون: المُوَدَّأة المَهْلَكة، وهي على لفظ المفعول به. ويقولون: ودَّأْتُ

[1] المائده، 45:5

[2] البخارى ، الجامع الصحيح ، كتاب التفسير، باب يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص، رقم الحديث: 4230

عليه الأرضَ، إذا دَفَنْتَه. ووَدَّأ بالقوم، إذا أرْدَاهم۔"[1]

"مادہ "وَدَئَ" اور اس کے تین معنی ہیں جو جدا جدا ہیں پہلا معنی یہ ہے کہ گھوڑے نے ٹانگوں کو اکٹھا کیا کہ وہ مارے یا پیشاب کرے اور اسی سے ودی ہے جو انسان سے نکلتی ہے مذی کی طرح اور دوسرا معنی ہے کہ میں نے فلاں شخص کو خون بہا ادا کیا اور تیسرا معنی ہے دودھ پینے والے بچے اور جب یہ مہموز سے آئے تو اس کا معنی تبدیل ہو جائے گا یعنی ہلاک اور ضائع کرنے کے معنی میں آئے گا ہلاک ہونے والی چیز کو المهلكة کہتے ہیں۔ یہ مفعول بہ کے وزن پر ہے اور کہتے ہیں کہ میں نے اسے زمین میں دفن کر دیا اور ودا بالقوم کا معنی قوم کو ہلاک کر دیا۔"

قتل کے بدلے خون بہا ادا کرنے کو دیت کہتے ہیں، جیسا کہ ابن منظور کے نزدیک دیت سے مراد

"الدِّيةُ واحدة الدِّيات والهاءُ عوض من الواو تقول ودَيْتُ القَتِيلَ أَدِيةَ ديةً إِذا أَعطيت دَيَتَه واتَّدَيْتُ أَي أَخذتُ دِيَتَه وإِذا أَمرت منه قلت دِ فلاناً وللاثنين دِيا وللجماعة دُوا فلاناً۔"[2]

"الدِّيات کا واحد الدِّيَةُ ہے اور ھا واو کے عوض میں ہے جیسے تو کہے کہ میں نے مقتول کا خون بہا ادا کیا۔ میں نے فلاں کی دیت وصول کی اور جب تو دیت دینے کا حکم کرے گا تو مخاطب مفرد کو کہے گا "دِ فلاناً" تو ایک شخص فلاں کو دیت ادا کر اور مخاطب تثنیہ کو "دِيا" تم دو مرد دیت ادا کرو اور مخاطب جمع کو کہے گا "دُوا فلاناً" تم سب مرد فلاں کو دیت ادا کرو۔"

اصطلاحی مفہوم

امام سرخسیؒ کے مطابق شریعت نے دیت کو قتل کی صورت میں انسانی جان اور خون کی حفاظت کے اہتمام کے طور پر مال کی صورت میں واجب کیا ہے۔

" لأنها مال مؤدى في مقابلة متلف ليس بمال وهو النفس۔"[3]

---

1 ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، جلد 6، ص: 98

2 ابن منظور، لسان العرب، جلد 15، ص: 383

3 السرخسی ، المبسوط، جلد 26، ص: 105

"یہ ایسامال ہوتاہے جو انسانی جان کے تلف کرنے پر ادا کیا جاتا ہے۔"

دیت کی اقسام

دیت کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ قصاص کے بدلے میں دیت

قتل عمد میں قصاص کے ساقط ہونے کی صورت میں اور قتل خطاء میں جان کا معاوضہ اور بدل جو کہ سو اونٹ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک "دیت تین اشیاء کی صورت میں لازم ہوتی ہے: اونٹ، سونا اور چاندی۔ ان میں سے جس میں دیت کا فیصلہ کیا جائے درست ہے۔"[1]

تعزیرات پاکستان کی رو سے دیت کی مالیت

عدالت اسلام کے احکامات کے تابع (جس طرح قرآن و سنت میں منضبط کیے گئے ہیں) سزایاب اور شخص متضرر کے ورثاء کی مالی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیت کی مالیت مقرر کرے گی جو ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے سے کم نہیں ہوگی جو 30630 گرام چاندی کی قیمت ہے۔ تحتی دفعہ (1) کی اغراض کے لیے وفاقی حکومت سرکاری جریدے میں ہر سال یکم جولائی کو چاندی کی قیمت کا اعلان کرے گی۔[2]

2۔ دیت تغلیظ

دیت کو زیادہ سخت بنانا، اس میں زیادہ شدت اختیار کرنا۔ قتل عمد کی دیت میں شدت اختیار کرنا۔ امام مالکؒ کے مطابق باپ کا اپنے بیٹے کے قتل کی صورت میں دیت مغلظ ہوگی یعنی اونٹوں کی صورت میں دیت یہ ہوگی۔ تیس حقہ، تیس جذعہ، چالیس خلفہ۔ سونے اور چاندی کی صورت میں ان اونٹوں کی قیمت میں اور عام دیت میں جو اونٹوں کی قیمت کا فرق ہے دیت مغلظہ میں شامل ہوگا، مثلاً اگر دیت خفیفہ کے اونٹوں کی قیمت چھ سو درہم ہے اور دیت مغلظہ کے اونٹوں کی قیمت آٹھ سو درہم ہے تو یہ زائد دو سو درہم سونے یا چاندی کی صورت میں ادا کی جانے والی دیت میں شامل ہوں گے۔[3]

امام احمدؒ کے نزدیک دیت میں تغلیظ کے تین اسباب ہیں: حرم میں قتل، اشہر حرام میں قتل اور محرم کا قتل

---

1 عودة، عبدا لقادر، التشريح الجنائی، جلد2، ص: 192

2 The Pakistan Penal Code, (XLV OF 1860), Act No. II Of 1997, Section 323.

3 عودة ، عبدالقادر ، التشريع الجنائی، جلد 2، ص: 298

۔ ان کے نزدیک تغلیظ کا طریقہ یہ ہے کہ ان ہر تین اسباب میں سے ہر سبب کی موجودگی میں ایک تہائی دیت زائد ہو گی اور اگر تینوں اسباب جمع ہو جائیں تو دو دیتیں لازم ہوں گی۔"[1]

3۔ وہ زخم جہاں مکمل مماثلت کے ساتھ قصاص ممکن نہ ہو صرف دیت دی جائے گی۔ انہیں ارش بھی کہتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں: الف) شجہ، ب) جائفہ اور ج) غیر جائفہ۔

اَرش

اَرش کا معنی ومفہوم

ماہرین لغت کے نزدیک زخموں کی دیت کو اَرش کہتے ہیں، جیسا کہ الزبیدی لکھتے ہیں

"الأَرْشُ:الدِّيَةُ،أَي دِيَةُ الجِرَاحَاتِ،سُمِّيَ أَرْشاً لأَنَّه من أسْبَابِ النِّزَاعِ۔"[2]

"ارش دیت ہے یعنی زخموں کی دیت۔ اس کا نام ارش اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ جھگڑے کے اسباب میں سے ہے"

تاوان یا جرمانہ جو شریعت نے زخموں پر مقرر کیا ہے۔ کسی کو زخمی کرنے پر بھی دیت مقرر کی گئی ہے، جیسا کہ ابن منظور نے بیان کیا

"والأَرْش من الجراحات ما ليس له قدر معلوم وقيل هو دِيَةُ الجراحات وقد تكرر في الحديث ذكر الأَرْشِ المشروع في الحُكومات وهو الذي يأْخذه المشتري من البائع إِذا اطَّلَع على عيب في المَبيع۔"[3]

"ارش وہ تاوان ہے جو شریعت نے زخموں پر مقرر کیا ہے اور اس طرح وہ تاوان بھی جو مبیع کے اندر عیب کے مطلع ہونے پر مشتری بائع سے وصول کرتا ہے۔"

اصطلاحی مفہوم

ارش ایسی جنایت پر آتا ہے کہ جس سے کسی کا عضو تو تلف نہ ہو، لیکن اس عضو کے کام کرنے کی صلاحیت جاتی رہے یا اس کے اکثر منافع ختم ہو جائیں، جیسا کہ علامہ مرغینانی نے لکھا ہے کہ شجاج دس ہیں:

"الحارصة وهي التي تحرص الجلد أي تخدشه ولا تحرج الدم

---

1 عودة ، عبدالقادر ، التشريع الجنائى، جلد 2، ص: 298

2 الزبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس، جلد 17، ص:63

3 ابن منظور، لسان العرب ، جلد 6، ص: 263

والدامعةوهي التي تظهر الدم ولا تسيله كالدمع من العين والدامية وهي التي تسيل الدم والباضعة وهي التي تبضع الجلد أي تقطعه والمتلاحمة وهي التي تأخذ في اللحم والسمحاق وهي التي تصل إلى السمحاق وهي جلدة رقيقة بين اللحم وعظم الرأس والموضحة وهي التي توضح العظم أي تبينه والهاشمة وهي التي تهشم العظم أي تكسره والمنقلة وهي التي تنقل العظم بعد الكسر أي تحوله والآمة وهي تصل إلى أم الرأس وهو الذي فيه الدماغ۔"[1]

1۔ **حارصہ:** وہ زخم، جو کھال میں خراش پیدا کر دے لیکن اس حد تک نہ ہو کہ خون ظاہر ہو جائے۔

2۔ **دامعہ:** وہ زخم ہے جو خون ظاہر کر دے، یعنی خون جلد سے باہر آجائے مگر جلد پر بہے نہیں۔

3۔ **دامیہ:** اس زخم کو کہتے ہیں جس سے خون ظاہر ہو کر یعنی نکل کر بہہ جائے۔

4۔ **باضعہ:** اس زخم کو کہتے ہیں جو کھال کو پھاڑ کر گوشت تک سرایت کر جائے۔

5۔ **متلاحمہ:** وہ زخم جو کھال پھاڑ کر گوشت تک پہنچ جائے اور پھر گوشت میں بھی سرایت کر جائے۔

6۔ **سمحاق:** اس زخم کو کہتے ہیں جو سر کی ہڈی اور گوشت کی درمیانی جھلی تک پہنچ جائے۔

7۔ **موضحہ:** وہ زخم ہے جو کھال اور گوشت کو پھاڑنے کے بعد ہڈی کو ظاہر کر دے۔

8۔ **ہاشمہ:** اس زخم کو کہتے ہیں جو کھال اور گوشت کو کاٹنے کے بعد ہڈی کو بھی توڑ دے۔

9۔ **منقلہ:** اس زخم کو کہتے ہیں جو ہڈی کو توڑنے کے بعد اس کو اپنی اصل جگہ سے ہٹا دے۔

10۔ **آمہ:** وہ زخم ہے جو دماغ کی ہڈی تک پہنچ جائے۔"

مذکورہ بالا ان زخموں کو فقہاء نے شجاج سے تعبیر کیا ہے۔ شجہ یا شجاج سے فقہاء صرف وہ زخم لیتے ہیں جو سر اور چہرے پر ہو۔ فقہائے احناف کے نزدیک چہرے میں دونوں جبڑے بھی داخل ہیں۔

علامہ مرغینانیؒ کے مطابق

"شجہ یا شجاج سے صرف وہ زخم مراد ہیں جو سر اور چہرہ پر ہو اور اس کے علاوہ جسم کے کسی دوسرے حصے پر جو زخم آئے اس کو "جراحۃ" کہتے ہیں۔"[2]

1 المرغینانی ، الهدایه، جلد4 ، ص 584

2 المرغینانی، الهدایه، جلد4 ، ص: 583

سر اور چہرے کو علاوہ جسم پر آنے والے زخموں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1۔ جائفہ: وہ زخم جو سامنے یا پشت کی جانب سے پیٹ یا سینے تک پہنچ جائے۔

2۔ غیر جائفہ: وہ زخم جو پیٹ اور سینے کے علاوہ ہوں غیر جائفہ کہلاتے ہیں۔

مختلف اعضاء کی دیت

حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ (م:120ھ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیت کے بارے میں تفصیلاً لکھا

"أَنَّ فِي النَّفْسِ مِائَةً مِنْ الْإِبِلِ وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِيَ جَدْعًا مِائَةٌ مِنْ الْإِبِلِ وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْجَائِفَةِ مِثْلُهَا وَفِي الْعَيْنِ خَمْسُونَ وَفِي الْيَدِ خَمْسُونَ وَفِي الرِّجْلِ خَمْسُونَ وَفِي كُلِّ أُصْبُعٍ مِمَّا هُنَالِكَ عَشْرٌ مِنْ الْإِبِلِ وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ۔"[1]

"جان کے بدلے میں سو اونٹ ہیں اور جب ناک مکمل کاٹ دی جائے تو سو اونٹ اور دماغ اور پیٹ کے زخم میں تہائی دیت ہے اور آنکھ کی دیت پچاس اونٹ اور ہاتھ اور پاؤں کی دیت میں پچاس اونٹ اور ہر انگلی میں اسی طرح دس اونٹ ہیں اور دانت اور موضحہ زخم میں پانچ پانچ اونٹ ہیں۔"

حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یمن کے باشندوں کے نام ایک خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے

"وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ۔"[2]

"اگر کسی کی ناک پوری کاٹی جائے تو پورا خون بہا ہو گا۔ زبان کے کاٹے جانے پر بھی پوری دیت ہے۔ ہونٹوں پر بھی پوری دیت ہے۔ خصیوں پر بھی پوری دیت

---

1 مالک بن انس ، الموطا ، کتاب العقول ، باب ذکر العقول ، رقم الحدیث: 3139

2 النسائی، السنن ، ذِكْرُ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فِي الْعُقُولِ، وَاخْتِلَافُ النَّاقِلِينَ لَهُ ، رقم الحدیث:4853

ہے۔ آلہ تناسل پر بھی پوری دیت ہے۔ پیٹھ کی ہڈی پر بھی پوری دیت ہے۔ آنکھوں پر بھی پوری دیت ہے ، ایک ٹانگ پر آدھی دیت ہے، آمہ (دماغ کا زخم) پر تہائی دیت ہے۔ زخمی کرنے پر بھی تہائی دیت ہے اور زخم سے ہڈی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانے پر پندرہ اونٹ معاوضہ ہے۔"

جنین (اسقاطِ حمل) کی دیت

حمل کے ساقط ہونے کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے

" قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةِ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ، تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا۔ "[1]

" رسول اللہ ﷺ نے بنی لحیان کی ایک عورت کے مردہ بچے کے پیٹ میں سے نکل جانے سے جو لڑائی کی وجہ سے پیٹ پر چوٹ لگنے پر نکل آیا تھا، غلام یا لونڈی کا غرہ دینے کا حکم دیا۔ پھر اس عورت کے مرنے سے جس پر غرہ دینے کا حکم آپؐ نے صادر فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے اور خون بہا اس کے وارثوں پر۔"

کافر کی دیت

عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا

"أَنَّ عَقْلَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِينَ،وَهُمْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى[2]

" دونوں اہل کتاب کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلہ میں آدھی ہے اور دونوں (اہل کتاب سے مراد) یہود و نصاریٰ ہیں۔"

معالج پر مریض کی دیت

عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

---

1 النسائی ، السنن ، کتاب الدیات ، باب دیة جنین المرأة ، رقم الحدیث: 7021

2 ابن ماجه ، السنن، کتاب الدیات، باب دیة الکافر، رقم الحدیث:2644

" مَنْ تَطَبَّبَ وَلاَ يُعْلَمُ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ "[1]

"جو شخص اپنے آپ کو طبیب (معالج) ظاہر کرے اور حقیقت میں وہ طبیب نہ ہو،
(تو کسی نقصان کی صورت میں) وہی ذمہ دار ہو گا۔"

یعنی اگر کسی ایسے شخص نے جو مستند حکیم، یا ڈاکٹر نہیں ہے۔ یا اس نے فن طب (حکمت / ڈاکٹری) میں باقاعدہ سند حاصل نہیں کی۔ کسی مریض کا علاج کیا اور اس کے غلط علاج سے وہ مریض مر گیا یا اس کے جسم کا کوئی عضو ضائع ہو گیا، تو اس معالج پر اس نقصان کا تاوان لازم ہو گا۔

قتل کی حرمت، احکام اور اقسام

اسلام میں قتل کی حرمت

اسلام نے نہ صرف قتل و غارت گری سے روکا بلکہ اس غلط کام کے مفاسد بھی بیان کیے تاکہ انسان اس گناہ سے بچ سکے۔ قتل ناحق کو سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾[2]

"جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر حق شرعی کے ساتھ اور جو شخص ظلم کے ساتھ مارا جائے ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ قتل میں زیادتی نہ کرے۔ بلاشبہ اس کی مدد کی گئی ہے۔"

اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قواعد شرعیہ کی رو سے حرام فرمایا ہے۔ اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر قتل کرنا درست ہے، یعنی جب وجوب یا اباحت قتل کا کوئی سبب شرعی پایا جائے، اس وقت وہ "حرم اللہ" میں داخل نہیں اور جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث حقیقی یا حکمی کو قصاص لینے کا شرعا اختیار دیا ہے۔ سو اس کے قتل کے بارے میں حدِ شرعی سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، یعنی قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کرے، کیونکہ وہ شخص زیادتی نہ کرنے کی صورت میں شرعاً تو طرفداری کے قابل ہے اور زیادتی کرنے سے فریق ثانی طرفداری کے قابل ہو جائے گا۔ اس لیے

---

[1] ابو داؤد، السنن ، کتاب الدیات، باب فِيمَنْ تَطَبَّبَ وَلاَ يُعْلَمُ مِنْهُ طِبٌّ،رقم الحديث: 4588

[2] بنی اسرائیل، 33:17

زیادتی کر کے منصوریت سے خارج نہیں ہونا چاہیے۔

مندرجہ ذیل شرعی وجوہات کی بناپر مسلمان کا قتل جائز قرار دیا گیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلاَثٍ: النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالمَارِقُ مِنَ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ ۔"[1]

"کسی مسلمان کا، جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، خون حلال نہیں ہے مگر تین باتوں میں۔ جان کے بدلے جان کا مارنا، شادی شدہ زانی کو رجم کرنا اور جو دین کو ترک کر کے جماعت سے الگ ہو جائے (یعنی مرتد کا قتل)"۔

اس کے علاوہ باغی اور محارب کو بطور حد قتل کیا جا سکتا ہے۔ تعزیری سزا کی صورت میں جاسوس، بدعت کی طرف بلانے والے، لوطی، عادی مجرم اور وزنی شے سے مارنے والے کو موت کی سزا دی جا سکتی ہے۔

حضرت عمر بن حفص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل کے فیصلہ سے متعلق ارشاد فرمایا

" أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ ۔ "[2]

"قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا، وہ خون ناحق کا فیصلہ ہو گا۔"

قتل کی سزا

کسی مرد یا عورت کے قتل سے متعلق احکام کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[3]

---

1 البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الدیات، باب قول الله تعالی، رقم الحدیث: 6484

2 البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامة، رقم الحدیث:6168

3 البقرہ ، 178:2

"اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے عورت اور پھر جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو موافق دستور کے تابعداری کرنی چاہیے اور اس کو احسان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی، پھر جو اس فیصلے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

دوسری جگہ قصاص اور زخموں کے بدلے سے متعلق حکم ارشاد فرمایا

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[1]

"اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر، پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

ہاں اگر مقتول کے ورثاء خوشی سے معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں تو قصاص نہیں لیا جائے گا، جیسے ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبْلٍ وَالْخَبْلُ: الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثٍ، فَإِنْ أَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ: أَنْ يَقْتُلَ، أَوْ يَعْفُوَ، أَوْ يَأْخُذَ الدِّيَةَ، فَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَعَادَ، فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔"[2]

"جس شخص کا خون کیا جائے یا وہ زخمی کیا جائے تو اس کو (یا اس کے وارث) تین باتوں کی اختیار حاصل ہے، اگر وہ چوتھی بات کرنا چاہے تو اس کو روکو، وہ تین باتیں یہ ہیں: یا تو قصاصاً قاتل کو قتل کرے، یا معاف کر دے یا دیت لے لے،

---

1 المائدہ، 45:5

2 ابن ماجه، السنن ، كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بالخيار بين ، رقم الحديث: 2623

اب جب ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات کر لے تو پھر کوئی چوتھی بات (زیادتی کی) کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا۔"

قصاص نہ لینے پر وعید

"وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُونَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَغَضَبُهُ لاَ يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلاَ عَدْلٌ"[1]

"جو شخص قصداً مارا جائے۔ یہ قتل قصاص کو واجب کرتا ہے اور جو شخص قصاص لینے میں حائل ہو، اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے، ایسے شخص کے نہ فرض قبول ہوں گے اور نہ ہی نفل۔"

لیکن کسی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں اگر مسلمان حق پر ہو، جیسا کہ حضرت ابن عباس (م:68ھ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" لاَ يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلاَ ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ۔"[2]

کسی کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے جب تک کہ وہ عہد و ضمان میں ہے۔"

احناف اور اقسامِ قتل

فقہ حنفی کی رو سے قتل کی پانچ اقسام ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ قتل عمد

"عمد کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں اور ظاہر ہے قصداً اور ارادہ کی خبر اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی کوئی دلیل نہ پائی جائے اور وہ دلیل کا ایسے دھار دار اور مہلک ہتھیار کا استعمال کرنا ہے جو قتل کا ذریعہ بنا لہذا ایسی صورت میں قاتل قصداً اور بلا ارادہ قتل کرنے والا سمجھا جائے گا۔ وہ قتل جو قصداً و ارادتاً کسی دھاری دار ہتھیار سے اور قتل کرنے کے ارادہ سے قتل کیا جائے یا ایسی چیز سے جو دھاری

---

[1] ابو داؤد ، السنن ، كتاب الديا ت ، باب مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيَّاءَ بَيْنَ قَوْمٍ، رقم الحديث: 4541

[2] ابن ماجة ، السنن، كتاب الديا ت، باب لا يقتل مسلم بكافر ، رقم الحديث: 2660

دار آلہ کے قائم مقام ہو، جیسے دھاری دار لکڑی، بانس کا ٹکڑا، پتھر کا دھاری دار کنارہ یا مثلاً آگ میں جلا دینا، بجلی کے کرنٹ اور زہر سے ہلاک کرنا۔"[1]

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ قتل عمد کی تعریف یوں کرتے ہیں

"اگر کسی شخص کے کوئی ایسی چیز ماری جائے جو انسان کو ہلاک کرنے میں عام طور پر تاخیر نہیں کرتی جیسے بہت وزنی پتھر، بہت بڑی اور بھاری لکڑی، اس لیے کہ اتنی بڑی اور بھاری چیز مارنے سے کسی کو ہلاک کرنے کے علاوہ اور کوئی قصد نہیں ہو تا لہذا ایسی صورت میں اگر موت واقع ہو گئی تو قتل عمد کہلائے گی۔"[2]

قتل عمد کے نتائج

اس قتل کا نتیجہ یہ ہے کہ قاتل گناہ گار ٹھہرا اور اسے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾[3]

"اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کرر کھا ہے۔"

قتل عمد کا دوسرا نتیجہ حکم قصاص ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَى بِالْأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[4]

"اے ایمان والو۔ فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں آزاد کے

---

1 المرغینانی، برہان الدین، الهدایه ، کتاب الجنایات ، ج4 ، ص:554- 553

2 المرغینانی ، الہدایه،کتاب الجنایات، ص:555

3 النساء 93:4

4 البقرہ، 178:2

بدلے آزاد اور غلام کے بدلے عورت اور پھر جس کو کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ۔ یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی۔ پھر جو اس فیصلے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

قتل عمد کے احکام

1۔ قتل عمد کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اگر قاتل مقتول کے ورثاء میں سے ہے تو مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

"لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ ۔"[1]

"قاتل کے لیے میراث میں سے کوئی حصہ نہیں۔"

2۔ صرف اس صورت میں قصاص نہیں جب مقتول کے ورثاء قصاص معاف کر دیں یا کسی اور چیز پر مصالحت کر لیں۔ قتل عمد میں دیت یہ ہو گی، جیسا کہ حضرت عمر بن شعیب روایت کرتے ہیں

"مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ، فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا، وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ، وَهِيَ ثَلاَثُونَ حِقَّةً، وَثَلاَثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً، وَمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ۔ "[2]

"جو شخص جان بوجھ کر کسی کو مار ڈالے تو قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا، چاہیں تو وہ اس کو بدلہ میں مار ڈالیں یا اس سے خون بہا لیں، خون بہا ایک سو اونٹنیاں ہیں، جس میں تیس ایسی ہوں گی جو تیس برس کی ہو کر چوتھے برس میں لگی ہوں، تیس وہ ہوں گی جو چار برس کی ہو کر پانچویں برس میں لگی ہوں اور چالیس اونٹنیاں گابھن ہوں گی اور مقتول کے وارث جس بات پر فیصلہ یا صلح کریں ،وہی قاتل پر واجب ہو گی۔"

3۔ قصاص لینے میں زندوں کے لیے مصلحت ہے کیونکہ اس سے قاتل اور دوسرے لوگوں کے لیے شدید تنبیہ اور عبرت ہے اور ایسی ہی سزا سے اس جرم کو روکا جا سکتا تھا۔ لہذا قصاص ہی متعین ہو گا، جیسا

1 النسائی، السنن، کتاب الفرائض ، باب توریث القاتل، رقم الحدیث: 6367

2 الترمذی ، الجامع الترمذی ، کتاب الدیات ، باب ما جاء في الدية كم هي، رقم الحديث: 1387

کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾[1]

"اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو، تاکہ تم بچتے رہو۔"

2۔ قتل شبہ عمد

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قتل شبہ عمد سے مراد

"قصد اور ارادہ کے ساتھ ایسی چیز سے مارے جو ہتھیار نہیں ہے اور نہ ہی وہ چیز قائم مقام ہتھیار کے ہے۔"[2]

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قتل شبہ

"قصد اور ارادہ کے ساتھ ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کی موت واقع نہیں ہوتی۔ اس مذکورہ صورت کو قتل شبہ عمد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا آلہ استعمال کرنے کی وجہ سے جس سے عام حالات میں انسان ہلاک نہیں ہوتا، قصداً اور بلا ارادہ قتل کرنے کے معنی ادھورے اور ناتمام رہ جاتے ہیں کیونکہ ایسے آلہ کے ذریعے مارنے سے قتل کرنے کے علاوہ دوسرا مقصد بھی ہو سکتا ہے، مثلاً تادیب، ڈرانا، خوف زدہ کرنا۔ لہذا اگر ایسے آلہ سے مارنے سے موت واقع ہو گئی تو وہ قتل شبہ عمد کہلائے گا۔"[3]

قتل شبہ عمد کے احکام

1۔ قاتل گناہ گار ٹھہرے گا۔

2۔ قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے اس لیے کہ اس قتل کو قتل خطاء کے ساتھ مشابہت ہے۔

3۔ تیسرا حکم قاتل کی مدد گار برادری پر دیت مغلظہ واجب ہو گی۔

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے دیت مغلظہ کے بارے میں ارشاد فرمایا

" قَتِيلُ السَّوْطِ وَالْعَصَا، مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، أَرْبَعُونَ مِنْهَا خَلِفَةً، فِي بُطُونِهَا

---

1 البقرہ، 179:2

2 المرغینانی ، الھدایہ ، جلد4 ، ص:555

3 ایضاً، ص:555

أَوْلَادُهَا ۔ "[1]

"شبہ عمد یعنی خطا کا مقتول وہ ہے جو کوڑے یا لکڑی (چھڑی، معمولی لکڑی) سے مارا جائے، اس میں سو 100 اونٹ ہیں دیت کے طور پر، ان سو اونٹوں میں چالیس 40 ایسی اونٹنیاں ہیں جو حاملہ ہوں۔"

دیت مغلظہ یا تغلیظ دیت

چوتھا حکم قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہونا ثابت ہو جائے گا۔

اس مقام پر قانون کلی یہ ہے کہ ہر وہ دیت جو ابتداً قتل ہی کی وجہ سے لازم ہوئی ہو، نہ یہ کہ کسی ایسے سبب کی بناء پر جو بعد میں پیش آنے والا ہو، تو ایسی صورت میں دیت، قاتل کی مدد گار برادری پر لازم ہوتی ہے قتل خطاء کی صورت پر قیاس کرتے ہوئے اور یہ دیت تین سال کے اندر اندر ادا کرنا واجب ہو گا۔

3۔ قتل خطاء

قتل خطاء کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہیں:

1۔ خطاء فی القصد فاعل (قاتل) کے قصد اور ارادہ میں خطاء اور غلطی واقع ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص پر تیر یا فائر چلایا یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ شکار ہے مگر اتفاق سے وہ آدمی نکلا یا یہ کہ کسی شخص کو حربی کافر سمجھتے ہوئے نشانہ بنایا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے۔

2۔ خطاء فی الفعل فاعل (قاتل) کے فعل میں خطاء ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے نشانہ پر تیر مارا لیکن وہ کسی اور آدمی کے لگ گیا (نشانہ چوک جانے کی وجہ سے)[2]۔

قتل خطاء کے احکام

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

---

1 ابن ماجه، السنن ، كتاب الديات ، باب دية شبه العمد مغلظة ، رقم الحديث: 2627

2 المرغيناني ، الهدايه، جلد4 ، ص: 556

شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا﴾[1]

"کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے لیکن غلطی سے ہو جائے تو اور بات ہے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا بھی جو اس کے خاندان والوں کو دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ (مقتول خطا) تمہارے مخالف قوم سے ہے اور وہ خود مومن ہے تو ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا پڑے گا اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو دیا جائے اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا بھی، پس جو اس کو نہ پائے تو اس پر دو مہینے لگاتار روزہ رکھنا ہے بطور توبہ کے، اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو عمداً قتل کرے لیکن غلطی سے ہو جائے تو اور بات ہے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر شرعاً ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اور خون بہا بھی واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو یعنی جو ان میں وارث ہیں بقدر حصص میراث حوالہ کر دی جائے اور جس کے وارث کوئی نہ ہو بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے۔ مگر یہ کہ وہ لوگ اس خون بہا کو معاف کر دیں، خواہ کل، خواہ بعض، تو اتنی ہی معافی ہو جائے گی اور اگر وہ مقتول خطا، ایسی قوم سے ہے جو تمہارے مخالف ہیں یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا اور وہ شخص خود مومن ہے تو صرف ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا پڑے گا، اور دیت اس لیے نہیں کہ اگر ورثا اس مقتول کے مسلمان ہیں تب تو وہ تحت ولایت مسلم حاکم نہ ہونے کے باعث مستحق نہیں اور اگر کافر ہیں تو اس صورت میں دیت بیت المال کا حق ہوتی ہے اور دارالحرب سے بیت المال میں ترکہ لایا نہیں جاتا۔ اگر وہ مقتول خطا ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ صلح یا ذمہ کا ہے، یعنی ذمی یا مصالح و مستامن ہو تو خون بہا بھی واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو دیا جائے، کیونکہ کافر کا وارث ہوتا ہے اور

---

1 النساء، 92:4

ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا پڑے گا پھر جن صورتوں میں غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے جس شخص کو غلام یا لونڈی نہ ملے اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے۔ پس اس کے ذمے بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر یعنی لگاتار دوماہ کے روزے ہیں، یہ آزاد کرنا اور وہ نہ ہو سکے تو روزے رکھنا بطریق توبہ کے ہیں، جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یعنی اس کا طریقہ مشروع ہوا ہے۔

1۔ قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔

2۔ دوسرا قاتل کی مددگار برادری پر دیت واجب ہو گی اور یہ تین سال کے اندر ادا کرنا ضروری ہو گی۔

قتل خطاء کی دیت

حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"«فِي دِيَةِ الْخَطَأِ عِشْرُونَ حِقَّةً وَعِشْرُونَ جَذَعَةً وَعِشْرُونَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرُونَ بِنْتَ لَبُونٍ وَعِشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ ذُكُورٌ ۔ "[1]

" قتل خطاء کی دیت میں بیس 20 ایسی اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں اور بیس 20 ایسی اونٹنیاں ہیں جو چار برس کی ہو کر پانچویں برس میں لگی ہوں اور بیس 20 ایسی اونٹنیاں جو ایک برس کی ہو کر دوسرے میں لگی ہوں اور بیس 20 اونٹنیاں ایسی جو دو برس کی ہو کر تیسرے برس میں لگی ہوں اور بیس 20 ایسے اونٹ ہیں جو ایک برس کے ہو کر دوسرے برس میں لگے ہوں۔"

3۔ تیسرا حکم قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

4۔ قتل قائم مقام خطاء

" قائم مقام خطاء کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص سویا ہوا تھا، اس نے کروٹ لی اور کروٹ لیتے ہوئے کسی دوسرے شخص پر گرا اور اس کے بوجھ سے وہ شخص ہلاک ہو گیا تو اس صورت کا حکم قتل خطاء کا سا ہے "[2]

قتل قائم مقام خطاء کے احکام

1۔ قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔

---

1 ابن ماجه ، كتاب الديات، باب دية الخطأ، رقم الحديث:2631

2 المرغينانى ، الهدايه، جلد4 ، ص: 556

2۔ دوسرا حکم قاتل کی مددگار برادری پر دیت واجب ہو گی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا

" فِي دِيَةِ الْخَطَأِ عِشْرُونَ حِقَّةً وَعِشْرُونَ جَذَعَةً وَعِشْرُونَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرُونَ بِنْتَ لَبُونٍ وَعِشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ ذُكُورٌ ۔ "[1]

" قتل خطاء کی دیت میں بیس 20 ایسی اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں اور بیس 20 ایسی اونٹنیاں ہیں جو چار برس کی ہو کر پانچویں برس میں لگی ہوں اور بیس 20 ایسی اونٹنیاں جو ایک برس کی ہو کر دوسرے میں لگی ہوں اور بیس 20 اونٹنیاں ایسی جو دو برس کی ہو کر تیسرے برس میں لگی ہوں اور بیس 20 ایسے اونٹ ہیں جو ایک برس کے ہو کر دوسرے برس میں لگے ہوں۔"

تیسرا حکم قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

5۔ قتل بسبب

" قتل بسبب سے مراد قتل کسی سبب کے پیش آجانے کے باعث ہو۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کی ملکیت میں کوئی گڑھا کھود دیا اور کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہو گیا یا کسی کی زمین میں کوئی بھاری پتھر ڈال دیا، کسی کو اس سے ٹھوکر لگی اور وہ مر گیا تو یہ قتل، قتل بسبب ہو گا۔"[2]

قتل بسبب کے احکام

مددگار برادری پر دیت لازم ہو گی۔ نہ تو کفارہ ہے اور نہ ہی قاتل میراث سے محروم ہو گا۔

مالکیہ کے نزدیک اقسام قتل

مالکی فقہاء کے مطابق قتل کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

1۔ قتل عمد

امام مالکؒ سے قتل عمد کی یہ تعریف منقول ہے

"فَقَتْلُ الْعَمْدِ عِنْدَنَا أَنْ يَعْمِدَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فَيَضْرِبَهُ حَتَّى تَفِيظَ نَفْسُهُ وَمِنْ الْعَمْدِ أَيْضًا أَنْ يَضْرِبَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي النَّائِرَةِ تَكُونُ بَيْنَهُمَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ عَنْهُ وَهُوَ

[1] ابن ماجه ، كتاب الديات، باب دية الخطأ، رقم الحديث:2631

[2] المرغينانى ، الهدايه ، جلد4 ، ص: 556

حَيٌّ فَيُنْزَى فِي ضَرْبِهِ فَيَمُوتُ فَتَكُونُ فِي ذَلِكَ الْقَسَامَةُ ۔ "[1]

" قتل عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قصداً اتنا مارے کہ اس کا دم نکل جائے، مثلاً کسی شخص سے دشمنی ہے، اسے کسی چیز سے ایک ضرب لگائی اور وہاں سے چلا آیا ۔جب ضرب لگانے والا وہاں لوٹا تو مضروب زندہ تھا لیکن بعد میں وہ اس کی ضرب کے باعث مر گیا، تو یہ بھی قتل عمد ہے مگر اس میں قسامت واجب ہو گی۔"

امام مالکؒ کہتے ہیں

" الْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْعَمْدِ الرِّجَالُ الْأَحْرَارُ بِالرَّجُلِ الْحُرِّ الْوَاحِدِ وَالنِّسَاءُ بِالْمَرْأَةِ كَذَلِكَ وَالْعَبِيدُ بِالْعَبْدِ كَذَلِكَ ۔ "[2]

" قتل عمد میں ایک آزاد کے بدلے کئی آزاد مارے جائیں گے جبکہ قتل میں سب شریک ہوں۔ اسی طرح اگر ایک عورت کو متعدد عورتیں قتل کر دیں تو ان سب کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور اگر غلام کو متعدد غلام مل کر قتل کر دیں تو قصاص میں ان سب غلاموں کو قتل کیا جائے گا۔"

2۔ قتل خطاء

مالکی فقہاء کے نزدیک قتل خطا سے مراد

" کھیل یا مذاق کے طور پر کسی کے ضرب لگائی اور اس سے وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہو گا اسی طرح اگر تادیب کی خاطر کسی کو مارا اور وہ مر گیا تو یہ بھی قتل خطا ہو گا، لیکن شرط یہ ہے کہ جس آلہ سے مارا ہے وہ آلہ ایسا ہو جو تادیب کے لیے استعمال ہوتا ہو اور اس مارنے والے کو عرفاً تادیب کا حق بھی ہو۔"[3]

قتل خطا کی اس تعریف میں یہ جو قید لگائی کہ تادیب کے لیے جس آلہ سے مارا ہو وہ تادیب ہی کے لئے استعمال ہوتا ہو اور جس شخص نے مارا ہے اسے تادیب کا حق بھی ہو۔ یہ اس بنا پر ہے کہ اگر کسی نے

---

1 مالک، الموطا، کتاب العقول، بَاب مَا يَجِبُ فِي الْعَمْدِ ، رقم الحدیث: 3252

2 مالک، الموطا، کتاب العقول، بَاب مَا يَجِبُ فِي الْعَمْدِ ، رقم الحدیث: 3253

3 الحصری، احمد، القصاص، الدیات، العصیان المسلح فی الفقه الاسلامی، عمان، 1974ء، ص:161

تادیب کی خاطر کسی کو تلوار سے مارا یا کسی ایسے ہی آلہ سے جو عام طور پر قتل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور وہ مر گیا تو یہ قتل عمد شمار ہو گا اور مارنے والے سے قصاص لیا جائے گا۔ اسی طرح ہنسی مذاق میں بھی اگر ایسے ہی آلہ (تلوار وغیرہ) سے مارا اور وہ شخص مر گیا تو یہ قتل عمد ہو گا اور قصاص لیا جائے گا، کیونکہ تادیب کے لئے اور ہنسی مذاق میں مارنے کے لئے مہلک ہتھیار استعمال نہیں کیے جاتے۔ مہلک آلات سے مارنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نہ مذاق کے طور پر مارا ہے اور نہ تادیب کے لئے بلکہ دشمنی کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے (لہذا قصاص لیا جائے گا)۔

ہنسی مذاق میں اگر کسی ایسے حصہ جسم پر مارا ہو جہاں مذاق میں نہیں مارتے یا اس طرح مارا کہ مذاق میں اس طرح نہیں مارا جاتا اور اس مارنے کے نتیجے میں موت واقع ہو گئی تو یہ مارنا دشمنی کی بنا پر ہو گا اور زیادتی کی تعریف میں آئے گا اور مارنے والے سے قصاص لیا جائے گا مگر صرف ایک صورت میں، وہ یہ کہ جب مارنے والا مضروب کا باپ ہو تو اس صورت میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

شوافع کے مطابق اقسام قتل

امام شافعیؒ کے نزدیک قتل کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

1۔ قتل عمد

کوئی شخص، کسی کو ایسے ہتھیار سے مارے جس کی ضرب سے عام طور پر انسان مر جاتا ہے اور اس ضرب سے اس کو مارنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو، تو یہ قتل عمد کہلائے گا۔ یہ قتل کی سب سے مہلک قسم ہے اور اس پر سب سے زیادہ سزا رکھی گئی ہے تاکہ کوئی بھی انسانی جان کو قتل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

2۔ قتل شبہ عمد

کوئی شخص، کسی کو ایسے ہتھیار سے مارے جس کی ضرب سے عام طور پر انسان نہیں مرتا جیسے کوڑا، معمولی ڈنڈا لیکن اگر مضروب اس چیز کی ضرب سے مر جاتا ہے تو یہ قتل شبہ عمد ہو گا۔

3۔ قتل خطاء

کسی شخص نے کسی درخت پر کوئی چیز ماری اور وہ کسی آدمی کے لگ گئی اور اس سے اس آدمی کی موت واقع ہو گئی یا کسی شکار کی طرف تیر یا گولی چلائی اور وہ بجائے شکار کے کسی آدمی کے جا لگی۔ اس سے اس کی موت واقع ہو گئی تو یہ قتل خطاء کہلائے گا۔

حنابلہ کے نزدیک اقسام قتل

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قتل کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

1۔ قتل عمد

کسی لوہے سے، بڑی لکڑی سے یا خیمہ وغیرہ کے بانس سے یا ایسے بھاری پتھر سے جس کے مارنے سے عام طور پر آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہو یا کسی ایسے فعل سے جو عام طور پر اتلاف جان کا سبب بن جاتا ہو۔ اگر مارا اور موت واقع ہو گئی تو یہ قتل عمد کہلائے گا۔

2۔ قتل شبہ عمد

اگر کسی شخص نے کسی کے چھوٹی لکڑی ماری یا چھوٹا پتھر مارا یا اس کے جسم میں کوئی چیز چبھو دی یا اور کوئی عمل کیا جس کے کرنے سے عام طور پر آدمی مرتا نہیں لیکن اس کے باوجود وہ مر گیا تو اس میں قصاص لازم نہیں آئے گا۔ قاتل کی مدد گار برادری پر دیت لازم ہو گی اور یہ قتل شبہ عمد کہلائے گا۔

3۔ قتل خطاء

ایسا فعل کیا جس سے وہ کسی کو قتل کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر اتفاق سے اس فعل کی وجہ سے کوئی شخص قتل ہو گیا، مثلاً کسی شکار پر تیر چلایا یا فائر کیا یا کسی نشانہ پر مارا مگر وہ شکار پر یا نشانہ پر لگنے کی بجائے کسی اور انسان کے جا لگا اور اس سے وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطاء ہو گا۔ اس میں قصاص واجب نہیں ہو گا ۔ قاتل کی مدد گار برادری پر دیت لازم ہو گی اور قاتل کے مال میں سے کفارہ دینا واجب ہو گا۔

تعزیرات پاکستان کی رو سے اقسام قتل

تعزیرات پاکستان کی رو سے قتل کی چار اقسام ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ قتل عمد

جو کوئی دوسرے کو ہلاک کرنے کی نیت سے یا جسمانی ضرب پہنچانے کی نیت سے، کسی ایسے فعل کے ذریعے جس سے عام قدرتی حالات میں موت واقع ہو سکتی ہے یا اس علم کے ساتھ کہ اس کا فعل صریحاً اس قدر خطرناک ہے کہ اس سے موت کا گمان غالب ہے، ایسے شخص کی موت کا باعث ہو تو کہا جائے گا کہ وہ قتل عمد کا مرتکب ہوا۔[1]

[1] The Pakistan Penal code, (XVL of 1860), Section 300.

2۔ قتل شبہ عمد

جو کوئی کسی شخص کو جسمانی یا ذہنی ضرر پہچانے کی نیت سے کسی ایسے ہتھیار یا فعل کے ذریعے جس سے عام حالات میں موت واقع ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ اس کی یا کسی دوسرے شخص کی موت کا باعث ہو جائے تو کہا جائے گا کہ اس نے قتل شبہ عمد کا ارتکاب کیا ہے۔[1]

3۔ قتل خطاء

جو کسی شخص کی موت وقوع میں لانے یا اسے نقصان پہنچانے کی نیت کے بغیر غلطی فعل یا غلطی واقعہ سے ویسے شخص کی موت کا باعث ہو تو وہ قتل خطاء کا مرتکب ہے۔[2]

4۔ قتل بسبب

جو کوئی شخص کسی کو ہلاک کرنے یا نقصان پہنچانے کی نیت کے بغیر کوئی ایسا غیر قانونی فعل کرے جو کسی دوسرے شخص کی ہلاکت کا سبب بن جائے تو وہ قتل بسبب کا مرتکب کہلائے گا۔[3]

خلاصہ کلام انسانی جسم پر کسی زیادتی کی صورت میں قصاص و دیت کے قوانین جاری ہوتے ہیں۔ انسانی جسم پر زیادتی کا بدلہ لینا اس شخص کا حق ہے جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ متضرر کی موت کی صورت میں ورثاء کا بدلہ لینا حق ہے۔ مدعی قصاص و دیت کی صورت میں مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے، اس لیے اسے حق العبد کہا جاتا ہے۔ قصاص کے جرائم دو طرح کے ہیں: ایک عمداً قتل کرنا اور دوسرا عمداً زخمی کرنا۔ ان دونوں کے بدلے میں جو سزا بطور قتل یا اس کے علاوہ جسمانی طور پر دی جائے، وہ قصاص کہلاتی ہے۔ دیت کے جرائم میں قتل عمد سے مشابہ، قتل خطاء اور ان زخموں کا مالی تاوان ہے جن کا بعینہ مجرم کو لگانا ممکن نہ ہو، شامل ہیں۔ اسی طرح قصاص کے متضرر کی طرف سے دیت کا مطالبہ ہو تو اس کی بھی دیت ہے۔ قتل کی اقسام مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی مذہب میں مختلف ہیں لیکن قتل عمد اور قتل خطاء ہر فقہی مسلک میں مشترک ہیں۔ قتل عمد میں قصاص ہے اور قتل خطاء میں دیت ہے جو کہ سو اونٹ ہیں۔ اس کے علاوہ سونے اور چاندی کے ذریعے بھی دیت ادا کی جا سکتی ہے یا ان کی قیمت کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔

---

1 The Pakistan Penal code, (XVL of 1860), Section, 315.
2 Ibid, Section, 318.
3 Ibid, Section, 321.

قتل کے علاوہ انسانی جسم کو جو زخم لگایا جائے تو اس کا بھی قصاص ہے۔ فقہائے کرام نے ایسے زخموں کو مندرجہ ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا ہے:

1۔ اعضاء کو قطع کر کے جسم سے الگ کر دینا، جیسا کہ کان کاٹ دینا۔

2۔ اعضاء کی صلاحیت ضائع کر دینا، جیسے قوت بصارت ضائع کر دینا۔

3۔ سر یا چہرے پر زخم لگانا شجاج کہلاتا ہے اور اس کی دس اقسام ہیں۔

4۔ اس کے علاوہ باقی جسم پر آنے والے زخم جائفہ اور غیر جائفہ کہلاتے ہیں۔

فصل سوم: مقاصد شریعت کی روشنی میں حدود و قصاص کے معاشرتی اثرات

شریعت مطہرہ نے دین، جان، عزت و آبرو، مال اور عقل کی حفاظت کو لازم قرار دیا ہے۔ یہ وہ مقاصد شریعت ہیں کہ ہر صورت میں ان پانچ چیزوں کی حفاظت کی جائے اور ان کے ساتھ ہی انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ ان چیزوں کے تحفظ سے انسانی زندگی اور معاشرے کا امن قائم ہے۔

مقاصد شریعت کا مفہوم

متقدمین فقہاء کرامؒ نے مقاصد شریعت کی کوئی باقاعدہ تعریف نہیں کی، البتہ ان کے ہاں مقاصد شریعت کے معانی و مفاہیم واضح تھے لیکن انہوں نے بطور اصطلاح اس لفظ کو استعمال نہیں کیا تاہم قدیم کتب کی عبارات پڑھنے سے مقاصد شریعت سے آگاہی ضرور ملتی ہے۔

امام شافعیؒ علم مقاصد شریعت کے بانی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے احکام شریعت کے علل اور احکام شریعت کی معقول و غیر معقول میں تقسیم کو بیان کیا اور احکام کی علل کو بیان کیا جو مقاصد شریعت کا سب سے اہم رکن ہے۔ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اجتہاد اور احکام کے استنباط کے لیے شریعت اور اس کی مصالح کو جاننے کے لیے قواعد کلیہ کا خیال رکھنا ضروری قرار دیا ہے۔

> "امام شافعیؒ نے ہی احکام شریعت کے مقاصد، ان کی غایات اور ان کے اہداف کی طرف توجہ دی اور طہارت، زکوٰۃ، صوم، حج، قصاص، حدود اور قضاء کے کچھ مقاصد کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی طرح کچھ مقاصد خاصہ مثلاً حفظ نفس، حفظ نسب اور حفظ مال بھی بیان کیے ہیں۔"[1]

امام جوینیؒ نے لفظ قصد اور غرض بہت استعمال کیا اور مقاصد شریعت پر خاصی توجہ دی۔ انہوں نے سب سے پہلے مقاصد کی تقسیم کی اور انہیں ضروریات، حاجیات اور تحسینات میں محصور کیا۔ مقاصد کو ضروریات، حاجیات اور تحسینات میں تقسیم کرتے ہوئے مقاصد کی مندرجہ ذیل پانچ اقسام بیان کی ہیں:

> 1۔ وہ علل اور اصول جو معقول المعنی ہوں اور ان کا مقصد زندگی کے کلی نظام اور سیاست عامہ سے متعلق انتہائی ضروری امور کی تکمیل ہو، جیسے قصاص کو شریعت نے لازم قرار دیا ہے تاکہ قتل ناحق نہ ہو اور آئندہ لوگ قتل سے باز آجائیں۔
>
> 2۔ وہ مقاصد اور اصول جن کا تعلق ضرورت اور حاجتِ عامہ سے ہے اور انہیں ضرورت قرار نہ دیا جا سکتا ہو جیسے اجارہ کا درست اور صحیح ہونا کیونکہ وہ لوگ جو اپنے ذاتی مکان نہیں رکھتے انہیں مساکن کی حاجت

---

1 بدوی، یوسف احمد محمد، مقاصد الشریعہ عند ابن تیمیہ، دار النفائس، عمان، اردن، 2000ء، ص: 75

ہوتی ہے اور لوگ عاریت کے طور پر مکان نہیں دیتے۔

3۔ وہ مقاصد اور اصول جن کا تعلق ضرورت اور حاجتِ عامہ سے نہیں ہے لیکن ان کا حصول باعثِ شرف واعزاز ہو یا ان مقاصد کے حصول میں رکاوٹ بننے والے امور کو ختم کرنا ہو، جیسے طہارت حدث کا حصول اور نجاست کو زائل کرنا۔

4۔ وہ مقاصد جنہیں حاجت یا ضرورت کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا (جیسا کہ تیسری قسم ہے) اور ان سے مقاصد کا حصول مندوب ہوتا ہے، جیسے مکاتبت کیونکہ اس کا مقصد آزادی کا حصول ہے اور وہ صرف اسی سے ممکن ہے۔

5۔ وہ مقاصد اور اصول جہاں مجتہد کو کوئی حکمت نظر نہیں آتی اور نہ ہی کوئی ضرورت، حاجت یا تحسین وکرامت کا کوئی متقاضی پہلو نظر آتا ہے بلکہ اسے تعبدی ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ قسم نادر الوجود ہے۔[1]

امام غزالیؒ مقاصد شریعت کے حوالے سے لکھتے ہیں

"مصلحت اصل میں جلب منفعت اور دفع ضرر کا نام ہے اور یہی مخلوق کے شرعی مقاصد ہیں جن مقاصد کے حصول میں مخلوق کا فائدہ ہے مخلوق کے لیے شرعی مقاصد پانچ ہیں اور وہ حفظ دین، حفظ جان، حفظ عقل ،حفظ نسل اور حفظ مال کی حفاظت ہے۔"[2]

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ احکام شریعت کا مقصد مفاد عامہ کی حفاظت ہے۔

"مخلوق کے لیے مفاد تین طرح کا ہے۔ ضروریہ، حاجیہ اور تحسینیہ۔ اور یہ کہ شارع کے احکام شریعت کا بنیادی مقصد، اخروی اور دنیوی مصالح کا قیام ہے۔"[3]

جہاں تک متاخرین کا معاملہ ہے، انہوں نے مقاصد شریعت کی باقاعدہ اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اس کی متعدد تعریفات بیان کی ہیں۔ سب کا انداز بیان مختلف ہے لیکن ان سب کا مقصود ایک ہی ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں

"شاہ ولی اللہؒ نے دین کے اسرار، احکام کے حکم اور ان کے حقائق، مخصوص اعمال کی حکم اور ان کے نکات

---

1 الجوینی، عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف ، ابوالمعالی ، البرہان فی اصول الفقہ ، مطابع الدوحۃ الحدیثۃ ، قطر، 1399ھ، جلد2 ص:926۔ 923

2 الغزالی، محمد بن احمد، الستصفیٰ من علم الاصول ، دارلفکر بیروت ، لبنان، جلد 2 ، ص: 481

3 الشاطبی ، ابواسحاق ، ابراہیم بن موسیٰ ، الموافقات فی اصول الشریعہ، دار لفکر العربی ، مصر ، 1975ء ، جلد2 ، ص:8

کو علم مقاصد کا نام دیا ہے۔"[1]

یوسف القرضاوی مقاصد شریعت کے بارے میں لکھتے ہیں

"مقاصد شریعت وہ ہیں جن کے لیے اللہ نے کتاب نازل کی ہے رسول مبعوث کیے اور احکام کو تفصیلاً بیان کیا لہذا شریعت انسان کی مادی، معنوی، انفرادی اور اجتماعی مصالح کا خیال کرتی ہے۔"[2]

مقاصد شریعت کی وضاحت ہمیں قرآن و سنت و عمل صحابہ کرام اور فقہائے کرام کے اجتہاد و قیاس سے ملتی ہے جس سے شریعت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مقاصد شریعت کی روشنی میں حدود و قصاص کے معاشرتی اثرات

انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اس لیے معاشرے میں زندگی گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے شریعت میں بہت زیادہ آسانی فراہم کی اور تنگی کو دور کیا تاکہ معاشرے میں امن و سکون ہو۔ مقاصد شریعت بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

"عقوبات کا نظام مقاصد کے حصول میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عقوبات کا مقصد فرائض کی ادائیگی اور محرمات کے ترک کرنے پر لوگوں کو ابھارتا ہے اور یہ وہ مفید ادویہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بیمار دلوں کا علاج کرتا ہے اور ان کی اس علاج سے اصلاح ہو جاتی ہے، گویا عقوبات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے رحمت ہیں۔"[3]

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے بدلتے ہوئے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی حالات کے پیشِ نظر مقاصد شریعت کی روایتی فہرست پنجگانہ دین، جان، عقل، نسل اور مال میں کچھ اضافے کیے ہیں۔ آپ نے ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ مقاصد کی روایتی فہرست پنجگانہ میں خود اتنی وسعت ہے کہ بہت سے نئے مقاصد اسی فہرست میں داخل کیے جاسکتے ہیں اور مندرجہ ذیل مقاصد کے اضافہ کی تجویز دی ہے:

1"۔ انسانی عز و شرف، 2۔ بنیادی آزادیاں، 3۔ عدل و انصاف، 4۔ ازالہ غربت اور کفالت عامہ، 5۔ سماجی مساوات اور دولت و آمدنی کی تقسیم میں پائی جانے والی ناہمواری کو بڑھنے سے روکنا، 6۔ امن و امان اور نظم

---

1 شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، الدهلوی، حجة الله البالغه، مکتبه السلفیه، لاہور، 1355ھ، جلد 1ص: 3

2 القرضاوی، یوسف عبداللہ، اجتہاد فی شریعة الاسلامی، دارالقلم، کویت، 1406ھ، ص: 43

3 ابن تیمیه، احمدبن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی، المملکة العربیة السعودیة، 1398ھ، جلد15، ص: 29

ونسق، 7۔ بین الاقوامی سطح پر باہم تعامل اور تعاون۔"[1]

اگر ان تمام مقاصد کو مد نظر رکھا جائے تو مطلوبہ مقاصد حاصل ہوسکتے ہیں اس کے علاوہ کتنا ہی سخت قانون بنا لیا جائے، اس سے جرائم کا بالکل خاتمہ ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معاشرے کو پاکیزہ بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور جو چیزیں افراد کو غلط کاموں پر ابھارتی ہیں اور جرائم کے ارتکاب کی جانب مائل کرتی ہیں، ان پر پابندی عائد کی جائے۔ قانون جرائم کو روکنے میں معاون تو ہوسکتا ہے، لیکن محض قانون سے ان کا سدِّباب ناممکن ہے۔ اگر جرائم کے تمام محرکات اور ترغیبات کو علی حالہٖ باقی رکھا جائے اور محض کوئی سخت تر قانون منظور کر لیا جائے تو جرائم میں تو کوئی کمی نہیں آئے گی، البتہ قانون کے غلط انطباق اور استعمال کے اندیشے بڑھ جائیں گے۔ عدالتوں کے بھاری مصارف کی بنا پر اس کا خدشہ رہے گا کہ غریب اپنے دفاع سے عاجز رہیں اور سزا بھی پائیں اور مال دار اور طاقت ور اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے سزا سے بچ جائیں۔

اسی طرح اسلام کے کسی ایک حکم کا مطالبہ اور دیگر احکام سے صرف نظر درست رویہ نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اسلامی نظام کو ایک کل کی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا۔ اسلامی تعلیمات کے اثرات کا مشاہدہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پورے کے پورے اسلام کو نافذ کیا جائے۔ اسی طرح اسلام کے کسی ایک قانون کو نافذ کر دیا جائے اور اس کے دیگر احکام پر عمل نہ کیا جائے، تو اس سے بھی مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہوسکتے۔ معاشرے میں امن وسکون، باہمی ہم آہنگی، الفت ومحبت، دین، جان، نسب، عزت، نسل اور مال کی حفاظت کے لیے قوانین حدود وقصاص کا نفاذ اور عمل درآمد یقینی بنانا ہوگا۔ اس طرح ہر کسی کو عدل وانصاف بھی فراہم ہوگا۔ مقاصد خمسہ کے معاشرتی اثرات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ تحفظ دین

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق تخلیق کیا، عقل وشعور اور فہم کی صلاحیت عطا فرمائی، اس کی ہدایت کے لیے انبیاء وحی کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس کے ساتھ انسان کی تخلیق کا مقصد بھی بتایا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے

---

[1] محمد نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، مقاصد شریعت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 2009ء، ص:21

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1]

"میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے تخلیق کیا۔"

انسان کو زندگی گزارنے کے لیے اسلامی دستور دیا اور حکم دیا کہ اسلام (دین) کو اختیار کرو، جیسے فرمایا

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾[2]

"اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ اعلان فرمادیا کہ اسلام پر کوئی عمل نہ کرے تو اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہو گا

﴿ وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الْإِسْلَامِ دِینًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِینَ﴾[3]

"جو شخص اسلام کے کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔"

انسان کی کامیابی کا دارومدار اسلام پر عمل کرنے سے ہے چنانچہ غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین، وعظ و نصیحت اور جدال بالاحسن سے کام لینے کا حکم دیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ انسان اخروی فلاح کے مستحق قرار پائیں۔ لہذا جہاں اسلام غیروں کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دینے کے لیے نہ صرف تیار ہے بلکہ ان کے لیے راستے بھی ہموار کرتا ہے اور ہر ممکن طریقہ اختیار کرتا ہے تاکہ وہ مسلمان ہو کر فلاح کے مستحق قرار پائیں اور اپنے ماننے والوں کو تو اسلام بہانے سے نوازتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرتد کی سزا قتل رکھی ہے تاکہ کوئی اسلام کے دامن سے نکلنے کی نہ سوچے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَمَنْ یَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِینِهِ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیهَا خَالِدُونَ۔ ﴾[4]

"اور جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور یہ

---

1 الزاریات، 56:51

2 البقرہ، 208:2

3 آل عمران، 85:3

4 البقرہ، 217:2

آگ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

مرتد کی سزا رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی، جیسا کہ حضرت عکرمہؒ (م:15ھ) سے روایت ہے

"مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ۔"[1]

"جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو"

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے انسان کے دین کی حفاظت کے لیے قتل کی سزا مقرر کی ہے اور حضرات خلفائے راشدین نے بھی دین کی بقا کے لیے قتل کی سزا ہی دی اور اتنی بڑی سزا مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک انسان مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے مرتد ہوتا ہے تو وہ خود بھی برباد ہو جاتا ہے اور کئی دوسروں کے اذہان میں اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ اگر اس کو اتنی سخت سزا نہ دی جائے تو دین اسلام لوگوں کے لیے تماشا بن جائے اور لوگ اسے تضحیک اور مذاق کا نشانہ بنا ڈالیں کہ جب چاہا اسلام قبول کر لیا اور جب چاہا کفر اختیار کر کے اپنے آپ کو اسلام کی پابندی سے آزاد کرا لیا اور عیش و عشرت کرنے کے بعد دوبارہ اسلام میں آ گئے۔ جب چاہا کوئی جرم کیا اور اسلامی قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے کفر کا دعویٰ کر دیا کہ ہم تو مسلمان ہی نہیں۔ ایسے شر پسند عناصر پر اگر یہ سزائے قتل نافذ نہ کی جائے تو شریف اور پکے مسلمان بھی ان کے طرز عمل سے متاثر ہو سکتے ہیں اور یوں دین اسلام کے تمام احکام و قوانین پامال ہو کر رہ جائیں گے، لہذا اسلام نے ایک مسلمان کے دین کی حفاظت اور اسلام کے ناموس کی خاطر یہ سزا مقرر کی ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر دین کا تحفظ اور وقار برقرار رہ جائے۔

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ۔﴾[2]

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوا دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔"

حضرت ابوہریرہ (م:59ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ كَالظُّلَّةِ، فَإِذَا خَرَجَ

---

1 البخاری، الجامع الصحیح ، کتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم ، باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم ، رقم الحدیث: 6524

2 المائدہ، 91:5

مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ عَادَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ "[1]

"جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان (دل سے) نکل جاتا ہے اور اس کے سر کے اوپر سائے کی طرح رہتا ہے پھر جب وہ زنا سے فارغ ہوتا ہے تو اس کی طرف ایمان لوٹ آتا ہے۔"

اس سے واضح ہوا شراب اور زنا دونوں گناہ انسان کے جسم سے ایمان کے خروج کا باعث بنتے ہیں اور بندہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے نماز اور ذکر اللہ سے دور ہو جاتا ہے اسی لیے شریعت مطہرہ نے ان دونوں خرافات سے انسان کو بچانے کے لیے ان کی حرمت کا حکم دیا تاکہ انسان ایمان سے خارج اور ذکر اللہ سے غافل تو نہ ہو۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنا، دین کا مذاق اڑانا، آپ کی نعوذ باللہ توہین، شعائر اسلام کی توہین کرنا اور انبیاء علیہ السلام کی توہین پر موت کی سزا بھی حفظ دین کے لیے مقرر کی گئی ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ ایذاء بھی اللہ کو گوارا نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾[2]

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ سے اونچی نہ کرو، ان سے اس طرح بات چیت مت کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

غور کرنے کی بات ہے کہ آپ ﷺ کے روبرو اونچی آواز میں بات چیت اور گفتگو کی بناء پر اعمال کے برباد ہونے سے ڈرایا گیا ہے اور وہ خطرہ اس لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیش قدمی یا ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو ایذائے رسول ﷺ کا سبب ہے اور جو شخص گستاخی کا مرتکب ہو جائے اس کے بارے میں غضب الٰہی کا اندازہ خود ہی لگا لیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ

1 الترمذی ، الجامع الترمذئ، كتاب الحدود ، باب ما جاء لا يزني الزاني ، رقم الحديث: 2625

2 الحجرات، 2:49

عَذَابًا مُّهِينًا ۔﴾[1]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا اور آخرت میں ملعون کر دیا اور ان کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

ان تمام آیات کو پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رسالت کے حاملین کا مقام بہت بلند ہے اور جو آدمی اس منصب کے حاملین میں سے کسی کی شان میں گستاخی، تنقیص، طنز یا تحقیر کا کوئی جملہ کہتا ہے تو وہ حقیقت میں اس عظیم منصب کی توہین کرتا ہے جس پر غیرت الٰہی جوش مارتی ہے اور ایسے رذیل، کمینے آدمی کے لیے سخت سے سخت سزا کا اعلان کرتی ہے، جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے تاکہ مسلمان دائرہ ایمان سے خارج نہ ہو۔

2۔ تحفظ جان

قوانین حدود و قصاص پر عمل درآمد کے مقاصد میں جان کا تحفظ ایک بنیادی مقصد ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلم معاشرے کے ہر فرد کی جان کی حفاظت اور شر پسند عناصر کے خاتمے کے لیے شریعت اسلامیہ میں قصاص و دیت کی صورت میں سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ اسلام نے بنیادی انسانی حقوق میں سے جان کے تحفظ کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کا حصول یقینی بنانے کے لیے جہاں ذہنی تربیت کا اہتمام کیا ہے، وہاں ان سرکش عناصر کا قلع قمع کرنے کے لیے عملی طور پر قصاص و دیت کے قوانین بھی دیئے ہیں جو ایک انسانی جان کو اہمیت نہیں دیتے۔ اگر ایسے لوگوں کا سدباب کرنے کے لیے کوئی عملی اقدام نہ اٹھایا جائے تو یہ انسانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں اور نفس انسانی کا تقدس و حرمت پامال ہو کر رہ جائے۔ اسلام کی نظر میں ایک انسان کا قتل تمام انسانیت کا قتل ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾[2]

"جس نے کسی دوسرے کو علاوہ جان کے بدلہ یا زمین میں فساد پھیلانے کی غرض سے قتل کیا تو اس نے گویا پوری انسانیت کا قتل کیا۔"

---

[1] الاحزاب، 57:33

[2] المائدہ، 32:5

یہاں ایک شخص کے قتل کو اللہ نے پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ جب ایک شخص کی زندگی محفوظ نہیں ہے تو پھر دنیا میں کسی بھی شخص کی زندگی کو محفوظ باور نہیں کیا جا سکتا۔ اس متاع حیات کو بچانے اور اس کی حفاظت کے لیے دین اسلام میں خودکشی کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت انس سے مروی ہے

"لاَ يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ، فَإِنْ كَانَ لاَ بُدَّ مُتَمَنِّيًا فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي،وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔"[1]

"تم میں سے کوئی بھی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اگر پھر بھی موت کی تمنا ضروری سمجھے تو یوں کہہ دیا کرے۔ اے اللہ! جب تک میری زندگی میرے لیے بہتر ہے، مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لیے بہتر تو مجھے موت دے۔"

اگر کوئی شخص خودکشی جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر بیٹھے تو کسی عالم کو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھانی چاہیے تاکہ لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہو۔ انسانی زندگی کی حفاظت کے لیے کیے گئے اقدامات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زندگی کی ڈور کاٹنے والوں کو زجر و توبیخ کی ہے۔ جو شخص قتل انسانی کا مرتکب ہو اسلام نے اس کے لیے دو قسم کی سزائیں تجویز کی ہیں۔ ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔ لہذا اخروی سزا کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں آیا ہے

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔﴾[2]

"اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اسلام نے نہ صرف قتل و غارت گری سے روکا بلکہ اس غلط کام کے مفاسد بھی بیان کیے تاکہ انسان اس گناہ سے بچ سکے۔ قتل ناحق کو سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ

---

1 البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت والحیاۃ، رقم الحدیث:5990

2 النساء، 93:4

جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ۔ ﴾[1]

"جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر حق شرعی کے ساتھ اور جو شخص ظلم کے ساتھ مارا جائے۔ ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ قتل میں زیادتی نہ کرے۔ بلاشبہ اس کی مدد کی گئی ہے۔"

مندرجہ ذیل شرعی وجوہات کی بنا پر مسلمان کا قتل جائز قرار دیا گیا، جیسا کہ حضرت عمر سے روایت ہے

" لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ ، يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ, وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ ، إِلاَّ بِإِحْدَى ثَلاَثٍ : النَّفْسُ بِالنَّفْسِ ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي ، وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ, التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔ "[2]

"کسی مسلمان کا، جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، خون حلال نہیں ہے مگر تین باتوں میں: جان کے بدلے جان کا مارنا، شادی شدہ زانی کو رجم کرنا، جو دین کو ترک کر کے جماعت سے الگ ہو جائے (یعنی مرتد کا قتل)"۔

قتل کی سزا

اس قبیح کام سے دور رکھنے کے لیے قرآن مجید نے سخت سزا بیان کی ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَى بِالْأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ ﴾[3]

"اے ایمان والو ! فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے، تو تابعداری کرنی چاہیے موافق

---

1 بنی اسرائیل، 33:17

2 البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالی، رقم الحدیث: 6484

3 البقرہ، 178:2

دستور کے اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ ، یہ تخفیف اور رحمت ہے
تمہارے رب کی طرف سے ، پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کے لیے
دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حفظ جان کا ایسا عادلانہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جس سے قتل کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اگر کوئی یہ جرم کرلیتا ہے تو اسے اس کا پورا پورا بدلہ دینا پڑتا ہے لہذا جب قاتل کے سامنے یہ انجام ہو گا تو وہ کسی کے قتل کی جرات نہیں کرے گا، جیسا کہ صلاح الدین یوسف (م:1441ھ) لکھتے ہیں

"جب قاتل کو یہ خوف ہو گا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرات نہیں ہو گی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے۔ وہاں معاشرے کو قتل و خون ریزی سے محفوظ رکھتا ہے جس سے معاشرے میں امن و سکون رہتا ہے۔"[1]

اگر دیکھا جائے تو اسلام اس قانون کے ذریعے نہ صرف مقتول کی جان کو تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ یہ قاتل کی جان بھی بچاتا ہے، اس حوالے سے سید سابق لکھتے ہیں

"زندگی مطلوب بالذات ہے اور قصاص اسے قائم رکھنے کا ذریعہ کیونکہ جب ایک انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے کسی کو قتل کیا تو بدلے میں خود اس کو قتل کر دیا جائے گا تو قتل نہیں کرتا، یوں وہ جسے قتل کرنا چاہتا تھا اس کی جان بھی اور اپنی جان بھی بچالیتا ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے قصاص کو تمام انسانوں کے لیے زندگی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔﴾[3]

"اے عقلمندو! اور تمہارے واسطے قصاص لینے میں بڑی زندگی ہے، تاکہ تم تقویٰ

1 صلاح الدین، یوسف، حافظ، تفسیر احسن البیان، دار السلام، الریاض، س۔ن، ص:78

2 السید السابق، فقه السنة ، دارالفتح ، القاهره ، الطبعة الاولی 1418ھ ، جلد 3، ص: 292

3 البقرہ، 179:2

اختیار کرو۔"

ہاں اگر مقتول کے ورثاء خوش دلی سے معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں تو قصاص نہیں لیا جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"مَنْ أُصِيبَ بِدَمٍ أَوْ خَبْلٍ وَالْخَبْلُ: الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثٍ، فَإِنْ أَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ: أَنْ يَقْتُلَ، أَوْ يَعْفُوَ، أَوْ يَأْخُذَ الدِّيَةَ، فَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَعَادَ، فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔ "[1]

"جس شخص کا خون کیا جائے یا وہ زخمی کیا جائے تو اس کو (یا اس کے وارث کو) تین باتوں کی اختیار حاصل ہے، اگر وہ چوتھی بات کرنا چاہے تو اس کو روکو، وہ تین باتیں یہ ہیں: یا تو قصاصاً قاتل کو قتل کرے، یا معاف کر دے یا دیت لے لے، اب جب ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات کر لے تو پھر کوئی چوتھی بات زیادتی کی کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔"

مقتول کے ورثاء کو بھی ان تین چیزوں کا اختیار ہے اس کے علاوہ، وہ اپنے طور پر قانون ہاتھ میں لے کر کوئی اقدام نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے مزید فساد اور قتل وغارت کا اندیشہ ہے کہیں یہ لوگ دوسرے فریق کے دو آدمیوں یا زیادہ کو قتل نہ کر دیں یا ان کی املاک کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ایسی صورت میں وہ مظلوم کی بجائے ظالم تصور ہوں گے۔ علاوہ ازیں معاف کرنے کے بعد یا دیت لینے کے بعد بھی مقتول کے ورثاء کوئی زیادتی نہیں کریں گے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔﴾[2]

"پھر اس (دیت) کے بعد جس نے زیادتی کی اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

قرآن مجید میں قصاص کو انسانی زندگی کی حفاظت کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔ قاتل کے بارے میں حکم یہی ہے کہ مقتول کے ورثا اسے قصاص میں قتل کرانا چاہیں تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ کوئی حکمران یا مجلس

---

1 ابن ماجه، السنن، كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بالخيار بين، رقم الحديث: 2623

2 البقره، 178:2

قانون ساز، اس بارے میں شریعت اسلامیہ کے فیصلے کو تبدیل کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ البتہ ورثا کا یہ حق ثابت ہے کہ وہ بغیر کسی خون بہا کے محض اللہ کی خاطر بھی معاف کرسکتے ہیں، یا خون بہا وصول کر کے جان بخشی کرسکتے ہیں، اگر وہ ان میں سے کوئی حق بھی نہ استعمال کریں تو قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون میں خون بہانے کا راستہ کھلا رکھا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل درآمد کے نتیجے میں خون ریزی کا لامتناہی سلسلہ رک جاتا ہے۔ اگر قاتل ورثائے مقتول کی رضا کے بغیر قصاص سے بچ نکلے تو فطری طور پر متاثرہ فریق کے دل میں انتقام کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور پھر قتل مقاتلے کا غیر مطلوب اور تباہ کن دروازہ کھل جاتا ہے۔ جو خون ریزی ایک مجرم کو سزا دینے کی صورت میں رُک سکتی تھی وہ معاشرے میں قتل مقاتلے اور خون ریزی کا متعدی مرض یوں پھیلاتی ہے کہ بسا اوقات بیسیوں اور سینکڑوں قیمتی جانیں دونوں طرف سے اس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں لاقانونیت اور بدامنی کا دور دورہ ہو اور پھر قانون قصاص بھی معطل یا منسوخ کر دیا جائے تو قاتل جری ہو جاتے ہیں اور معصوم شہری موت کا نوالا بنتے چلے جاتے ہیں۔

3۔ تحفظ عقل

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو لاتعداد دوسری نعمتوں سے نوازا، وہاں عقل و شعور جیسی نعمت سے نواز کر اس پر خاص فضل فرمایا۔ اسی کی بدولت حضرت انسان کو اشرف المخلوقات کا رتبہ ملا۔ اسی کی وجہ سے وہ شر اور خیر میں فرق محسوس کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ مکلف بنا اور اللہ تعالیٰ کا نائب، کیونکہ بے عقل اور مجنون کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں حکم ربانی ہے

﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[1]

"اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔"

نشہ آور چیزوں میں سے جو عقل و فہم اور شعور کے لئے مہلک ہیں۔ ان میں سے شراب نوشی کو نمایاں مقام حاصل ہے اور دوسری نشہ آور چیزیں انہی کے حکم میں آتی ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں شراب پینے، پلانے کا رواج عام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد سے امت اور انسانیت کی اصلاح کا کام شروع ہوا تو جہاں زندگی کے دوسرے گوشوں کی اصلاح کا انتظام ہوا وہاں شراب نوشی کے سلسلے میں بھی رسول اللہ ﷺ

[1] البقرہ، 242:2

نے ہدایات دیں اور اس کے نقصانات بتلائے۔ قرآن مجید میں شراب نوشی کے مفسدات یوں بیان ہوئے
﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ۔﴾[1]

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

حضرت ابن عمر (م:73ھ) سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا
"كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ۔"[2]
"ہر نشہ آور چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر خمر حرام ہے"

سید متین ہاشمی (م:1992ء) شراب نوشی کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی دولت عقل کی شکل میں عطا فرمائی جو انسان میں مکارم اخلاق کے حصول کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور رذائل سے اجتناب پر مجبور کرتی ہے۔ نشے کی حالت میں اس پر پردہ پڑ جاتا ہے اور انسان عزت و ذلت کے جذبات سے بے پرواہ ہو کر شہوات کے جہنم میں چھلانگ لگا دیتا ہے اور قتل و آبروریزی، ظلم و زیادتی کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ زمانہ جاہلیت میں شراب نوشی عام تھی تاہم اس دور کے عقلاء اس کو منہ نہیں لگاتے تھے۔"[3]

اس سے معلوم ہوا کہ عقل انسان کا وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو انسان عزت، بے عزتی سے بے پرواہ ہو جاتا ہے اسے رذائل اور خصائل کے مابین فرق کا پتہ نہیں رہتا اور وہ انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت تک آجاتا ہے اسی لیے اسلام نے اس پر سزا رکھی ہے تاکہ انسان کا وقار قائم رہ سکے۔

---

1 المائدہ، 91:5

2 المسلم ، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب بَيَانِ أَنَّ كُلَّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، رقم الحدیث: 5339

3 ہاشمی، محمد متین، سید، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ، لاہور، طبع دوم، 1988ء، ص:91

4۔ تحفظ نسل

شریعت مطہرہ نے عفت و عصمت اور انساب کی حفاظت کی حفاظت پر بہت زور دیا ہے اور اس کے تحفظ کے لیے از حد اقدامات فرمائے۔ مختلف قبائل میں مختلف خصوصیات پائی جاتی ہیں اور انہی خصوصیات کی بنا پر اس خاندان یا قبیلہ کا تعارف ہوتا ہے۔ نسل کے تحفظ میں مختلف خصائص کے علاوہ تقسیم وراثت میں بھی آسانی کا پہلو شامل ہے اسی وجہ سے اپنی ذاتی نسبت غیر خاندان کی جانب کرنے پر شریعت میں سخت وعید سنائی گئی ہے اور جہاں زنا کو حرام قرار دیا وہاں زنا تک پہنچنے سے پہلے اس گناہ کے دروازے ہی بند کر دیے نظروں کو نیچا رکھو، مخلوط محفل پر پابندی، عورت کی عزت کو خانہ کعبہ سے افضل قرار دیا، پردے کا حکم جاری کیا، قوت رجولیت میں کمی کے لئے روزوں کا حکم، جذبہ حیا کا فروغ، نکاح کو آسان بنانا اور پھر اگر انصاف کر سکتا ہو اور طاقت رکھنے کی صورت میں چار شادیوں کی اجازت دی۔

نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۔ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ ۔﴾[1]

"مؤمن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے بے شک اللہ اس سے باخبر ہے جو کام یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔"

روزے رکھنے کا حکم

جناب علقمہ بن قیس (م:62ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے نوجوانو!

"من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه وجاء۔"[2]

"جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھے تو اسے ضرور شادی کرنا چاہیے، کیونکہ اس

---

1 النور 31، 30:24

2 ابن ماجه ، سنن ابن ماجه، ابواب النكاح ، باب ماجاء فى فضل النكاح ، رقم الحديث: 1845

سے نگاہیں پست ہوتی ہیں اور یہ چیز پاکدامنی عطا کرتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے ضبط نفس پیدا ہوتا ہے۔"

مسلمان کی عزت کعبہ اور مکہ شہر کی طرح محترم

حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر (م:53ھ) سے مروی ہے

" فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا۔ "[1]

" بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے حرام ہیں جیسے آج کے دن کی، اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت ہے۔"

جذبۂ حیا کا فروغ

اسلام نے ہر فرد کے اندر حیا کا جذبہ ابھارا ہے۔ یہ جذبہ اسے بے حیائی کے کاموں سے روکتا ہے۔ اگر کسی کے اندر حیا نہ ہو تو وہ انتہائی غلط کام کا ارتکاب کر سکتا ہے۔

حضرت ابن مسعود (م:32ھ) سے مردی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا

" إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ "[2]

" سابقہ زمانوں کی ایک پیغمبرانہ بات یہ ہے کہ اگر تم میں حیا نہ ہو تو جو جی میں آئے کر بیٹھو گے (سخت گھناؤنے کام سے بھی نہیں ہچکچاؤ گے)۔"

حیا کے جذبے ہی سے انسان اپنے اعضائے ستر کو دوسروں کے سامنے کھولنے سے باز رہتا ہے۔

چار شادیوں کی اجازت

اگر اللہ تعالیٰ نے مالی استطاعت دی ہو اور انصاف بھی کر سکتا ہو تو ایک مسلمان کو چار شادیاں کرنے کی اجازت حاصل ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا

---

[1] المسلم ، الجامع الصحيح ، كتابالقسامة ، باب تَغْلِيظِ تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ ، رقم الحديث: 4478

[2] البخارى ، الجامع الصحيح ، كتابالأدب ، باب إذا لم تستح فاصنع ما ، رقم الحديث:5769

تَعۡدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ ﴾[1]

"پس تم نکاح کرو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو، دو یا تین، تین یا چار، چار اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ یکساں سلوک نہ کر سکو گے، تو ایک عورت (کافی ہے)۔"

پردے کا حکم

عورتوں کے چہروں اور سینوں کے ابھار چھپانے کے لیے پردے کے احکامات دیئے گئے

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ۔ ﴾[2]

"اے نبی کہہ دو تم اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے (باہر نکلا کریں تو) اپنے (چہروں) پر چادر لٹکا کر (گھونگٹ نکال) لیا کریں۔"

زنا کے تمام ممکنہ راستے بند کرنے کے بعد زنا کے قریب نہ جانا، زنا کی ممانعت اور پھر نقصانات بتائے گئے۔ قرآن میں زنا اکثر مقامات پر قتل نفس کے جرم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جو تعلق ہے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں جرم ایسے ہیں جن سے نسل انسانی کا ضیاع ہوتا ہے۔

﴿وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۔ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالۡحَقِّ۔ ﴾[3]

"اور زنا کے قریب بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے اور تم کسی نفس کو ناحق قتل نہ کرو، جس کو اللہ نے حرام فرمایا"

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدۡعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقۡتُلُونَ النَّفۡسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا يَزۡنُونَ ۔ ﴾ [4]

"اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جن جاندار کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر، اور زنا نہیں کرتے۔"

---

[1] النساء، 3:4

[2] الاحزاب، 59:33

[3] بنی اسرائیل، 17 :33۔ 32

[4] الفرقان، 68:25

عبادہ بن صامت (م:35ھ) نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ہاں ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ

" أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا۔ "[1]

"اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ گے اور چوری اور زنا نہیں کرو گے۔"

اسی لیے اسلام میں زنا کرنے پر حد کی سزا مقرر کی گئی ہے شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ کو سو کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ زنا کی وجہ سے نہ صرف نسل برباد ہوتی ہے بلکہ معاشرتی امن و سکون بھی برباد ہو جاتا ہے۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن کے مطابق

"زنا کے پھیل جانے پر نتیجتاً جو امر مرتب ہو گا وہ یہ کہ لوگ اسی قسم کا تعلق قائم کرنے پر اکتفا کر لیں گے اور اس طرح خاندانی سلسلے کا نام و نشان باقی نہ رہے گا جس کی بناء پر معاشرے کے قوی تر روابط تباہ ہو جائیں گے اور نسل ضائع ہو جائے گی کیونکہ اس وقت دو صورتیں ہی ممکن ہو سکتی ہیں اول یہ کہ جن لوگوں میں یہ علاقہ قائم ہوا ہے یا تو ان میں پیدائش نسل کا کا سلسلہ ہی قائم نہ ہو، اس طرح انسانی آبادی میں قلت واقع ہو گی اور اضافے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا دوم یہ کہ پیدائش نسل کا سلسلہ چلتا رہے، بڑھتا رہے مگر اب غیر شرعی اولاد پیدا ہو گی اور ان کی پرورش ایسی پرورش گاہوں میں ہو گی جو ان کے لیے قائم کی گئی ہوں گی اور اب یہ بچے یہ نہ سمجھ سکیں گے کہ ان کا باپ کون ہے اور ماں کون؟ ایسی اولاد میں یہ خصلت ہو گی کہ انہیں کسی سے الفت نہ ہو گی، بلکہ یہ باہمی الفت کے نام ہی سے ناآشنا ہوں گے۔ ان سے ہمیشہ اذیت پہنچانے والے امور کا صدور ہو گا۔ اس طرح جماعت کی وحدت و قوت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔"[2]

قوانین حدود و قصاص پر عمل درآمد کا مقصد جہاں حفظ جان ہے وہاں اس کا مقصد حفظ نسل و نسب بھی ہے کیونکہ زنا کی وجہ سے نہ صرف عورت کی عزت و حرمت اور عفت و عصمت پر حرف آتا ہے بلکہ اس سے اس کے پورے خاندان کی بھی عزت خراب ہوتی ہے اور وہ معاشرے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ اس حوالے سے سید متین ہاشمی لکھتے ہیں

"حرمت زنا کی دوسری وجہ عصمتوں کی حفاظت ہے کیونکہ عفت و عصمت کے ازالے کے بعد عورت اور اس کے قبیلے کے تمام افراد میں دنائت پیدا ہو جاتی ہے، عورت خود بھی ذلیل ہوتی ہے اور اس کے باعث

---

1 البخاری ، الجامع الصحيح ، كتاب الأحكام، باب بيعة النساء، رقم الحديث: 6787

2 تنزیل الرحمٰن، جسٹس، جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ، حرمت پبلی کیشنز، راولپنڈی، طبع اول، 1982ء، ص:121

اس کے اہل خاندان کا وقار بھی بری طرح مجروح ہو جاتا ہے۔"[1]

جب زنا عام ہوتا ہے تو نسب کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے خصوصاً جب ایک شادی شدہ عورت زنا کرتی ہے تو وہ اپنے خاوند اور خاندان کی عزت کو داؤ پہ لگانے کے ساتھ ساتھ کسی غیر مرد کے نطفے سے پیدا ہونے والے بچے کو اپنے خاوند کے خاندان کا فرد بنا دیتی ہے اور ایک غیر قوم کا بچہ اس خاندان کا فرد یا وارث قرار پاتا ہے، جیسا کہ سید سابق تحریر کرتے ہیں

"زنا میں نسب کے ضیاع، غیر مستحقین کو وراثت میں حق دار بنان اور خاوند کو دھوکہ دینے جیسے مفاسد ہیں ۔ ایسے ہی اگر زنا کی وجہ سے حمل ٹھہر جائے تو انسان کو اس کے نتیجے میں کسی دوسرے کی اولاد کی تربیت کرنا پڑتی ہے۔"[2]

زنا کے مفاسد اس سے بھی زیادہ ہیں اگر کسی معاشرے اور قوم میں یہ گناہ پھیل جائے تو نہ صرف یہ کہ نسل برباد ہوتی ہے بلکہ رشتوں ناطوں کی پہچان بھی ختم ہو جاتی ہے۔

5۔ تحفظ مال

مقاصد شریعت میں ایک اہم مقصد مال کی حفاظت ہے۔ بنیادی ضریات کی تکمیل کے لیے روپے پیسے اور مال کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر زندگی گزارنا محال ہے اور اس کا حصول بعض اوقات انسان کو موت اور کفر تک پہنچا دیتا ہے اور باعث فتنہ ہے۔ اسلام انسان کے مال کے تحفظ کے لئے اقدامات کرتا ہے اور ناجائز ذرائع سے مال کا حاصل کرنا حرام قرار دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔﴾[3]

"اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔"

اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ہر اس طریقے سے مال کمانا حرام قرار دیا ہے جو غیر قانونی ہو اور جس کے ذریعے سے دوسرے کے مال کو ناجائز طریقے سے لینے کی کوشش کی جاتی ہو یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مال کے مالک کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ حلال ذریعہ سے کمائے گئے اپنے مال کی حفاظت کرے۔

انسان کو دین، اولاد، جان اور مال بہت پیارا ہوتا ہے ان کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی تک لگا دیتا ہے۔ اسلام

---

1 متین ہاشمی، سید، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، ص:31

2 سید السابق، فقہ السنۃ، جلد 3، ص:183

3 البقرہ، 188:2

نے اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والے فرد کو شہید کہا ہے۔ عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"مَن قُتِلَ دونَ مالِهِ؛ فهو شَهيدٌ "[1]

"جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے، پس وہ شہید ہے۔"

مالک کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ مال کی حفاظت کے سلسلے میں ظاہری اسباب کو اختیار کرے، پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور مال کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ ۔"[2]

"اس کا گھٹنا باندھ، پھر توکل کر"

مال کی حفاظت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اسلام نے انسان کے مال کو محفوظ کرنے کا بھی مناسب انتظام و اہتمام کیا ہے اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں خود ہی سستی کرتا ہے اس کا مال چوری ہونے پر، چور پر حد سرقہ نہیں لگے گی کیونکہ اس شخص نے مال کی حفاظت کا تو بندوبست کیا ہی نہیں گویا حد سرقہ کے لیے ضروری ہے کہ مال مسروقہ کا مالک نے مناسب حفاظتی انتظام کیا ہو۔ اس کے علاوہ مال کی حفاظت کے سلسلے میں اسلام کی ایک ہدایت کا تعلق "لقطہ" کے ساتھ بھی ہے۔ اس حوالے سے عیاض بن حمار سے مروی ہے

"مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَا عَدْلٍ وَلاَ يَكْتُمْ وَلاَ يُغَيِّبْ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْيَرُدَّهَا عَلَيْهِ وَإِلاَّ فَهُوَ مَالُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔ "[3]

"جو کوئی شخص گری ہوئی چیز پائے تو وہ دو عادل آدمیوں کو گواہ بنائے، اور نہ اس چیز کو چھپائے اور نہ ہی غائب کرے اگر اس کے مالک کو پالے تو اس کو واپس لوٹا دے ورنہ یہ اللہ کا مال ہے جس کو چاہے عطا کر دے۔"

لقطہ کے مسئلہ میں اس قدر تاکید کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی بھی شخص کے مال کی حفاظت کا عمل یقینی بنیادوں پر ہو اور اس کے لیے احکام جاری کیے گئے۔ پہلے حکم کا تعلق خود صاحبِ مال سے ہے کہ وہ خود مال

---

1. البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب المظالم، باب من قاتل دون ماله ، رقم الحدیث: 2348
2. الترمذی ، الجامع الترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق ، باب حدیث اعقلها، رقم الحدیث: 2517
3. ابی داؤد ، السنن، کتاب اللقطة، باب من وَجَدَ لُقَطَةً، رقم الحدیث: 1711

کی حفاظت کا مناسب بندوبست کرے دوسرا اگر کسی کو گم شدہ مال ملے تو اس کے مالک کو لوٹا دو۔ نہ ملنے کی صورت میں صدقہ کرو۔ تیسرا اگر وہ مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو شہید کا درجہ پائے گا۔ مال کی حفاظت کا چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست حد کا نفاذ یقینی بنائے تاکہ مال کی حفاظت ہو سکے اور چور کو عبرتناک سزا ملے جو کہ قطع ید ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ [1]

"اور چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کا ہاتھ کاٹ دو یہ سزا ان کے فعل کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ عزیز، حکیم ہے۔"

اس سلسلے میں امیر، غریب، عورت، مرد اور مسلمان، غیر مسلم کسی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا اور حد جاری کر دی جائے گی۔ اگر پورا گروہ منظم انداز میں مال لوٹتا ہے تو ایسا جرم نہ صرف ایک عام شہری کے مال پر دست درازی تصور کیا جائے گا بلکہ یہ ریاست کے استحکام کو خراب کرنے کی ایک وجہ بھی ہے۔ لہذا اب ریاست اس گروہ کے خلاف سخت سے سخت کاروائی کر سکتی ہے جو ایک عضو کے کاٹنے کا علاوہ جلاوطنی یا پھانسی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [2]

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔"

---

1 المائدہ، 5: 38

2 المائدہ، 5: 33

اس سے معلوم ہوا کہ حد سرقہ اور حد حرابہ پر عمل درآمد کا مقصد مال ہی کی حفاظت ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرے میں جہاں انسان کی جان کی حفاظت مقصود ہے، وہاں اس کے مال کی حفاظت بھی مطلوب ہے کیونکہ ایسی سزاؤں کی موجودگی میں انسان کا مال چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

اسی طرح اگر دیکھا جائے تو معاشرتی اخلاقی اقدار کا تحفظ بھی انہی مقاصد خمسہ میں محصور کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اخلاقی اقدار کا تعین، رجحانات اور ان کی اصلاح یہ زیادہ وسیع موضوع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا اور آپ کا خلق قرآن مجید تھا۔ اخلاق میں انسان کی ذاتی اصلاح جیسا کہ خوش نمائی سے بچنا، تکبر سے پرہیز کرنا، غیبت سے دوری، تقویٰ کو اختیار کرنا، توکل، صبر، حیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول وغیرہ یہ تمام چیزیں مقاصد خمسہ سے اضافی ہیں یعنی ان کا موضوع وسعت والا ہے۔ البتہ آج کل کے جدید مفکرین کے مطابق مقاصد شریعت کی فہرست متقدمین کی دی گئی فہرست سے بڑی ہوئی ہے تو پھر یہ تمام چیزیں اس میں سما سکتی ہیں۔

خلاصہ کلام مقاصد شریعت سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے شریعت کے اسرار و حکم، علت و سبب، حکمت و مصلحت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور شارع نے شریعت و قانون سازی میں بندوں کے مصالح اور ان کے لیے نفع کے حصول اور ضرر و نقصان سے بچنے کے لیے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان کی پہچان و معرفت ہے اور شریعت کا مقصد خلق خدا کے سلسلے میں پانچ چیزوں سے عبارت ہے: وہ یہ کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ حفظ دین کے لیے شریعت نے مرتد کے احکام بتائے، حفظ جان کے لیے قصاص اور دیت کے قوانین شریعت نے وضع فرمائے، عقل کی حفاظت کے لیے شراب نوشی سے منع کر دیا گیا، حفاظت نسل کے لیے زنا و قذف کے احکام بتائے گئے اور مال کی حفاظت کے لیے گم شدہ چیزوں کے مسائل اور چور کی سزا مقرر فرمادی گئی اور حرابہ کے قوانین بھی تاکہ مسلمان ان گناہوں سے باز بھی رہے اور اس کا دین، جان، نسل، عقل اور مال بھی محفوظ رہے۔

باب دوم: اسلامی فلسفہ حدود و تعزیرات اور صدرِ اسلام میں ان کی عملی تنفیذ

فصل اول: اسلام کا فلسفہ حدود و تعزیرات

اسلام ایک کامل دین ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے ایک دستور فراہم کرتا ہے۔ اسلامی نظام حیات ایک خاص تہذیب و ثقافت کا حامل ہے۔ اس تہذیب اور ثقافت کی حفاظت کے لیے ایک قانون کی ضرورت ہے۔ قانون کو کامیاب بنانے کے لیے معاشرتی زندگی کو عقائد و عبادات اور اخلاق و آداب کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ ان سب چیزوں کا آپس میں اس طرح کا ربط ہے کہ یہ سب چیزیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ اخلاق سے وہ ماحول پیدا ہوتا ہے جس میں لوگ خود بخود قانون پر عمل کرنا چاہیں گے۔ تعلیم اگر جامع اور مکمل ہو تو پھر اسلام کا اخلاق، قانون اور معاشرتی آداب یہ سب انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ گناہ کی طرف مائل ہی نہ ہو۔ پھر اگر انسان گناہ کی طرف راغب ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ضابطہ بھی ساتھ دیا کہ مجرمین سے کیسے نپٹا جائے۔ کس جرم پر کتنی سزا دی جائے۔ جرائم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا: اول حدود اللہ۔ یہ ہر معاشرے میں پائے جانے والے بڑے جرائم ہیں۔ ان کی سزا بھی مقرر کی اور سزا کا طریقہ کار بھی متعین کر دیا۔ دوم: تعزیرات۔ یہ وہ چھوٹے اور معمولی جرائم ہیں، جن کی نہ تو سزا مقرر کی اور نہ سزا کا طریقہ کار بتلایا، البتہ حکام، قاضیوں اور اولی الامر کے لیے بنیادی ہدایات دے دی گئیں تاکہ ان جرائم پر بھی قابو رہے۔

فلسفہ حدود

شریعت مطہرہ نے وہ جرائم جو ہر قسم کے معاشرے میں ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے شریعت کے مقاصد خمسہ کو خطرہ لاحق ہے۔ ان جرائم پر بڑی سخت سزا مقرر کی گئی ہے، جیسا کہ انسانی جان کا تحفظ، انسانی عزت وآبرو کا تحفظ، دین کا تحفظ، مال اور عقل کا تحفظ یعنی مقاصد خمسہ کی حفاظت یا معاشرتی اخلاقی اقدار کے بالکل پامال ہونے کا اندیشہ ہو، اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ ان مقاصد کے کلی طور پر ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا اخلاقی اقدار کے بالکل خاتمے کا تصور تو شریعت انتہائی سخت مؤقف اختیار کرتی ہے اور ان بنیادی مقاصد کے تحفظ کے لیے سخت ترین اقدامات اٹھانے کے لیے تیار رہتی ہے، البتہ ان اقدامات سے پہلے شریعت نے یہ کوشش کی ہے کہ پورے معاشرے میں ایک روحانی فضا، مثالی معاشرہ کا قیام اور فکر آخرت کا احساس ہو۔ ایک ایسی اخلاقی فضا قائم کی جائے جس میں ہر شخص اخلاقی اقدار کا پابند ہو، معاشرتی آداب کی ہر شخص پابندی کرتا ہو، اقتصادی طور پر لوگ ایک دوسرے کی ضروریات کے کفیل

ہوں، سیاسی اعتبار سے ایسا انتظام ہو جو نیکی کو فروغ دے اور برائی کو روکے۔ لوگوں کا رویہ اور انداز ایسا ہو کہ اس میں اسلام کی روحانی اور اخلاقی اقدار کی کارفرمائی ہو، تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ ایسے ماحول میں اول تو کوئی جرم سرزد ہی نہیں ہوگا اور اگر کوئی جرم سامنے آئے گا تو معاشرہ اس کو خود ہی روک دے گا۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی براہ راست ایسا جرم کر دے جو شریعت کے کسی مقصد کو منہدم کرنے کے مترادف ہو تو پھر شریعت اپنے بنیادی مقاصد کے بارے میں سمجھوتہ نہیں کرتی، لیکن اسلام ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھ کر توازن پیدا کرنا چاہتا ہے جو چیز انتہائی بنیادی اور ضروری ہے اس کا درجہ سب سے اونچا ہے اور جو چیز ضروری نہیں لیکن مقاصد کی تکمیل میں معاون ہے اس کا درجہ بعد کا ہے۔ بنیادی مقاصد جن پر اسلام کا سارا نظام چل رہا ہے، ان کے ضائع ہونے پر حدود کی سزا مقرر کی اور باقی چیزوں پر تعزیرات کی سزا اور یہ مقرر شدہ نہیں، بلکہ حکام بالا اور قاضی کو حق دیا گیا ہے کہ وہ مقدمہ کی نوعیت کو مدنظر رکھ کر سزا کو مقرر کر کے اس کا نفاذ کرائیں۔

خاندان کا ادارہ جب وجود میں آتا ہے تو اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہوتی ہے ایک حیاء اور دوسرا عدل۔ سب سے پہلا بنیادی تصور حیا کا ہے۔ حیا ایک جامع اصطلاح ہے جس میں احساس ذمہ داری، اخلاقی اقدار کی پاسداری کا عزم، غیر اخلاقی امور سے بچنے کا دلی و طبعی داعیہ اور مروت کے خلاف امور سے طبعی نفرت پائی جائے۔ یہ سب چیزیں حیا میں شامل ہیں۔ انسانی معاشرہ کی بنیاد اگر حیا پر ہو تو بے شمار اچھی چیزوں پر خود بخود عمل ہوتا جائے گا۔ ہر دین میں ایک بنیادی اخلاقی اصول ہوتا ہے جس کو وہ دین لے کر چلتا ہے اور اسلام میں اگر کسی اخلاقی وصف کو اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، تو وہ حیا ہے۔ حیا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔ "[1]

"ہر دین کی تخلیق کسی نہ کسی چیز پر ہوتی ہے اور اسلام کی تخلیق حیا پر ہے۔"

اسی طرح حیا کے بارے میں ہے کہ یہ عزت و عفت کو محفوظ رکھنے کا سبب ہے، جیسے

---

[1] مالک بن انس ، موطا مالک، کتاب الجامع، بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَيَاءِ ، رقم الحديث: 3359

"الْحَيَاءُ لاَ يَأْتِي إِلاَّ بِخَيْرٍ۔ "[1]

"حیا خیر کے سوا کچھ نہیں لاتا۔"

اگر کسی کے اندر حیا نہ ہو تو وہ غلط سے غلط کام کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ (م:32ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ۔"[2]

" سابقہ زمانوں کی ایک پیغمبرانہ بات یہ ہے کہ اگر تم میں حیا نہ ہو تو جو جی میں آئے کر بیٹھو گے (سخت گھناؤنے کام سے بھی نہیں ہچکچاؤ گے)۔"

اسلامی معاشرے میں اجتماعی روابط سے متعلق سب سے پہلا اصول (اخلاقی قدر) حیا ہے اور دوسرا اصول عدل وانصاف کی فراہمی ہے، جس کے بغیر انسانی معاشرے کا قائم رہنا بھی محال ہے اور اس کے بغیر انسان کے لیے رحمت خداوندی کا حصول اور اخروی نجات ممکن نہیں۔ اسلام میں تمام انسانوں کے انسانی حقوق برابر ہیں۔ لہذا حقوق انسانی کی تنفیذ اور حفاظت کے لیے عدل و انصاف کی اہمیت بہت زیادہ ہے، جس کی تائید درج ذیل قرآنی آیت سے ہوتی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ﴾[3]

"بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کا پہنچادو اور جب فیصلہ کرنے لگو تو فیصلہ انصاف سے کرو بے شک اللہ تمہیں جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا

﴿ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾[4]

---

1 البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحیاء، رقم الحدیث: 5766

2 البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الأدب ، باب إذا لم تستح فاصنع، رقم الحدیث:5769

3 النساء ، 58:4

4 المائدہ، 42:5

"اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان مکمل عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرو بے شک اللہ عدل وانصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں عدل کی بجائے قسط کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قسط کے لغوی معنی ہیں ہر شخص کو اس کے حق کے مطابق اس کا حصہ مل جانا یعنی عدل کی وہ کامل شکل جس میں ہر حق دار کو اس کا پورا پورا حق مل جائے۔ اور عدل ظلم کی ضد ہے اور ظلم سے مراد کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر رکھا جائے، تو یہ اس چیز کے ساتھ ظلم ہے اور اگر اس چیز کو اس کی اصلی جگہ یعنی مناسب جگہ پر رکھا جائے تو یہ عدل ہے۔ اس قسط کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ اگر کسی کو اپنے حق سے زیادہ نہیں دے سکتے تو نہ دیں، یعنی کسی پر احسان نہ کریں لیکن عدل تو ہر صورت میں کریں۔ جہاں استعمال نہیں کرنا چاہیے اور آپ استعمال کریں گے تو یہ ظلم ہو گا۔ کسی کو سزا دینی ہو تو جہاں سزا دینی چاہیے وہاں ضرور سزا دینے کا اہتمام کریں اور اتنی ہی سزا دینا عدل ہے اور جہاں سزا نہیں دینی چاہیے، وہاں سزا دینا ظلم ہے۔ پیسے کا استعمال جہاں کرنا چاہیے وہاں کریں گے تو عدل ہو گا اور اگر نہیں کریں گے تو ظلم ہو گا۔

قرآن مجید نے حدود کے بارے میں بالخصوص اور سزاؤں کے بارے میں بالعموم جو احکام دیئے ہیں ان میں شریعت نے اس اعتبار سے فرق رکھا ہے کہ کیا جرم کا ارتکاب خاموشی سے اور خفیہ انداز میں ہوا ہے یا جرم کا ارتکاب کھلم کھلا اور علی الاعلان ہوا ہے؟ اگر جرم چھپ کر کیا گیا ہے اور اس میں بندے کا کوئی حق متاثر ہوا ہے تو پھر بندے کو اختیار ہے کہ عدالت سے انصاف کا مطالبہ کرے اور جو ثبوت اور گواہی اس کے حق میں پیش کرنا چاہتا ہے، اس میں کوئی پابندی نہیں لیکن اگر حق اللہ بھی متاثر ہوا ہے تو شریعت نے اس کو پھر دوہرا جرم قرار دیا ہے: ایک تو خود ایک غلط فعل کا ارتکاب جرم ہے، دوسرا بے حیائی کا ارتکاب اس انداز سے کھلم کھلا کیا گیا کہ بہت سے لوگوں نے دیکھا اور چار گواہ فراہم ہو گئے۔ اس لیے اسے دوہرا جرم قرار دیا گیا ہے، اس حوالے سے اللہ تعالیٰ سورۃ النور میں ارشاد فرماتے ہیں

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾[1]

"جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحاشی اور بے حیائی پھیلے ان کے لیے دنیا

---

1 النور، 19:24

اور آخرت دونوں میں دردناک عذاب ہے۔"

سب کے سامنے فحش باتوں کا تذکرہ اور اشاعت اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ اگر کوئی برائی چھپی ہوئی ہے اور محدود ہے تو اس کو چھپا کر اور محدود پیمانے تک رکھو، کیوں کہ جب برائی پھیلے گی تو اس سے اور لوگ بھی متاثر ہوں گے۔ اسلامی نقطہ نظر سے یہ ایک غیر اخلاقی اور محض جاہلانہ بات ہے۔ جب کسی وجہ سے برائی مخفی ہے، تو از خود اس کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مسلمان بھائی کی برائی پر پردہ ڈالنا چاہیے۔ غلط کار اور غافل کو توبہ اور آئندہ محتاط رہنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ اسے یہ سمجھانا چاہیے کہ اگر اس غلطی میں کسی بھائی کا حق پایا جاتا ہے تو جا کر خاموشی سے ادا کر دو، جیسا کہ چور سے یہ کہنا کہ مال مسروقہ کو مالک کو واپس کر دو۔ یہ شریعت کا مزاج ہے اور یہی حیا کا تقاضا ہے۔

اگر متاثرہ شخص جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے وہ ریاست کے اداروں کے پاس جاتا ہے۔ عدالت سے انصاف کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی ہیں تو اب یہ حق العباد ہوا کہ حاکم اور جج اس کو انصاف فراہم کرے اور حق اللہ بھی ہے۔ اب تو لازم ہے کہ اسے ضرور سزا دی جائے گی۔

شریعت کا اصل زور مجرم کو ہر حال میں سزا دینے پر نہیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو اسے سزا سے بچا کر اصلاح احوال کا موقع فراہم کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجرموں کو یہ ترغیب دی ہے کہ اگر جرم کے ساتھ کسی بندے کا حق متعلق نہیں ہے تو وہ اپنے جرم پر پردہ ڈالے رکھیں اور توبہ واستغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے گناہ معاف کرانے کی کوشش کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

> "قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ آنَ لَكُمْ أَنْ تَنْتَهُوا عَنْ حُدُودِ اللَّهِ مَنْ أَصَابَ مِنْ هَذِهِ الْقَاذُورَاتِ شَيْئًا فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللَّهِ فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِي لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللَّهِ۔"[1]
>
> "اے لوگو! تحقیق تمہارے لیے ہے کہ حدود اللہ سے بچو جو شخص ان ناپاک چیزوں میں سے کسی میں ملوث ہو جائے تو وہ اس پردے سے اپنے آپ کو چھپا لے جو اللہ نے ڈال رکھا ہے، کیونکہ جو شخص ہمارے سامنے اپنے جرم کو بے نقاب کرے گا، ہم اس پر اللہ کے قانون کو نافذ کر دیں گے۔"

[1] مالك بن أنس، الموطامالک، کتا ب الحدود، بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ اعْتَرَفَ عَلَى، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان ، الطبعة الاولى 1425ھ- 2004، رقم الحديث:3048

رسول اللہ ﷺ نے معاشرے کے لوگوں کو بھی یہی ترغیب دی ہے کہ ایسے مجرموں کو عدالت میں پیش کرنے سے گریز کریں کیونکہ عدالت میں مقدمہ پیش ہو جانے کے بعد مجرم پر سزا کا نفاذ قاضی کی ذمہ داری قرار پاتا ہے، اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" تَعَافَوْا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ ۔"[1]

"حدود کو تم آپس میں معاف کر دیا کرو، میرے پاس پہنچنے کے بعد واجب ہو گی (یعنی اب ضرور قائم ہو گی)۔"

ابن مسعود (م:32ھ) سے روایت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا اسے جب رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" وَمَا يَمْنَعُنِي وَأَنْتُمْ أَعْوَانُ الشَّيْطَانِ عَلَى صَاحِبِكُمْ وَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفْوَ ، وَلَا يَنْبَغِي لِوَالِي أَمْرٍ أَنْ يُؤْتَى بِحَدٍّ إِلَّا أَقَامَهُ» ، ثُمَّ قَرَأَ {وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا۔ الی اخره} "[2]

"میں اس پر سزا نافذ کرنے سے کیسے رک سکتا ہوں جب کہ تم خود اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد کرنے والے ہو؟ اللہ تعالی معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں (تمہیں چاہیے تھا کہ اس کو میرے سامنے پیش نہ کرتے کیونکہ) حکمران کے سامنے جب سزا سے متعلق کوئی معاملہ پیش ہو جائے تو اس کے لیے سزا کو نافذ کرنا ہی مناسب ہے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی "اور چاہیے کہ وہ معاف کریں اور در گزر کریں۔۔۔ آخر تک"۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں ارباب حل و عقد کے لیے بھی یہ راہنما اصول بیان فرمایا ہے کہ ان کی اصل دلچسپی مجرم کو سزا دینے سے نہیں بلکہ عدل و انصاف کی حدود میں رہتے ہوئے اس کے لیے معافی کی گنجائش تلاش کرنی چاہیے۔ اس حوالے سے ترمذی میں حضرت عائشہ (م:58ھ) سے روایت ہے

" ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ وَجَدْتُمْ لِمُسْلِمٍ مَخْرَجًا فَخَلُّوا سَبِيلَهُ، فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ

1 النسائی ، السنن ، کتاب الحدود، باب ما یکون حرزا وما لا یکون ، رقم الحدیث:7373

2 احمد بن حنبل، مسند ، باب مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ، رقم الحدیث: 3977

يُخْطِئَ بِالْعُقُوبَةِ ۔"[1]

"جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے سزاؤں کو ٹالو۔ پس اگر تمہیں کسی مسلمان کے لیے سزا سے بچنے کا کوئی راستہ ملے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معاف کر دینے میں غلط فیصلہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کو سزا دینے میں غلطی کرے۔"

حدود اللہ سے متعلق یہ رائے رکھنا کہ عرب کے معاشرے میں یہ سزائیں موزوں تھیں اور آج کے جدید معاشرہ میں یہ سزائیں موزوں نہیں۔ یہ اسلام کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ اگر قرآن مجید ہر دور کے لیے ہے تو اس کی تعلیمات بھی ہر دور کے لیے ہیں اور ان پر ہر دور میں عمل کرنا لازم ہے۔

فلسفہ تعزیرات

وہ جرائم جو ہر انسانی معاشرے میں نہیں ہوتے بلکہ کسی معاشرے میں ہوتے ہیں اور کسی میں نہیں ہوتے۔ ان جرائم کی روک تھام اور سزاؤں کے حوالے سے شریعت مطہرہ نے بنیادی اصول وضع کر دیے ہیں۔ ان بنیادی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس دور، اس علاقے کے ارباب حل وعقد اور اولی الامر جو مناسب سزا مقرر کرنا چاہیں، مقرر کر سکتے ہیں۔ نیز ان جرائم پر دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کا بھی انحصار نہیں۔ تعزیر کی سزا کے تقرر کے اصول مندرجہ ذیل ہیں:

1. سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اس سزا کا بنیادی مقصد امت مسلمہ اور عوام کے جان و مال کا تحفظ ہو، محض کسی ایک گروہ یا کسی ایک فرد کے مفاد کی حفاظت نہ ہو۔
2. دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ مصالح جن کو شریعت نے تسلیم کیا ہے اور جو شریعت میں قابل قبول ہیں، ان میں سے کسی مقصد کا تحفظ اس سزا سے پورا ہوتا ہو۔
3. تیسرا اصول یہ ہے کہ اس سزا کے نتیجے میں اس برائی کے کم ہونے کا امکان ہو، زیادہ پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو۔ سزا دینا اصل میں ایک آپریشن کرنا ہے۔ بعض بیماریاں آپریشن سے ختم ہو جاتی ہیں اور بعض آپریشن سے پھیل بھی سکتی ہیں۔ اب یہ ڈاکٹر کا فرض ہے کہ آپریشن کرنے سے پہلے وہ اطمینان کرے کہ یہ بیماری آپریشن کرنے سے پھیل تو نہیں جائے گی۔ اسی

[1] الترمذی، الجامع الترمذی، کتاب الحدود ، ماجاء في درء الحدود، رقم الحديث: 1424

طرح سزا دینے سے پہلے حاکم یا جج کو دیکھنا چاہیے کہ اس سزا کے نتیجے میں برائی ختم ہو جائے گی یا مزید بڑھے گی۔

4. چوتھا اصول یہ ہے کہ جرم اور سزا کے درمیان تناسب ہو۔ یہ نہ ہو کہ معمولی سے جرم پر اتنی بڑی سزا دی جائے اور بہت بڑے اور مہلک جرم پر معمولی سزا دی جائے۔
5. جو بھی سزائے تعزیر مقرر کی جائے اس میں معاشرتی اور قانونی طور پر سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ سزا دینے میں کسی چھوٹے، بڑے اور امیر، غریب کا فرق نہ ہو۔ جرم کوئی بھی کرے سزا اتنی ہی دی جائے جو مقرر کی گئی ہو۔

ان پانچ اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تعزیرات سے متعلق حکومت وقت کوئی بھی سزا متعین کر سکتی ہے۔ پھر جو سزائے تعزیر مقرر کی جائے گی، اس میں وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی یعنی اضافہ یا کمی ہو سکتی ہے۔ اس سزا کو منسوخ بھی کیا جا سکتا ہے اور ان سزاؤں میں سربراہ ریاست کو معاف کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔

تعزیری سزاؤں کے تعین کے حوالے سے فقہاء کا اختلاف ہے اور اس کا طریقہ کار بھی حالات کے مطابق اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ اختیار حاکم، جج یا قانون ساز مقتدرہ کو حاصل ہے۔ اس حوالے سے محمود احمد غازی لکھتے ہیں

> "تعزیر کے لیے کوئی سزا متعین نہیں ہے۔ تعزیر کے طور پر حکومت وقت یا قانون ساز ادارہ جو بھی سزا طے کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اس میں مختصر قید بھی ہو سکتی ہے، کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے، تاوان اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے اور سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے۔ جو سزا مناسب ہو اور اس جرم سے ہم آہنگ ہو وہ دی جا سکتی ہے۔ اگر یہ محسوس ہو کہ اس سزا سے جرائم کے خاتمہ میں مدد مل رہی ہے تو وہ سزا باقی رہے گی اور اگر یہ خیال ہو کہ یہ سزا کافی نہیں تو اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے یہ ساری تفصیلات طے کرنے کا اختیار قانون ساز مقتدرہ کو ہے۔"[1]

---

1 غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران، لاہور، 2005، ص:414

فصل دوم: صدرِ اسلام میں حدود و قصاص کی عملی تنفیذ کا جائزہ

رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جسے پہلی اسلامی ریاست کا درجہ حاصل ہے، پھر ریاست مدینہ میں مہاجرین اور انصار کو مواخات کے رشتے میں پرو دیا اور یہود کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ میثاق مدینہ کی رو سے رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے مُنصف قرار پائے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی اس نہج پر تربیت فرمائی کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے معاشرے میں اطاعت الٰہی اور اتباعِ رسول ﷺ کو عام کیا اور اسی کے مطابق زندگی بسر کی۔ اسلام کا ابتدائی دور چاہے دور نبوی ﷺ ہو یا خلفائے راشدین کا دور ، یہ اللہ پاک کی رحمتوں و برکات سے بھرپور تھا۔ اس دور کو تمام مسلمان قیامت تک کے لیے مشعل راہ اور نمونہ سمجھتے ہیں۔

دور نبوی ﷺ میں حدود و قصاص کی عملی تنفیذ

ریاست مدینہ اسلامی تاریخ کی مثالی ریاست ہے۔ عہد نبوی ﷺ اسلامی تاریخ کا وہ سنہری دور ہے، جس کو بلاشبہ دوسرے تمام ادوار کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر دور کے مسلمانوں نے حتی الوسع اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کو تک پیغام حق پہنچانے کا فریضہ سونپا تھا، وہاں لوگوں کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری بھی آپ ﷺ کے سونپی گئی تھی۔ جب اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس لیے ان میں تنازعات کا واقع ہو جانا بھی ایک فطرتی امر تھا۔ تاہم اس مبارک دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین پر تقویٰ غالب تھا اور اخلاقی اقدار پر عمل ہو رہا تھا۔ اس لیے ان کے درمیان اگر کوئی تنازع پیدا بھی ہوتا تو وہ فریقین کو ذکر کیے بغیر اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم کر لیتے اور پھر اس پر بطیب خاطر عمل کر لیتے۔ بہر حال یہ بھی امکان تھا کہ اگر بعض تنازعات سنگین نوعیت اختیار کر جائیں، تو اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ﴾[1]

"(اے رسول ﷺ) لوگوں کے درمیان ان احکامات کے

---

[1] المائدہ، 48:5

مطابق فیصلہ کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوا

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾[1]

"اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

اور پھر ان تنازعات کے فریقین کے لیے ارشاد فرمایا

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔﴾[2]

"اے رسول ﷺ تیرے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں گے اور پھر آپ جو فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور تیرے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے۔"

عہد نبوی ﷺ میں نہ کوئی جیل خانے تھے اور نہ جلاد مقرر تھے۔ عدالت شاذونادر ہی کوئی سزا دیتی تھی اس لیے اس بارے میں بہت کم واقعات ملتے ہیں اور جو ملتے ہیں وہ بھی اس لیے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے آپس میں تنازعات ہوتا تھے، خصوصاً لوگوں نے حدود اللہ کو پامال کرنا تھا۔ زنا، بہتان، شراب نوشی، چوری اور حرابہ کے واقعات عام ہوتا تھے، تو رسول اللہ ﷺ کیونکہ گناہوں سے پاک، محفوظ اور معصوم تھے تو آپ ﷺ کے شاگردوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے یہ گناہ کر کے حد جاری کروائی اور رہتی دنیا تک کے قاضیوں اور حکمرانوں کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ چھوڑا۔ عہد نبوی ﷺ میں حدود و قصاص اور دیت کے پیش آنے والے واقعات مندرجہ ذیل ہیں:

حدِ زنا

ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور چار مرتبہ زنا کا اقرار کر کے حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا

" فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ، ﷺ « أَزَنَيْتَ ». فَقَالَ نَعَمْ. فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ۔ "[3]

---

1 النساء، 58:4

2 النساء، 65:4

3 المسلم ، الجامع الصحيح ، كتاب الحدود، باب مَنِ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا. رقم الحديث: 4527

"پھر آپ نے دریافت فرمایا کیا تونے زنا کیا ہے ؟وہ بولا ہاں تو آپ ﷺ نے رجم کا حکم فرمایا۔"

کنوارے مرد و بیاہی عورت کو زنا پر سزا

ابو ہریرہ (م:59ھ)اور زید بن خالد (م:78ھ)راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا اۓ اللہ کے رسول ﷺ، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ﷺ میرا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرمائیں کہ میرے بیٹے نے زنا کیا ہے

"فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ« وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ لأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا ». قَالَ فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَأَمَرَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَرُجِمَتْ"[1]

"آپ ﷺ نے فرمایا!اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کر دی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ملے گی ۔اے انیس !تم اس آدمی کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ اعتراف کرلے تو اسے رجم کرو۔ فرماتے ہیں کہ وہ اس کے پاس گئے تو اس عورت نے اعتراف کرلیا، تو آپ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔"

قاذف کو سزا

جب منافقین نے اماں عائشہ پر بہتان لگایا تو قرآن مجید کی سورۃ النور میں ان کی عفت و عصمت کے حوالے سے ان کی صفائی بیان کی ۔ اس کے بعد تہمت لگانے والوں کی سزا کے حوالے سے حضرت عائشہ (م:58ھ)سے مروی ہے

" لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي، قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذَلِكَ وَتَلَا الْقُرْآنَ، فَلَمَّا نَزَلَ أَمَرَ بِرَجُلَيْنِ وَامْرَأَةٍ فَضُرِبُوا حَدَّهُمْ "[2]

---

1 المسلم ، الجامع الصحيح ،كتاب الحدود، رقم الحديث: 4531

2 الترمذی ، الجامع الترمذی، كتاب فضائل قرآن ، باب من سورة النور، رقم الحديث: 3181

"جب میری برات نازل ہوئی تو آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اس کا تذکرہ کرنے کے بعد وہ آیات تلاوت کیں پھر نیچے تشریف لائے اور دو مردوں اور ایک عورت پر حد قذف جاری کرنے کا حکم دیا۔"

اسی طرح ایک قذف کے واقعہ میں حضرت سہل بن سعد (م:91ھ) سے روایت ہے

" أَنَّ رَجُلاً أَتَاهُ فَأَقَرَّ عِنْدَهُ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ سَمَّاهَا لَهُ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْمَرْأَةِ فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ فَأَنْكَرَتْ أَنْ تَكُونَ زَنَتْ فَجَلَدَهُ الْحَدَّ وَتَرَكَهَا."[1]

"آپ ﷺ کے ایک شخص آیا اور اقرار کیا کہ اس نے فلاں نام کی عورت کے ساتھ زنا کیا ہے آپ ﷺ نے اس عورت کے پاس کسی کو بھیجا اور اس سے اس بارے سوال کیا تو اس نے انکار کیا پس آپ ﷺ نے مرد کو حد (قذف) کے کوڑے لگائے اور عورت کو چھوڑ دیا۔"

چور کی سزا

ابن عمر (م:73ھ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چور پر حد جاری فرمائی

" قَطَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَ سَارِقٍ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلاَثَةُ دَرَاهِمَ ۔"[2]

"نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ایک ڈھال پر کاٹا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی"

حدِ حرابہ کی سزا

ابن عمر (م:73ھ) سے روایت ہے بنو قریظہ کو حرابہ پر رسول اللہ ﷺ نے حد جاری فرمائی

" حَتَّى حَارَبَتْ قُرَيْظَةُ، فَقَتَلَ رِجَالَهُمْ، وَقَسَمَ نِسَاءَهُمْ وَأَوْلاَدَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ؛ إِلاَّ بَعْضَهُمْ: لَحِقُوا بِالنَّبِيِّ۔"[3]

"پھر بنو قریظہ نے نبی ﷺ سے (معاہدہ توڑ کر) لڑائی مول لی اس لیے آپ ﷺ

---

1 ابو داؤد ، السنن، كتاب الحدود، باب رَجْمِ مَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ. ، رقم الحديث: 4439

2 البخاری، الجامع الصحيح ، كتاب الحدود، باب قول الله تعالى والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما ، رقم الحديث: 6413

3 البخاری، الجامع الصحيح ، كتاب المغازی، باب حديث بني النضير ومخرج رسول الله ﷺ اليهم في دية ، رقم الحديث: 3804

نے ان کے مردوں کو قتل کروادیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مالوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، بعض کے سوا۔"

ارتداد کا فیصلہ

قبیلہ عرینہ کے چند لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے (اسلام قبول کیا) پھر مدینہ کی ہوا ان کو موافق نہ آئی، آپ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ تم صدقہ کے اونٹوں میں (جو شہر سے باہر رہتے تھے) چلے جاؤ

"ففعلوا . فارتدوا عن الإسلام . وقتلوا راعي رسول الله صلى الله عليه و فَفَعَلُوا. فَارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ، وَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَاقُوا ذَوْدَهُ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ فِي طَلَبِهِمْ، فَجِيءَ بِهِمْ، فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ وَتَرَكَهُمْ بِالْحَرَّةِ حَتَّى مَاتُوا "[1]

"انہوں نے ایسا ہی کیا (جب چنگے بھلے ہو گئے) تو اسلام سے پھر گئے اور چرواہے کو مار کر اونٹ بھی بھگا کر لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے تعاقب میں (بیس سواروں) کو بھیجا۔ وہ گرفتار ہو کر آئے۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں سیدھے الٹے کٹوائے۔ ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری گئی۔ ان کو گرم ریت پر ڈال دیا یہاں تک کہ (تڑپ تڑپ) کر مر گئے۔"

شراب کی حد

حضرت قتادہ (م:23ھ) نے آپ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شرابی پر حد جاری فرمائی

"عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ جَلَدَ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ أَرْبَعِينَ." [2]

"نبی ﷺ نے درخت کی شاخ اور جوتوں سے چالیس کوڑے مارے۔"

قصاص کا حکم

حضرت انس (م:93ھ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قتل کا ایک مقدمہ پیش ہوا

"أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَقِيلَ لَهَا: مَنْ فَعَلَ بِكِ،

---

1 ابن ماجه ، ا لسنن، كتا ب الحدود، باب من حارب وسعى في الأرض فسادا ، رقم الحديث: 2578

2 ابی داود ، السنن، كتاب الحدود ، باب الْحَدِّ فِي الْخَمْرِ ، رقم الحديث:4481

أَفُلاَنٌ أَوْ فُلاَنٌ، حَتَّى سُمِّيَ اليَهُودِيُّ، فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا، فَجِيءَ بِهِ، فَلَمْ يَزَلْ حَتَّى اعْتَرَفَ«فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالحِجَارَةِ "[1]

"ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر پتھر رکھ کر کچل ڈالا۔ لڑکی سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے مارا ہے؟ فلاں نے یا فلاں نے؟ جب اس کے سامنے یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے سر کے اشارے سے یہودی کی نشاندہی کی۔ یہودی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ اس نے جرم کا اعتراف کیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس یہودی کا سر پتھر سے کچل دیا گیا۔"

دانت میں قصاص

حضرت انس سے روایت ہے

"أَنَّ ابْنَةَ النَّضْرِ لَطَمَتْ جَارِيَةً فَكَسَرَتْ ثَنِيَّتَهَا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِالقِصَاصِ ۔"[2]

"بنو نضیر کی ایک لڑکی نے ایک لڑکی کا دانت توڑ ڈالا۔ اس لڑکی کے رشتہ دار نبی ﷺ کے پاس آئے تو رسول اللہ نے قصاص کا حکم دیا۔"

قتل عمد میں دیت

زید بن ضمیرہ سے روایت ہے

" فَقَامَ إِلَيْهِ الأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ, وَهُوَ سَيِّدُ خِنْدِفٍ ، يَرُدُّ عَنْ دَمِ مُحَلِّمِ بْنِ جَثَّامَةَ ، وَقَامَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ يَطْلُبُ بِدَمِ عَامِرِ بْنِ الأَضْبَطِ ، وَكَانَ أَشْجَعِيًّا, فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: تَقْبَلُونَ الدِّيَةَ ؟ فَأَبَوْا ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي لَيْثٍ،يُقَالُ لَهُ:مُكَيْتِلٌ،فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ،وَاللَّهِ مَا شَبَّهْتُ هَذَا الْقَتِيلَ فِي غُرَّةِ الإِسْلاَمِ،إِلاَّ كَغَنَمٍ وَرَدَتْ, فَرُمِيَتْ فَنَفَرَآخِرُهَا،فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:لَكُمْ خَمْسُونَ فِي سَفَرِنَا،وَخَمْسُونَ إِذَا رَجَعْنَا, فَقَبِلُوا الدِّيَةَ۔"[3]

---

[1] البخارى ، الجامع الصحيح ، كتاب الوصايا ، باب إذا أومأ المريض برأسه۔۔ ، رقم الحديث: 2595

[2] البخارى، الجامع الصحيح ، كتاب الديات ، باب إذا عض رجلا فوقعت ثناياه، رقم الحديث: 6499

[3] ابن ماجه ، السنن، كتاب الديات، باب من قتل عمدا فرضوا بالدية، رقم الحديث: 2625

"اقرع بن حابس (م:12ھ) آپؐ کی طرف گئے۔ وہ (قبیلہ) خندف کے سردار تھے اور قصاص کو رد کرتے تھے۔ محلم بن جثامہ سے اور عیینہ عامر بن اضبط کے خون کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ اشجعی تھے۔ آخر نبی ﷺ نے ان سے فرمایا۔ تم دیت قبول کرتے ہو۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر ایک شخص نبی لیث میں سے کھڑا ہوا جس کو مکتیل کہتے تھے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! قسم خدا کی یہ قتل اسلام کے غلبہ کے مشابہ ہے ان بکریوں کے جو پانی پینے کو آئیں پھر ان کا پہلا گروہ ہانکا گیا تو اس کی وجہ سے ان کا پچھلا گروہ بھی بھاگا۔ آخر نبی ﷺ نے فرمایا تم پچاس اونٹ (دیت کے) تو ہمارے اس سفر کی حالت میں ہی لے لو اور پچاس جب ہم مدینہ پہنچیں تو لے لینا۔ پھر انہوں نے دیت قبول کر لی۔"

عہد خلفائے راشدین میں قوانین حدود و قصاص کی عملی تنفیذ

خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین کا دور بہترین زمانہ شمار کیا جاتا ہے کیونکہ ان چاروں حضرات کا منہج نبوت والا تھا۔ اس دور میں قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کیے جاتے تھے۔ یہ دور گیارہ ہجری بارہ ربیع الاول حضرت ابو بکر صدیق (م:13ھ) کی خلافت سے شروع ہوتا ہے اور اکیس رمضان المبارک چالیس ہجری حضرت علی (م:40ھ) کی شہادت پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں تقویٰ، علم میں پختگی اور اخلاص کو مد نظر رکھا جاتا تھا۔ قاضی فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتا تھا۔ اسلامی حدود بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ مسلمان پینتیس لاکھ مربع میل پر حاکم تھے۔ ایران، شام، بلاد آرمینیا، مصر اور ایران ان کے زیر نگین تھے بلکہ اسلامی فتوحات نے مشرق اور مغرب میں نہایت وسعت حاصل کی۔ عربوں کے علاوہ بہت سی دوسری اقوام حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔ خلفائے راشدین انصاف کی فراہمی اور مساوات پر بہت زور دیتے تھے، یہاں تک کہ خود خلیفہ وقت رعایا کے ایک عام فرد کی طرح عدالت میں حاضر ہوتا، جیسا کہ حضرت عمر (م:24ھ) قاضی مدینہ زید بن ثابت (م:45ھ) کی عدالت میں خود حاضر ہوئے اور حضرت علی (م:40ھ) کی حاضری کوفہ شہر میں قاضی شریح کی عدالت میں ہوئی اور فیصلہ بھی خلیفہ وقت کے خلاف ہوا۔ اگر ان کا کوئی قریبی رشتہ دار کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو اسے عام لوگوں کی طرح سزا دی جاتی، جیسا کہ حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو شراب نوشی کے جرم پر سزا دی اور عام مصری شخص سے حضرت عمرو بن

عاص (م:51ھ) کے بیٹے کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اس عہد کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ حضرت عمر نے اسلام میں پہلی دفعہ جیل خانوں کا آغاز کیا اور اس مقصد کے لیے آپ نے مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ (م:41ھ) کا مکان چار ہزار درہم میں خریدا۔ دوسرا اضافہ حضرت عثمان (م:35ھ) کا تھا کہ آپ نے عدالتی نظام کے علیحدہ عمارتیں بنوائیں جو دارالقضاء کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان حضرات کے ادوار میں ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرتا اور جس کے خلاف دعویٰ کیا جاتا تو وہ اپنی صفائی پیش کرتا اور فریقین کی سننے کے بعد جلد ہی فیصلہ سنا دیا جاتا۔ خلیفہ قاضی کا تقرر خود فرماتے۔ انہیں معقول مشاہراہ ملتا اور یہ لوگوں کو فوری انصاف فراہم کرتے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں قاضیوں کا دائرہ عمل صرف شہری تنازعات اور دیوانی مقدمات کے فیصلوں تک محدود تھا۔ قوانین حدود و قصاص کے اجراء کا کام یعنی فوجداری مقدمات کے فیصلے خلفاء اور علاقائی حکمران خود سرانجام دیتے تھے اور وہی ان کا نفاذ کرتے تھے۔ ہمیں تاریخ کے مطالعہ سے ایسے چند واقعات کا علم ہوتا ہے کہ قتل کرنے، شراب نوشی، حرابہ اور اس قسم کے دوسرے جرائم میں خلیفہ یا اس کے عمال نے مجرموں کو قتل اور کوڑوں کی سزا سنائی ہو، قید اور جرمانہ جیسی تادیبی سزائیں بھی خلیفہ یا اس کا مقرر کردہ عامل ہی دیتا تھا۔ اس طرح اس دور میں قضاء کا دائرہ بڑی حد تک دیوانی مقدمات تک محدود تھا۔ عہد خلفائے راشدین میں حدود و قصاص کے مشہور واقعات مندرجہ ذیل ہیں:

عہدِ صدیقی میں حدود و قصاص کا نفاذ

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین منتخب کیا گیا۔ آپؓ کا دور خلافت 12 ربیع الاول، 11 ہجری سے 22 جمادی الاخریٰ، 13 ہجری تک کا ہے۔ آپؓ کی جانشینی کے بعد عام بیعت ہوئی۔ اس موقع پر ابو بکر صدیق نے خلافت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعض اجزاء آپ کے احساس ذمہ داری اور تصورِ عدل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! حکومت میرے لیے باعث راحت نہیں ہے بلکہ اس سے مجھے ایک ایسے عظیم معاملے کی تکلیف دی گئی ہے جو میری برداشت سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی مدد و نصرت کے بغیر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے، میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں اگر میں راہِ راست پر چلوں تو میری مدد کرو اگر بے راہ چلوں تو سیدھا کر دو۔ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ انشاء اللہ

اس کا حق دلاؤں گا اور تم میں سے جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے۔ اس سے انشاء اللہ حق لے چھوڑوں گا، جب تک میں اللہ اور اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں، تم میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تمہیں میری اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔[1]

اپنے دورِ خلافت میں زیادہ تر مقدمات کے فیصلے ابو بکر صدیق خود کرتے تھے لیکن جب خلافت کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو حضرت عمر کو قاضی بنا دیا۔ ابو بکر صدیق کی زندگی میں حدود و قصاص کے چند قابل ذکر مقدمات ہی درج ہوئے، جن میں سے چند مقدمات کے فیصلے مندرجہ ذیل ہیں:

حد زنا کا نفاذ

حضرت ابو بکر صدیق کے پاس ایک زانی آدمی کو لایا گیا جس کا فیصلہ یوں فرمایا

" أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ وَقَعَ عَلَى جَارِيَةٍ بِكْرٍ فَأَحْبَلَهَا ثُمَّ اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا وَلَمْ يَكُنْ أَحْصَنَ فَأَمَرَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ نُفِيَ إِلَى فَدَكَ"[2]

"ایک آدمی لایا گیا (ابو بکر کے پاس) جس نے کنواری لونڈی سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ پھر اس شخص نے خود زنا کا اعتراف کیا اور وہ شادی شدہ نہیں تھا۔ پس ابو بکرؓ نے اس پر کوڑوں کی حد جاری کی اور فدک کی طرف جلاوطن کر دیا۔"

زنا بالجبر پر سزا

حضرت نافع (م:93ھ) سے روایت ہے

"جاءَ رجلٌ إلى أَبي بكرٍ الصديقِ فذكر له أن ضَيْفًا له افْتَضَّ أُخْتَه اسْتَكْرَهَهَا على نَفْسِها، فَسَأَلَه فاعْتَرَف بِذَلِكَ، فضربَه أبو بَكْرٍ الحدَّ، ونَفَاه سنَةً إلى فَدَك، ولم يَضْرِبها ولم يَنْفِها؛ لأنه اسْتكرَهَها، ثم زَوَّجَها إِيَّاه أَبُو بَكْرٍ وأَدْخَلَه عَلَيْهَا "[3]

"ایک آدمی ابو بکر کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ میرے مہمان نے میری بہن کے ساتھ زبردستی کی ہے۔ ابو بکر نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے اس بات کا

---

1 نجیب آبادی، اکبر شاہ، مولانا، تاریخ اسلام، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، 2009ء، جلد 1، ص:300

2 مالك بن أنس، الموطا، كتا ب الحدود ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ ، رقم الحديث: 3049

3 علي بن حسام الدين، الهندي ، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب الحدود، مؤسسة الرسالة ،بيروت، 1409 هـ – 1989، رقم الحديث: 13452

اعتراف کر لیا۔ ابو بکر نے اس پر کوڑوں کی حد جاری کی اور فدک کی طرف جلا وطن کر دیا اور اس عورت کو نہ ہی کوڑے مارے اور نہ ہی جلاوطن کیا کیونکہ اس شخص نے عورت پر جبر کیا تھا۔ پھر ابو بکر نے اس شخص کا اس عورت سے نکاح کر دیا اور عورت کو اس شخص کے حوالے کر دیا۔"

حد سرقہ کا نفاذ

قاسم بن محمدؒ (م:108ھ) سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن کا رہنے والا جس کا ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا تھا۔ مدینہ میں آیا اور حضرت ابو بکر کے پاس اتر کر بولا کہ یمن کے حاکم نے مجھ پر ظلم کیا۔

"ثُمَّ إِنَّهُمْ فَقَدُوا عِقْدًا لِأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ امْرَأَةِأَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَطُوفُ مَعَهُمْ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِمَنْ بَيَّتَ أَهْلَ هَذَا الْبَيْتِ الصَّالِحِ فَوَجَدُوا الْحُلِيَّ عِنْدَ صَائِغٍ زَعَمَ أَنَّ الْأَقْطَعَ جَاءَهُ بِهِ فَاعْتَرَفَ بِهِ الْأَقْطَعُ أَوْ شُهِدَ عَلَيْهِ بِهِ فَأَمَرَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ فَقُطِعَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى"[1]

"اتفاقاً ایک ہار اسماء بنت عمیس ابو بکر کی بیوی کا گم ہو گیا۔ لوگوں کے ساتھ وہ لنگڑا بھی ہار ڈھونڈتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اے پروردگار تباہ کر اس کو جس نے ایسے نیک گھر والوں کے ہاں چوری کی۔ پھر وہ ہار ایک سنار کے پاس ملا۔ سنار نے کہا کہ یہ مجھے اس لنگڑے نے دیا ہے۔ اس لنگڑے نے اقرار کیا۔ گواہی سے ثابت ہوا ۔پس حضرت ابو بکر کے حکم سے اس کا بایاں ہاتھ کاٹا گیا۔"

اسی طرح حضرت انس سے مروی ہے کہ چوری کے مجرم پر حضرت ابو بکر صدیق نے حد سرقہ جاری فرمائی

" قطع أبو بكر رضي الله عنه في خمسة دراهم۔ "[2]

"حضرت ابو بکر نے پانچ درہم پر ہاتھ کاٹا۔"

---

[1] مالك بن أنس، الموطا، كتا ب الحدود ، بَاب جَامِعِ الْقَطْعِ، رقم الحديث: 3089

[2] البیهقی ، السنن الكبرى، كتاب السرقه، باب ما جاء عن الصحابة رضي الله عنهم فيما يجب به القطع ، رقم الحديث: 16967

ارتداد کا فیصلہ

سعید بن عبد العزیزؒ(م:167ھ) سے سے مروی ہے کہ ایک مرتدہ عورت لائی گئی

" أن امرأة يقال لها أم قرفة كفرت بعد إسلامها فاستتابها أبو بكر الصديق رضي الله عنه فلم تتب فقتلها"[1]

" ایک عورت ام قرفۃ اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئی۔ ابو بکر صدیق نے اس عورت سے توبہ کا مطالبہ کیا مگر اس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کرادیا۔"

دیت کا فیصلہ

معمر نے کہا کہ حضرت ابو بکر نے دیت کا یوں فیصلہ فرمایا

"وقضى فيها أبو بكر رضي الله عنه بخمس عشرة من الإبل۔"[2]

"حضرت ابو بکر نے کان کی دیت میں پندرہ اونٹوں کا فیصلہ کیا۔"

عہد فاروقی میں حدود و قصاص کی تنفیذ

حضرت ابو بکر صدیق نے مرض الوفات میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے مشورے سے حضرت عمر کو امیر المومنین مقرر فرمایا۔ 22 جمادی الثانی سن 13 ہجری کو یہ خلیفہ بنے اور 27 ذوالحجہ سن 23 ہجری تک ان کا دور حکومت ہے۔ ان کا عدل آج تک ضرب المثل بنا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں اللہ کے بندوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سوجھ بوجھ، باریک بینی اور محاسبہ نفس کی ضرورت ہوتی ہے، اسے خوب جانتے تھے۔ آپ نے عدالتی نظام کو ایک علیحدہ محکمہ کی شکل دی۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں قاضیوں کا دائرہ عمل صرف شہری تنازعات کے فیصلوں تک محدود تھا۔ قصاص اور حدود کے اجراء کا کام خلفاء اور علاقائی حکمران خود سرانجام دیتے تھے اور وہی ان کا نفاذ کرتے تھے۔ ہمیں تاریخ سے ایسے ان گنت واقعات کو علم تو ہوتا ہے کہ قتل کرنے، شراب نوشی اور اس قسم کے دوسرے جرائم میں خلیفہ یا اس کے عمال نے مجرموں کو قتل اور کوڑوں کی سزا سنایا لیکن کسی قاضی کے متعلق ہمیں یہ علم نہیں کہ اس نے اس قسم کے مقدمات جنہیں موجودہ زمانے کی اصطلاح میں

[1] البیہقی ، السنن الکبریٰ، کتاب المرتد، باب قتل من ارتد عن الإسلام ، رقم الحدیث: 16650

[2] البیہقی ، السنن الکبریٰ، کتاب الدیات، باب الأذنین ، رقم الحدیث: 16001

فوجداری کہا جاتا ہے کی سماعت کی ہو، قید اور جرمانہ جیسی تادیبی سزائیں بھی خلیفہ یا اس کا مقرر کردہ عامل ہی دیتا تھا، اس طرح اس دور میں قضاء کا دائرہ بڑی حد تک دیوانی مقدمات تک محدود تھا۔ حضرت عمر فاروق کے دور کے چند واقعات کو بطور مثال درج کیا جا رہا ہے:

حدِ زنا کا نفاذ

حضرت عمر کے پاس ایک شخص آیا جب وہ شام میں تھے، اس نے بیان کیا

" أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَبَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ إِلَى امْرَأَتِهِ يَسْأَلُهَا عَنْ ذَلِكَ فَأَتَاهَا وَعِنْدَهَا نِسْوَةٌ حَوْلَهَا فَذَكَرَ لَهَا الَّذِي قَالَ زَوْجُهَا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَأَخْبَرَهَا أَنَّهَا لَا تُؤْخَذُ بِقَوْلِهِ وَجَعَلَ يُلَقِّنُهَا أَشْبَاهَ ذَلِكَ لِتَنْزِعَ فَأَبَتْ أَنْ تَنْزِعَ وَتَمَّتْ عَلَى الْاعْتِرَافِ فَأَمَرَ بِهَا عُمَرُ فَرُجِمَتْ"[1]

"اس نے بیان کیا کہ میں نے اپنی عورت کے ساتھ ایک مرد کو پایا۔ آپ نے واقد لیثی (م:68ھ) کو بھیجا کہ عورت کے پاس جا کر پوچھو، وہ عورت کے پاس گئے۔ اس کے پاس اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ جو اس کے خاوند نے حضرت عمر سے بیان کیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا کہ خاوند کے کہنے سے تجھے مواخذہ نہ ہو گا ۔اس کو اس قسم کی باتیں سکھانے بھی لگے تاکہ وہ اقرار نہ کرے لیکن اس نے نہ مانا اور زنا کا اقرار کیا۔ حضرت عمر نے اس کے رجم کا حکم دیا اور رجم کی گئی۔"

زنا بالرضا کا فیصلہ

ایک خاتون زنا ہی کے جرم میں سیدنا عمرؓ کے پاس لائی گئی اور اس نے بتایا کہ وہ نادار اور محتاج ہے اور لوگ اس پر ترس کھا کر اس کہ مدد کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے وہ جسم فروشی کر کے کچھ پیسے جمع کر لیتی ہے۔ یہ خاتون محصنہ ہونے کی بنا پر رجم کی مستحق تھی لیکن

" فجلدها مئة"[2]

---

1 مالک بن انس ، الموطا، کتا ب الحدود ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ ، رقم الحديث: 3043

2 عبد الرزاق بن همام ، أبو بكر، مصنف عبدالرزاق، كتاب الحدود، باب الحد في الضرورة ، المكتب الإسلامي ، بيروت ، الطبعة الثانية ، 1403، رقم الحديث: 13650

"حضرت عمر نے اسے سو کوڑے سزا دی۔"

زنا بالجبر کی سزا

"عَنْ نَافِعٍ أَنَّعَبْدًا كَانَ يَقُومُ عَلَى رَقِيقِ الْخُمُسِ وَأَنَّهُ اسْتَكْرَهَ جَارِيَةً مِنْ ذَلِكَ الرَّقِيقِ فَوَقَعَ بِهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَنَفَاهُ۔ "[1]

"ایک غلام جو کہ صدقے کے غلاموں پر نگران تھا۔ اس نے ایک لونڈی سے جبراً برائی کی تو حضرت عمر نے اسے کوڑے مارے اور اسے جلاوطن کر دیا۔"

حالت اضطرار میں زنا کی سزا

سیدنا عمر کے سامنے ایک عورت کا مقدمہ پیش کیا گیا، جس نے اضطراری حالت میں زنا کیا تو

" فَمَرَّتْ عَلَى رَاعٍ فَاسْتَسْقَتْ فَأَبَى أَنْ يَسْقِيَهَا إِلَّا أَنْ تُمَكِّنَهُ مِنْ نَفْسِهَا، فَفَعَلَتْ، فَشَاوَرَ النَّاسَ فِي رَجْمِهَا، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هَذِهِ مُضْطَرَّةٌ۔"[2]

"اس (عورت) سے معلوم ہوا کہ ایک سفر کے دوران اس نے ایک چرواہے سے پینے کیلئے پانی مانگا تو اس نے اس شرط پر پانی دینے پر رضامندی ظاہر کی کہ خاتون اسے اپنے ساتھ زنا کرنے کی اجازت دے۔ چنانچہ خاتون نے شدید پیاس سے مجبور ہو کر اس کی شرط پوری کر کے اس سے پانی حاصل کیا۔ سیدنا عمر نے اس ضمن میں صحابہ سے مشورہ کیا تو سیدنا علی نے کہا کہ اس حالت اضطرار میں ایسا کیا ہے۔" چنانچہ اس خاتون کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔

قذف کی سزا

عمرۃ بن عبد الرحمٰنؒ (م:98ھ) سے روایت ہے

"انَّ رَجُلَيْنِ اسْتَبَّا فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ وَاللَّهِ مَا أَبِي بِزَانٍ وَلَا أُمِّي بِزَانِيَةٍ فَاسْتَشَارَ فِي ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ قَائِلٌ مَدَحَ أَبَاهُ وَأُمَّهُوَقَالَ آخَرُونَ قَدْ كَانَ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ مَدْحٌ غَيْرُ هَذَا نَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ الْحَدَّ فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ ثَمَانِينَ وَقَالَ آخَرُونَ قَدْ كَانَ لِأَبِيهِ

---

1 مالک بن انس ، الموطا، کتا ب الحدود ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ ، رقم الحديث: 3054

2 البیہقی، السنن الکبریٰ ، کتاب الحدود ، باب من زنی بامرأة مستکرهة، رقم الحديث: 16827

وَأُمِّهِ مَدْحٌ غَيْرُ هَذَا نَرَى أَنْ تَجْلِدَهُ الْحَدَّ فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ ثَمَانِينَ۔ "[1]

"دو مردوں نے حضرت عمر کے زمانے میں گالی گلوچ کی۔ ایک نے دوسرے سے کہا! اللہ کی قسم میرا باپ نہ تو بدکار تھا اور نہ ہی میری ماں۔ حضرت عمر نے اس بات میں مشورہ کیا۔ ایک شخص بولا اس میں کیا برائی ہے کہ اس نے اپنے باپ اور ماں کی خوبیاں بیان کیں اور لوگوں نے کہا۔ کیا اس کے باپ اور ماں کی صرف یہی خوبی تھی؟ ہمارے نزدیک اس کو حد قذف مارنی چاہیے اور عمر نے اسے اسی کوڑے لگوائے"

مرتد کی سزا

حضرت عمرو بن العاص (م:51ھ) جب مصر کے حاکم تھے تو حضرت عمر کو خط لکھ کر مرتد کے بارے سوال کیا تو فرمایا

"أن اقبل منه الإسلام ما قبل الله منهم اعرض عليه الإسلام فإن قبل فاتركه وإلا فاضرب عنقه۔"[2]

" جب تک اللہ اس سے اسلام قبول کراتا ہے تم بھی کیے جاؤ۔ اس کے سامنے اسلام پیش کرو، مان لے تو چھوڑ دے ورنہ گردن مار دی جائے۔"

دیت کا فیصلہ

حضرت ابوعبیدہ (م:18ھ) کے پاس ایک مسلمان کا ذمی کو قتل کرنے کا مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے اس مقدمہ کے بارے میں حضرت عمر کو لکھا تو انہوں نے جواب دیا

" إن كان ذاك منه خلقا فقدمه واضرب عنقه وإن كانت هي طيرة طارها فأغرمه ديته أربعة آلاف"[3]

"اگر وہ وہاں کا پیدائشی ہے تو قاتل کی گردن اڑادو اور اگر وہ وہاں کا پیدائشی نہیں

---

1 مالك بن أنس، الموطا، كتا ب الحدود، بَاب الْحَدِّ فِي الْقَذْفِ والنفى، رقم الحديث:3064

2 علي بن حسام الدين ، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب الارتداد والاحكام ، مسند عمر ، رقم الحديث: 1467

3 البیہقی ، السنن الكبرى، الروايات فيه عن عمر بن الخطاب ، رقم الحديث: 15708

تو قاتل کے ذمے اس کی دیت چار لاکھ درہم لازم کر دو۔"

حد خمر کا اجراء

" عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ إِنِّي وَجَدْتُ مِنْ فُلَانٍ رِيحَ شَرَابٍ فَزَعَمَ أَنَّهُ شَرَابُ الطِّلَاءِ وَأَنَا سَائِلٌ عَمَّا شَرِبَ فَإِنْ كَانَ يُسْكِرُ جَلَدْتُهُ فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ تَامًّا۔ "[1]

"سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نکلے اور کہا کہ میں نے فلاں کے منہ سے شراب کی بو پائی۔ وہ کہتا ہے میں نے شرابِ طلاء پی اور میں پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں نشہ ہے تو اس کو حد ماروں گا۔ پس عمر نے اس کو پوری حد لگائی۔"

قصاص میں مقتولین کو قتل کی سزا

سعید بن المسیبؒ (م:94ھ) کہتے ہیں

" أن عمر بن الخطاب قتل نفرا خمسة أو سبعة برجل قتلوه ۔ "[2]

"حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شخص کے بدلے میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا اور یہ سب لوگ اس کے قتل میں شریک تھے۔"

کان کی دیت

"أن عمر رضي الله عنه قضى في الإذن بنصف الدية۔"[3]

"حضرت عمر نے کان کی دیت میں نصف دیت کا فیصلہ دیا"

عثمانی دور میں حدود و قصاص کی تنفیذ

حضرت عمر کی شہادت کے بعد شوریٰ کی جماعت کے متفقہ فیصلے سے حضرت عثمان یکم محرم چوبیس ہجری کو تیسرے خلیفہ نامزد ہوئے اور 18 ذوالحجہ سن 35 ہجری شہادت تک خلیفہ رہے۔ حضرت عثمان بن عفان بڑے ہی نرم دل حکمران تھے۔ شورش پسند لوگوں نے آپ کی اس طبعی نرم دلی کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ آخر انہی شورش پسند لوگوں نے آپ کو 35 ہجری 18 ذی الحجہ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت عمر نے جو

---

1 مالک بن انس ، الموطاء، کتا ب الاشربه ، بَاب الْحَدِّ فِي الْخَمْرِ ، رقم الحديث: 3116

2 البیہقی ، السنن الکبریٰ، کتاب الحدود، رقم الحدیث: 15751

3 ایضاً، کتاب الدیات، باب الأذنين ، رقم الحديث: 16001

عدالتی نظام قائم کر دیا تھا، بدستور اسی پر عمل ہوتا رہا تاہم انہوں نے اس سلسلے میں ایک تبدیلی کی کہ عدالتی نظام کو مسجد سے علیحدہ کر دیا اور عدلیہ کے لیے ایک علیحدہ عمارت بنوادی جو دار القضاء کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپ نے اگرچہ کچھ صوبوں کے گورنروں کو تبدیل کیا لیکن حضرت عمر کے کسی قاضی کو نہیں بدلا۔ آپ کے دور کے چند مشہور حدود و قصاص کے واقعات مندرجہ ذیل ہیں:

حد زنا کا نفاذ

امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عثمان کے پاس ایک عورت آئی

" قَدْ وَلَدَتْ فِي سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُرْجَمَ فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَيْسَ ذَلِكَ عَلَيْهَا إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا " وَقَالَ "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ " فَالْحَمْلُ يَكُونُ سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَلَا رَجْمَ عَلَيْهَا فَبَعَثَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فِي أَثَرِهَا فَوَجَدَهَا قَدْ رُجِمَتْ"[1]

" جس کا بچہ چھ ماہ میں پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے رجم کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس پر رجم نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ آدمی کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہوتا ہے اور دوسری جگہ فرمایا! مائیں اپنے بچوں کو پورے دوبرس دودھ پلائیں۔ جو شخص رضاعت کو پورا کرنا چاہے تو حمل کے چھ ماہ ہوئے۔ اس وجہ سے رجم نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے یہ سن کر لوگوں کو اس عورت کے پیچھے بھیجا تاکہ اس عورت کو رجم نہ کریں دیکھا تو وہ رجم ہو چکی تھی۔ "

حد سرقہ کا اجراء

عمرۃ بن عبد الرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان کے زمانے میں ترنج چرایا

" فَأَمَرَ بِهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ أَنْ تُقَوَّمَ فَقُوِّمَتْ بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ مِنْ صَرْفِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا بِدِينَارٍ فَقَطَعَ عُثْمَانُ يَدَهُ۔"[2]

" حضرت عثمان نے اس کی قیمت لگوائی وہ تین درہم کا نکلا، بارہ درہم فی دینار کے

---

[1] مالک بن انس، الموطا، کتا ب الحدود ، بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجْمِ ، رقم الحدیث: 3045

[2] ایضاً، بَاب مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ ، رقم الحدیث: 3076

حساب سے تو حضرت عثمان نے اس کا ہاتھ کاٹا۔"

حد خمر غلام پر جاری کی

" وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَدْ جَلَدُوا عَبِيدَهُمْ نِصْفَ حَدِّ الْحُرِّ فِي الْخَمْرِ"[1]

" اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور عبد اللہ بن عمر رضوان اللہ اجمعین نے اپنے غلاموں کو آزاد کے نصف حد لگائی۔"

حد ارتداد

حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے

"أخذ ابن مسعود قوما ارتدوا عن الإسلام من أهل العراق فكتب فيهم إلى عثمان، فكتب إليه أن أعرض عليهم دين الحق وشهادة أن لا إله إلا الله فإن قبلوها فخل عنهم وإن لم يقبلوها فاقتلهم۔"[2]

" اہل عراق میں سے ابن مسعود نے ایک قوم کو پکڑا جو مرتد ہو گئی تھی۔ انہوں نے حضرت عثمان کو خط لکھا تو آپ نے جواب دیا کہ ان پر دین حق اور کلمہ شہادت پیش کرو اگر قبول کر لیں تو جانے دو اگر قبول نہ کریں تو قتل کر دو۔"

قتل کا فیصلہ

حضرت عثمان بن عفان کا خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلا مقدمہ، جو ان کی عدالت میں پیش ہوا

" ابو لولو مجوسی (م:24ھ) نے سیدنا عمر کو شہید کر دیا تو ان کے بیٹے عبید اللہ (م:37ھ) نے جوش انتقام سے مغلوب ہو کر قتل کی سازش میں شریک ہونے کے شبہے میں فارس کے نو مسلم جرنیل ہرمزان، ایک نصرانی جفینہ اور ابو لولو کی بیٹی کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ہرمزان (م:24ھ) اور ابو لولو کی بیٹی پہلے سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس موقع پر سیدنا عثمان نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ

---

1 مالک بن انس ، الموطا، کتا ب الاشربه ، بَاب الْحَدِّ فِي الْخَمْرِ ، رقم الحديث: 3118

2 علي بن حسام الدين ، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب الارتداد والاحكام ، مسند عثمان ، رقم الحديث: 1473

طلب کیا کہ عبید اللہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہو گا کہ کل عبید اللہ کے والد قتل ہوئے ہیں اور آج اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر کی شہادت اور اس مخصوص جذباتی کیفیت کی رعایت کرتے ہوئے جس میں عبید اللہ نے تہرے قتل کا ارتکاب کیا تھا، اس سے قصاص نہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔"[1]

عہد علی میں حدود و قصاص کا نفاذ

پینتیس ہجری میں حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت علی مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ مقرر ہوئے۔ ان کا دور حکومت 24 ذوالحجہ سن 35 ہجری سے 21 رمضان سن 40 ہجری تک کا ہے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ نے خود یمن قاضی بھی بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت علی، حضرت عمر کی طرح خود اعلیٰ پایہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور میں قضاء کے فرائض سر انجام دیئے تھے ۔آپ کو اس کام کا بڑا تجربہ تھا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ تم سات چیزوں میں دوسرے لوگوں سے افضل ہو۔ ان سات چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم امورِ الٰہی میں بہتر قاسم ہو اور دوسرا یہ کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے بہت بڑے قاضی ہو۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" أرحم أمتي بأمتي أبو بكر . وأشدهم في دين الله عمر . وأصدقهم حياء عثمان . وأقضاهم علي بن أبي طالب۔"[2]

حدود و قصاص کے حوالے سے حضرت علی کے چند مشہور فیصلے مندرجہ ذیل ہیں:

شراحہ ہمدانیہ کو رجم کرنا

حضرت علی نے بیان کیا جب جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم کیا تو کہا کہ میں نے اس کا رجم رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کیا ہے۔

---

[1] ابن جریر، محمد بن جریرطبری، ابی جعفر، تاریخ الامم والملوک ، مترجم سید ابراہیم ندوی ، تاریخ طبری، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی ، 2004، جلد3، ص:273

[2] ابن ماجه،السنن، كتاب في الإيمان وفضائل الصحابة ، باب في فضائل أصحاب رسول الله، رقم الحديث:154

"قيل جلدها يوم الخميس ورجمها يوم الجمعة فقيل له أجمعت بين حدين عليها فقال جلدتها بكتاب الله ورجمتها بسنة رسول الله۔"[1]

"شراحة بنت مالک ہمدانیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے جمعرات کو کوڑے مارے اور جمعہ کو اسے رجم کیا اور اس پر دونوں حدیں جاری کیں۔ کوڑے قرآن مجید سے لگائے اور رجم سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق کیا۔"

کنوارے زانی کی سزا

حنشؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کے پاس ایک شخص لایا گیا

" قد زنى بامرأة وقد تزوج بامرأة ولم يدخل بها ، فقال : أزنيت ؟ فقال : لم أحصن ، فأمر به فجلد مائة۔"[2]

" جس نے کسی عورت سے زنا کیا تھا حالانکہ اس شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور دخول نہیں کیا تھا تو حضرت علی نے فرمایا کیا تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں تو آپ نے اسے سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔"

بغیر رخصتی والی عورت کو زنا کی سزا

نکاح والی عورت لیکن ابھی تک اس کی رخصتی نہیں ہوئی، زنا کرنے پر اس کے حوالے سے علاء بن بدرؒ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں

" فجرت امرأة على عهد علي بن أبي طالب وقد تزوجت ولم يدخل بها فأتى بها علي فجلدها مائة ، ونفاها سنة إلى هرى كربلا."[3]

" حضرت علی کے دور میں ایک عورت نے زنا کیا جو شادی شدہ تھی اور خاوند نے اس سے جماع نہیں کیا تھا۔ اسے حضرت علی کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس پر سو کوڑوں کی حد جاری کی اور ایک سال کے لیے کربلا کی طرف جلاوطن کر دیا۔"

---

1 البخارى، الجامع الصحيح، كتاب الحدود، بات رجم المحصن، رقم الحديث: 6427

2 علي بن حسام الدين ، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب الحدود، مسند على، رقم الحديث: 13487

3 ايضاً، رقم الحديث: 13488

حد سرقہ کا جاری کرنا

حضرت علی کا چور پر حد جاری کرنا

" أن عليا قطع يد سارق في بيضة من حديد ثمن ربع دينار۔ "[1]

" علی نے چور کا ہاتھ انڈے کی چوری پر کاٹا جس کی قیمت چوتھائی دینار تھی۔"

حد ارتداد جاری کرنا

عثمان نھدیؒ سے روایت ہے

"أن عليا استتاب رجلا كفر بعد إسلامه شهرا فأبى فقتله۔"[2]

" حضرت علی نے ایک شخص کو اسلام کے بعد کفر اختیار کرنے پر توبہ کا کہا۔ اس شخص نے توبہ سے انکار کیا۔ پس اسے قتل کرا دیا۔"

اسی طرح حضرت علی کا زنادقہ پر حد ارتداد کا جاری کرنا: عکرمہ (م:15ھ) سے روایت ہے کہ

" أتي علي رضي الله عنه بزنادقة فأحرقهم ۔ "[3]

"حضرت علی کے پاس زنادقہ لائے گئے پس انہوں نے انہیں آگ میں جلا دیا"

حد حرابہ کی سزا

حضرت علی نے خوارج کے خلاف اعلان جہاد کیا اور ان کو جنگ نہروان میں ختم کر کے چھوڑا۔[4]

دیت کا فیصلہ

"عن الحسن : أن عليا رضي الله عنه قضى بالدية اثني عشر ألفا۔ "[5]

---

1 البیھقی ، السنن الکبریٰ، کتاب السرقہ، باب ما جاء عن الصحابة رضي الله عنهم فيما يجب به القطع ، رقم الحديث: 16967

2 علي بن حسام الدين ، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، كتاب الارتداد والاحكام ، مسندعثمان، رقم الحديث: 1474

3 البخاری ، الجامع الصحيح ، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين و قتالهم، بابحكم المرتد والمرتدة واستتابتهم ، رقم الحديث: 6524

4 نجیب آبادی، اکبر شاہ، تاریخ اسلام، جلد1، ص:548

5 البیھقی ، السنن الکبریٰ، كتاب الديات، باب تقدير البدل، رقم الحديث: 15960

"حسن سے روایت ہے کہ حضرت علی نے بارہ ہزار درہم پر دیت کا فیصلہ دیا۔"

پہلی اسلامی ریاست مدینہ منورہ کی بنیاد خود رسول ﷺ نے فرمائی اور وہاں حدود و قصاص کے قوانین جاری فرمائے اور مدینہ منورہ میں ایسا اسلامی ماحول پیدا ہوا کہ آج تک دنیا کے لیے مثال ہے۔ آپ ﷺ کے بعد چاروں خلفاء نے خلافت کے ادارے کو بام عروج تک پہنچایا۔ یہ دور مسلمانوں کی تاریخ میں بہترین دور شمار کیا جاتا ہے۔ یہ دور 12 ربیع الاول، 11 ہجری حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت سے شروع ہوا اور 21 رمضان، 40 ہجری کو حضرت علی کی شہادت پر ختم ہوا۔ ان حضرات نے اپنے دور میں شریعت کو قائم کرنے کا حق ادا کیا اور قوانین حدود و قصاص کا نفاذ فرمایا اور پھر لوگ ان کے عدل سے مستفید ہوئے۔ ان کے دور میں فوجداری مقدمات کے فیصلے خلفائے راشدین خود بنفس نفیس فرمائے اور ان کے مقرر کردہ قضاۃ دیوانی و دیگر مقدمات کے فیصلے فرما کر امت کو عدل و انصاف مہیا کرتے۔

باب سوم: قوانینِ حدود و قصاص کی تنفیذ سے متعلق ریاستی اقدامات

فصل اول: قوانینِ حدود و قصاص کے نفاذ میں معاون اساسی اقدامات

اسلام محض چند عبادات کا مجموعہ نہیں کہ جن کی بجا آوری پر اخروی کامیابی کا دارومدار ہے، بلکہ اسلام اپنے ہمہ گیر قوانین حیات اور احکام زندگی کی رو سے ایک مکمل دین ہے۔ یہ ایک ایسا کامل دین ہے جس میں انسان کی سماجی، تمدنی، تاریخی، معاشی، فکری، اخلاقی، تعلیمی، دفاعی اور قانونی زندگی کی تمام جہات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے اصول پائے جاتے ہیں۔ تمام شعبہ ہائے حیات میں ان مختلف اصولوں کو نافذ کرنے اور ان کو بہتر انداز سے عمل میں لانے کے لیے ایک ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد ہی زندگی کے اجتماعی گوشوں میں ان اصولوں کو آزمایا جا سکتا ہے اور ان سے بہترین نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اسلام اور ریاست لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ اگر ریاست اور حکومت اسلام سے علیحدہ ہو جائے تو وہ ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور نتیجتاً چنگزیت رونما ہوتی ہے۔ اگر اسلام اقتدار کے بغیر ہو تو اس کے ایک حصہ پر عمل ممکن نہیں رہتا اور اسلام محض عقائد و عبادات کا مجموعہ رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست اور اس کے حاکم (سربراہ) کے حوالے سے ارشاد فرمایا

"اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوْأَمَانِ لَا يَصْلُحُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا اِلَّا بِصَاحِبِه فَالْاِسْلَامُ أُسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَّمَا لَا أُسَّ لَهُ يهْدِمٌ وَّمَا لَا حَارِسَ لَه ضَائِعٌ "[315]

"اسلام اور اقتدار دو جڑواں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔"

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ بحیثیت مسلمان زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دے دیں اور اپنے انفرادی واجتماعی تمام معاملات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اتباع رسول ﷺ کے مطابق کریں۔ مسلمان جب تک اسلامی و فلاحی ریاست قائم نہ کر لے وہ بحیثیت مسلمان چین سے ایک نظام باطل میں زندگی نہیں گزار سکتے کیونکہ اسلامی ریاست مسلمانوں کے نظام فکر،

---

315 علي بن حسام الدين، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال،كتاب الإمارة ،الفصل الأول في الترغيب فيها،مؤسسة الرسالة،الطبعة الخامسة، 1401ھ/1981م، رقم الحديث:14613

نظام تمدن اور نظام اخلاق کی ضامن اور محافظ ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست سے متعلق اس بات کو ہمیشہ مد نظر رکھیں کہ اسلام نے ریاست کے قیام کے لیے جو اصول فراہم کیے ہیں وہ اصول اپنے مزاج کے لحاظ سے دیگر تمام ریاستی قوانین سے یکسر مختلف ہیں۔ اسلامی ریاست کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور اسلامی ریاست کا مقصد اس کے تمام احکام و فرامین کو بلا کم و کاست، ابنائے آدم پر نافذ کرنا اور تمام قضیوں میں اس کے نازل کردہ قانون کے مطابق فریقین کے مابین عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے۔ اسلام اپنے فوجداری قوانین کے ضمن میں تنفیذ حدود و قصاص سے قبل فرد، معاشرہ اور ریاست کی سطح پر ایسے انقلابی اقدام کرتا ہے جس سے مجرم کے لیے جرم کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے اور اگر وہ جرم کرتا ہے تو اجرائے سزا میں اس کے لیے ایسی کوئی نرمی باقی نہیں رہتی جو اسے سزا کے نفاذ سے بچا سکتی ہو۔ قوانین حدود و قصاص کے تنفیذ کے لیے ایک ریاست کو مندرجہ ذیل اقدامات اختیار کرنا ہوں گے:

1۔ عدل و انصاف کا قیام

شبیر احمد عثمانیؒ کے مطابق عدل سے مراد "کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا، جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونا چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔"[316] کسی بھی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے تمام عناصر کے ربط و ضبط میں توازن و اعتدال پایا جائے۔ یہ اصول ہر معاشرے اور ہر ملک و قوم کے لیے ہے۔ اسلامی و فلاحی ریاست کی تشکیل میں اسی اصول کی ہر قدم پر ضرورت پڑتی ہے، اسی اصول پر عمل پیرا ہو کر دینوی و دنیاوی ترقی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے اخروی فلاح کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ فطرت کے اس اصول توازن کے تحت کاروبار حیات چلانے کے لیے اسلامی ریاست میں حکومتی سطح پر بعض اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ نظام عدل و قضا بھی انہی میں سے ایک ہے۔ اسلامی تعلیمات کے تناظر میں عدل و انصاف کا قیام اسلامی و فلاحی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے اور اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے عدلیہ کا ادارہ قائم کیا جاتا ہے۔

قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ کے لیے ریاست میں عدل و انصاف کا قیام ضروری ہے اور یہ حکومت،

---

316 عثمانی، شبیر احمد، مولانا، تفسیر عثمانی، نفیس پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص:140

حکومتی اداروں اور صاحب اختیار لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ و اسلامی فلاحی مملکت میں ہر کسی کو ہر صورت میں عدل و انصاف ملے، یعنی معاشرے میں ہر صورت میں قانون کا نفاذ ہو۔اس اصول سے انحراف کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ فطری توازن سے ہٹ گیا ہے، جس کا انجام تباہی و بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن و سنت کی صورت میں ایک دائمی و ابدی ہدایت موجود ہے جو انہیں زندگی کے جملہ معاملات میں راہنمائی اور عدل وانصاف کے قیام وبقاء کے لیے ابد تک کافی ہے۔اس حوالے سے سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ (م:1979ء) لکھتے ہیں:

" اسلام دین حق ہے جو خالق کائنات نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے اور ان کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے، خالق کائنات کا ہی کام ہے۔ لہذا کوئی اور نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے اور نہ ہی کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کرسکے۔ اگر امت اس حقیقت کو دل و جان سے تسلیم کرلے تو وہ کبھی عدل اجتماعی کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اسلام کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا دراصل نظام عدل اجتماعی کا ہی قیام ہے۔"[317]

معاشرے میں عدل کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے اور خالق کائنات نے جس طرح اس کائنات کی بنیاد عدل وتوازن پر قائم فرمائی ہے اسی طرح اس کا منشا یہ ہے کہ بندے بھی اپنی معاشرتی، سیاسی اور معاشی زندگی اس نظام عدل کی اساس پر استوار کریں۔ باہمی معاملات میں عدل کم سے کم درجہ ہے، اس سے کم تر درجہ ظلم ہے اور برتر درجہ قسط اور احسان کا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ عدل کے ساتھ سترہ آیات مبارکہ موجود ہیں اور لفظ قسط بمعنی انصاف کے ساتھ بتیس آیات مبارکہ میں عدل و انصاف کی اہمیت بیان ہوئی ہے، جیسا کہ لفظ "عدل" کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۔﴾[318]

"بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو اور جب فیصلہ کرنے لگو تو فیصلہ انصاف سے کرو بے شک اللہ تعالی تمہیں جس بات کی نصیحت

[317] مودودی ، اسلامی ریاست، ص: 606

[318] النساء ، 58:4

کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔"

لفظ "قسط" والی آیات مبارکہ بھی عدل و انصاف کو ہی ظاہر کرتی ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [319]

"اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان مکمل عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرو بے شک اللہ تعالی عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں عدل و احسان کو جمع کر دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ [320]

"اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتے ہیں۔"

کیونکہ منصب رسالت میں سے ایک منصب عدل کا قیام ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ [321]

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل رکھوں۔"

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ رویہ اختیار نہیں کیا جاتا اس وقت تک عدل وانصاف کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہئے تاہم حاکم وقت کے لیے عادل ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ ابن القیّم الجوزیہؒ (م:691ھ) کی زبانی یوں بیان کیا جا سکتا ہے

"اللہ کے دین کا مقصد یہی ہے کہ اس کے بندوں کے درمیان تمام معاملات میں عدل کیا جائے تاکہ لوگ انصاف اور راستی پر قائم رہیں۔" [322]

اسی طرح اسلام میں عدل و انصاف سے متعلق احادیث مبارکہ میں بہت زیادہ مواد موجود ہے، جیسا کہ

---

319 المائدہ، 42:5

320 النحل، 90:16

321 الشوریٰ ، 15:42

322 ابن قیم ، الجوزیه، الطرق الحکمیه فی السیاسة الشرعیة ، طبع مصر، 1961، ص:17

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

" إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا "[323]

" انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے ممبروں پر دائیں ہاتھ بٹھائے جائیں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومتی معاملات میں، اپنے گھر والوں کے درمیان اور جو ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی گئی ہو اس میں بھی انصاف کرتے ہوں۔"

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت اور کتب و شریعت کے نزول کا مقصد ہی عدل وانصاف پر مبنی نظام کا قیام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل و انصاف پر مبنی ایسا معاشرہ قائم فرمایا کہ دوستی و دشمنی کی وجہ سے نہ تو اس کے قواعد وضوابط بدلتے ہیں اور نہ ہی افراد کی باہمی قرابت یا اقوام کے باہمی بغض و عناد سے متأثر ہوتا ہے۔ اس سے تمام انسان یکساں مستفید ہوتے ہیں، نہ تو حسب و نسب کا فرق ان میں تفریق و امتیاز کا باعث بنتا ہے نہ مال و جاہ کا، اسی طرح دوسری قومیں بھی اس سے مستفید ہوتی ہیں چاہے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عداوت و دشمنی ہی کیوں نہ ہو۔ عدل کے باب میں یہ ایسا بلند معیار ہے جسے آج تک کوئی قومی یا بین الاقوامی قانون نہیں پا سکا ہے۔ انسانی زندگی کے لیے اہمیت کی حامل عدل وانصاف کی مختلف جہات اور پہلوؤں کو اجتماعی طور پر مندرجہ ذیل اجزاء میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

1.1 عدل وانصاف کا معاشرتی کردار

معاشرتی سطح پر عدل کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کو پیدائشی طور پر مساوی تسلیم کیا جائے۔ عدل وانصاف کے قیام وبقاء کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ایسی مساوات قائم کی کہ حقوق و فرائض کے باب میں، قانون کے سامنے اور اللہ کے حضور ہر جگہ اور ہر حیثیت سے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل صالح کے سوا فضیلت و امتیاز کو کائی اور معیار نہیں ہے۔ یہ انسانیت کی ایک ایسی لاثانی معراج ہے، جس میں ایک بلند تر انسان نے جنم لیا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ پوری جنس انسانی کی بنیاد مٹی ہے اور بلا استثناء ہر فرد حقیر پانی سے وجود میں آیا

---

[323] المسلم، الجامع الصحیح ، کتاب الامارۃ، باب فضیلة الامام العادل، رقم الحدیث: 4825

ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعدد فرامین سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انسان اولادِ آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اسلام نے معاشرتی عدل کی بنیاد مندرجہ ذیل الہامی اصول پر رکھی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾[324]

"اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔"

مذکورہ آیت مبارکہ میں تین ایسی باتوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر انسانی معاشرے کی درستگی کا انحصار ہے۔ پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات اور ایک دوسرے کا پاس و لحاظ رکھنا ہے۔ اس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل معاشرے کی اساس ہے جو اسے ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے جبکہ احسان معاشرے کا جمال اور اس کا کمال ہے جو اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ تیسری چیز صلہ رحمی ہے جو اعزہ و اقارب کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب استطاعت شخص اپنے مال میں اپنی ذات اور اپنے بچوں کے ساتھ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔

شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا پابند کرتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے غریب افراد کی کفالت کی ذمہ داری اپنے سر لیں ۔ اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے

" من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه"[325]

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے روزی میں فراخی اور عمر میں برکت دی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔"

---

324 النحل، 90:16

325 البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب لادب ، باب من بسط له في الرزق بصلة، رقم الحديث: 5640

مذکورہ حدیث کا انفرادی پہلو یہ ہے کہ انسان کے بیشتر خانگی معاملات اور معاشرتی تنازعات ذہنی تناؤ اور مالی پریشانی کے سبب وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ صلہ رحمی کی وجہ سے نہ صرف خانگی مسرت اور اطمینان قلب رہتا ہے بلکہ دولت اور رزق میں بھی برکت ہوتی ہے۔ حدیث کا معاشرتی پہلو یہ ہے کہ صلہ رحمی سے عدل اجتماعی کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے الہامی ہدایات کے مطابق ایسا نظام عدل قائم کیا جس کی رو سے نہ کوئی فرد بالذات کسی دوسرے فرد سے افضل ہے اور نہ ہی کسی قوم کا اپنے حسب ونسب کی اعتبار سے دیگر اقوام پر فضیلت کا دعویٰ درست ہے۔ تمام افراد آپس میں حسب اور نسب کے اعتبار سے بھائی بھائی اور برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اقوام اور قبائل برابر ہیں، اختلاف کی نوعیت اس قدر ہے کہ باہمی تعارف میں آسانی ہو اور لوگ ایک دوسرے سے ربط و تعلق پیدا کریں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[326]

"ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں برتر وہی لوگ ہیں جو زیادہ تقویٰ والے ہوں۔"

اسی طرح یہ حدیث مبارکہ بھی سب لوگوں کو ایک ہی مرکز پر لا کھڑا کرتی ہے کہ

" يا أيها الناس ألا إن ربكم واحد وإن أباكم واحد إلا لا فضل لعربي على أعجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأحمر على أسود ولا أسود على أحمر إلا بالتقوى"[327]

"اے لوگو! تمہارا رب اور باپ ایک ہے، خبردار کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی کوئی فوقیت حاصل ہے، ماسوائے تقوی کے اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔"

---

326 الحجرات ، 13:49

327 احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، حديث رجل من أصحاب النبي، رقم الحديث: 23536

رسول اللہ ﷺ نے عدل و انصاف کا جو نظام قائم فرمایا اس میں کسی بھی سطح پر افراط و تفریط کی اجازت نہیں دی گئی۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ محمد ﷺ کے گھر والوں کا حد سے زیادہ احترام نہ کرنے لگیں۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں صاف طور پر آگاہ کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی حمایت نہیں کر سکیں گے، جیسا کہ ارشاد رسول ﷺ ہے

" يا معشر قريش اشتروا أنفسكم لا أغني عنكم من الله شيئا يا بني مناف لا أغني عنكم من الله شيئا يا عباس بن عبد المطلب لا أغني عنك من الله شيئا ويا صفية عمة رسول الله لا أغني عنك من الله شيئا ويا فاطمة بنت محمد سليني ما شئت من مالي لا أغني عنك من الله شيئا۔"[328]

"اے اہل قریش، اے بنو عبد مناف، اے عباس ابن عبد المطلب، اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد میرے مال میں سے جو چاہو لے لو لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی زندگی کے ہر پہلو میں پوری مساوات قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ قلب انسانی کو ہر طرح کی احتیاج اور مصنوعی سماجی اقدار کے دباؤ سے آزاد کر کے مساوات کو اصولی طور پر متحقق کر دینے کے بعد اس امر کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اسلام الفاظ میں اور ظاہری شکلوں کی تعیین کے ساتھ بھی مساوات کا اعلان کرے۔ لیکن اس نے یہ بھی کیا، کیونکہ مساوات اسے بہت عزیز ہے۔ وہ اسے نسل و قبیلہ اور خاندان و مقام کی تنگیوں سے آزاد، مکمل انسانی شکل میں قائم دیکھنا چاہتا ہے کہ مغرب کے مادہ پرست نظاموں کی طرح اس مساوات کا دائرہ صرف اقتصادی امور تک محدود نہ ہو جائے، بلکہ زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہو۔

اسلام میں عدل کی بنیاد عقائد پر ہے، یہی وجہ ہے کہ عقائد اور عدل کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔ اسی طرح اسلام کا تصور عبادات بھی نہایت جامع اور عدل کے ساتھ مربوط ہے۔ چنانچہ عبادات محض چند مراسم عبودیت بجالانے کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت یہ ہے کہ پوری زندگی اللہ کے قانون کے تابع ہو جائے۔

[328] البخاری، الجامع الصحیح، كتاب الوصايا، باب هل يدخل النساء والولد، رقم الحديث: 2602

لہذا اخلاص سے کیا جانے والا ہر ایسا کام جس کا تعلق معاشرتی فلاح اور رفاہ عامہ سے ہو، عبادت شمار ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کی بے شمار احادیث اس بات کی تائید میں وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا

"السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ۔"[329]

"غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے، رات بھر نماز پڑھنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا ہے۔"

دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے مخلوق کے حوالے سے ارشاد فرمایا

" الخلق كلهم عيال الله فأحب الخلق إلى الله أنفعهم لعياله۔"[330]

" تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے تمام مؤمنین کو ایک جسم سے تشبیہ دی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا

"تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى"[331]

"تو مؤمنین کو آپس میں رحم کرنے محبت کرنے اور نرمی کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھے گا، جب اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

1.2 معیشت میں عدل

معیشت اور معاشرت دونوں کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ کوئی بھی معاشرتی یا سیاسی نظام اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک مستحکم معاشی نظام قائم نہ ہو اور اسی طرح معاشی استحکام کے بغیر سیاسی یا معاشرتی استحکام ممکن نہیں ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں ایک جانب دولت کا ارتکاز ہوتا ہے اور

---

329 البخاری ، الجامع الصحیح،کتاب النفقات،باب فضل النفقة علی الاهلی،رقم الحدیث: 5038

330 علی بن حسام الدین،کنز العمال فی سنن والاقوال،الفصل الاول فی الترغیب فیها،رقم الحدیث:16056

331 البخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الادب ، باب رحمة الناس، رقم الحدیث: 5665

دوسری جانب فقر اور احتیاج کا دور دورہ ہو جاتا ہے جس سے انسان ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"کاد الفقر ان یکون کفراً "[332]

" قریب ہے کہ فقر تمہیں کفر تک نہ لے جائے"۔

رسول اللہ ﷺ نے معاشی عدل کی بنیاد اجتماعی تکافل کے مؤثر نظام پر قائم کی ہے۔ اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل عطا کرتا ہے اور اعلیٰ ترین معنی میں انسانی مساوات قائم کرتا ہے۔ اسلام انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ہے۔ اس ذمہ داری کو اجتماعی تکافل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عدل و انصاف کا نظام معاشرے میں اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک فرد اور اس کے اعزہ و اقارب کے مابین بھی تکافل کا اصول پوری طرح کار فرمانہ ہو۔ خاندان سماج کی عمارت کی بنیادی اینٹ ہے۔ باہمی کفالت کا نظام انسانی فطرت میں موجود میلانات و رجحانات کے پاکیزہ جذبات کے تقاضوں کی تکمیل پر قائم ہے۔ اسلام کا بنایا ہوا یہ نظام ایک خاندان کے مختلف افراد اور یکے بعد دیگرے آنے والی مختلف پشتوں کے درمیان تکافل کا ایک اہم مظہر ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضابطہ دولت کو مسلسل تقسیم کرتا رہتا ہے اور اس کو ایک جگہ اتنا زیادہ نہیں جمع ہونے دیتا کہ یہ اجتماع سماج کے لیے ایک خطرہ بن جائے۔ چنانچہ ہر فرد سب سے پہلے اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو بحسن و خوبی سر انجام دے اور معاشرے کے مصالح کی نگرانی اس طرح ملحوظ رکھے جیسے تنہا اسی کو ان کا محافظ و نگراں بنا دیا گیا ہو۔ سماج میں ہر فرد بیک وقت نگران بھی ہے اور زیر نگران بھی۔ یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کے قیام و بقاء کی ذمہ داری سے کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"کلکم راع ومسؤول عن رعیته فالإمام راع ومسؤول عن رعیته[333]"

" تم میں ہر ایک نگراں ہے اور اس سے اس کے زیر دست لوگوں کی بابت باز

---

332 البیهقي، أبو بکر أحمد بن الحسین ، شعب الایمان، دار الکتب العلمیة، بیروت ، الطبعة الأولی، 1410ھ، رقم الحدیث:6612

333 البخاری ، الجامع الصحیح، باب العبد راع فی مال سیده، رقم الحدیث:2419

پرس بھی ہو گی۔"

رسول اللہ ﷺ نے اجتماعی تکافل کو اس کی تمام ممکنہ شکلوں کے ساتھ قائم فرمایا۔ اس لیے اسلام فرد کو اس حد تک آزادی عطا کرتا ہے جہاں تک وہ نہ اس کی ذات کے لیے مضر ہو اور نہ جماعت کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ اسلام جماعت کو اس کے پورے حقوق دیتا ہے لیکن ساتھ ہی ان حقوق کے مقابلہ میں اس کو بہت سی ذمہ داریوں کا مکلف بھی ٹھہراتا ہے تاکہ انسانی زندگی اپنی سیدھی ڈگر پر چلتے ہوئے ان بلند مقاصد تک جا پہنچے، جن کے لئے جماعت اور فرد دونوں یکساں طور پر مصروف عمل ہیں۔

1.3 قانون سازی میں عدل

قانون سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، البتہ قوانین کی حدود مقرر کر دی گئی ہیں۔ زمانے کے تقاضوں اور جدید پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے انہی حدود کے اندر قانون سازی کی جاسکتی ہے اور قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ سماجی اور قانونی سطح پر بلا تخصیص تمام انسانوں کے لئے کامل مساوات عدل و انصاف کی اساس اوّل ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ﴾[334]

"اے ایمان والو! پوری قوت کے ساتھ عدل و انصاف کی گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو ہر حال میں عدل کرو یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔"

تعلیمات نبوی ﷺ میں حاکم وقت اور عام شہری کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ قانونی مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جتنا جرم کیا جائے اتنی ہی سزا دی جائے اور اسی کو سزا دی جائے جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلامی نظام عدل کا مقصود یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد کے حقوق برابر ہوں، ان کے درمیان اختلافات بالکل پیدا نہ ہوں اور اگر پیدا ہوں تو ترقی نہ کریں۔ اسلام کے نظام عدل میں عدالت حاکم وقت سے لے کر عام شہری تک ہر ایک کو جواب دہی کے لیے طلب کر سکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے۔ اس کی عملی مثالیں اسلام کے نظام عدل میں موجود ہیں۔ حضرت عمر

---

334 المائدہ، 8:5

فاروق اپنے دور میں مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت کی عدالت میں اور حضرت علی اپنے دور کے مشہور قاضی، قاضی شریح کی عدالت میں باقاعدہ حاضر ہوئے۔ یہ قاضی کی نہیں، بلکہ قانون کی بالادستی ہے جو خود قاضی پر بھی نافذ ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اولاد آدم کے حقوق کی مساوات کا اعلان کیا، قانون کی بالاتری قائم کی اور طاقتور و کمزور کے لیے یکساں احکام نافذ کیے۔ جب قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی فاطمہ بنت اسود سے چوری کا جرم سرزد ہوا، تو سزا میں تخفیف کی سفارش کے لئے اسامہ بن زیدؓ کو بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا، پھر خطبہ ارشاد فرمایا

" أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا"[335]

"اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ جب کوئی طاقتور چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

ایک غزوہ کے دوران میدان جنگ میں صحابہ کرام کی صفیں درست فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ایک شخص کے پیٹ میں چوٹ آگئی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ آؤ بدلہ لے لو۔ اس شخص نے آپ ﷺ کی ناف کا بوسہ لے کر اس چھڑی کو پھینک دیا اور کہا!

"هذا اردت ليكما نقمع الجبارين من بعدک۔"[336]

”میرا یہی مقصد تھا کہ ہم آپ ﷺ کے بعد ظالموں کی سرکوبی کر سکیں اور ان سے اپنا بدلہ لے سکیں۔“

معاشرے میں عادی مجرم بھی ہوتے ہیں اور شریف النفس بھی۔ عفو و درگزر سے مجرم اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن کہیں عفو و درگزر والا معاملہ سزا دینے سے زیادہ کارگر

---

335 المسلم ، الجامع الصحيح ، كتاب الحدود ، باب قطع السارق الشريف، رقم الحديث: 4505

336 الهيثمى ، نو رالدين ، على بن ابى بكر ، مجمع الزوائد و مجمع الفوائد، دار الفكر ، بيروت 1412ھ ، كتاب الديات ، رقم الحديث: 10731

ثابت ہوتا ہے۔ شر پسند افراد کو راہ راست پر لانے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں عدل وانصاف پر مبنی قواعد وضوابط ہوں۔ جرائم پیشہ افراد کے لیے سزا کا تعین ہو تاکہ شر پسند افراد پر امن شہریوں کا امن وسکون برباد نہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے قانون عدل کو جماعت اور حکومت کے ہاتھ میں اس لئے دیا ہے کہ یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ قانون عدل پر ہی جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اس کے عدم وجود سے حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو سلامت نہیں رہے گی۔لہذا اسلامی نظامِ عدل کے قیام وبقاء کے لئے ضروری ہے کہ انسانی جان کے تقدس کو پامال نہ ہونے دیا جائے۔ اس مقصد حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص کا اہم اصول بیان فرما کر اسے انسانیت کے لئے زندگی قرار دیاہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[337]

"اور اے عقلمندو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو۔"

اسلامی نظامِ عدل میں نرمی اور سختی دونوں پہلو برابر میں پائے جاتے ہیں۔ جرم ثابت ہونے پر مجرم پر ترس کھانے کو معیوب قرار دیا گیاہے۔ حدود کے معاملے میں عفو ودرگزر تو درکنار، نرمی کرنا بھی موجب عتابِ خداوندی ہے، تاکہ عدل کا نظام قائم رہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾[338]

"زانی اور زانیہ (غیر شادی شدہ) میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان پر اللہ کے معاملے میں ہرگز ترس نہ آئے۔"

جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے عفو ودرگزر اور احسان کا معاملہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ حتی کہ حدود میں بھی جرم ثابت ہونے سے قبل نرمی کرنے کی تاکید کی گئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول کتب حدیث میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے

" قال رسول الله ﷺ ادرؤا الحدود عن المسلمین مااستطعتم فان كان

---

[337] البقرہ، 179:2

[338] النور، 24:2

له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ فى العفو خير من ان يخطى فى العقوبة ۔"[339]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو، اگر بچنے کی کوئی صورت ہو تو اس کو چھوڑ دو، کسی حاکم کا معافی میں غلطی کرنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔"

مذکورہ بالا ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ عفو و احسان کا مقام قانون عقوبت سے بلند ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود جب قانون عدل حرکت میں آتا ہے تو پوری سختی اور شدت کے ساتھ آتا ہے۔ نظام عدل کے قیام و بقاء کے لئے ضروری ہے کہ حدود و قصاص اور تعزیرات کے مؤثر نظام کو نافذ کیا جائے۔

1.4 عدل وانصاف کا قیام ریاستی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کے ساتھ پہلا فریضہ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سپرد کیا ہے وہ لوگوں کے درمیان حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ ایک مستحکم اور صالح ریاست کے قیام سے ہی ممکن ہے۔ عدل پر مبنی ایسا نظام قائم کرنا امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری ہے جو لوگوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور لوگوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا ماحول فراہم کرے۔ اسلام نے اپنی پوری تاریخ میں عدل و انصاف پر مبنی نظام کی اہمیت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ تمام انبیاء کرامؑ وقت کی اجتماعی قوت کو اس کے تابع کرنے، اور زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرتے رہے تاکہ خدا کی زمین پر خدا کا دین قائم ہو اور اسی کا قانون جاری و ساری ہو۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت محمد ﷺ نے باقاعدہ اسلامی ریاست اور اس میں ایک معیاری نظام حکومت قائم فرمایا، اس لئے کہ سیاسی استحکام کے بغیر مقاصد شریعت کا حصول ممکن ہی نہیں ہے۔

---

[339] الہیثمی ، نو رالدین ، علی بن ابی بکر ، مجمع الزوائد و مجمع الفوائد، دار الفكر ، بيروت 1412ھ ، كتاب الديات ، رقم الحديث: 10732

محکومین کی جانب سے اطاعت، حکمران کے اس اعتراف پر ہے کہ حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس وقت تک ہے جب تک یہ وصف بر قرار ہے۔ قرآن میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی اطاعت اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرے اور قرآن و سنت کا پاسبان بن کر حکومت کرے۔ اگر کوئی حاکم حدود اللہ سے تجاوز کرے اور معصیت کا حکم دے تو ایسے حاکم کی اطاعت لازم نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

عَنْ النَّبِيِّ ﷺقَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔[340]

”ہر مسلمان کے لئے اولی لامر کی سمع و اطاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند۔ مگر جب اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع و اطاعت لازم نہیں۔“

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ[341]

”حکم سنو اور اس کی تعمیل کرو، خواہ تم پر ایسا حبشی حاکم بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کی مانند ہو۔“

عدل و انصاف کے قیام و بقاء کے ضروری ہے کہ حاکم حدود اللہ کو قائم رکھیں، محکومین اطاعت کریں اور اجتماعی معاملات باہمی مشاورت سے طے کریں۔ چنانچہ جن امور میں وحی کے ذریعے رہنمائی نہ کر دی جاتی تو ان میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سے مشورہ کرتے تھے، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

"اذا كان أمراؤكم خياركم وأغنياؤكم سمحاءكم وأموركم شورى بينكم فظهر الأرض خير لكم من بطنها وإذا كان أمراؤكم شراركم وأغنياؤكم بخلاء كم وأموركم إلى نسائكم فبطن الأرض خير لكم من ظهرها۔"[342]

”جب تمہارے حاکم تم میں سے بہترین لوگ ہوں، تمہارے مال دار سخی ہوں اور

---

340 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام ، باب سمع و اطاعة لامام ، رقم الحدیث: 6725

341 ایضاً،رقم الحدیث: 6723

342 الترمذی ، الجامع الترمذی، کتاب الفتن ، باب متی یکون ظهرا، رقم الحدیث: 2266

تمہارے معاملات باہم مشاورت سے طے ہوں تو زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور اگر تمہارے حاکم برے ہوں تمہارے مال دار بخیل ہوں اور معاملات عورتوں کے سپرد کر دیے جائیں، تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔"

عدل و انصاف کے قیام میں ریاستی ضرورت و اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا سکھائی ہے

﴿ وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴾[343]

"اے پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو داخل کر سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔"

مطلب یہ ہے کہ میرے پروردگار یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنادے تاکہ اس کی طاقت سے میں دنیا کے بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور معاصی کے سیلاب کو روک سکوں اور تیرے قانون عدل کو جاری کر سکوں، جیسا کہ اس فرمانِ رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے

"إِنَّ اللَّهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ۔"[344]

"اللہ تعالی حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب کر دیتا ہے، جن کا سدباب قرآن سے نہیں۔"

لہذا اقامت دین اور عدل و انصاف کے قیام کے لئے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب ہے، بلکہ اس کے قیام کی تمام کاوشیں اسی صورت میں بارآور ثابت ہو سکتی ہیں جب کوئی منظم حکومت اس جدوجہد کی پشت پناہی کے لئے موجود ہو۔

2۔ اہل اور تربیت یافتہ حکام کا انتخاب و تقرر

حکام بالا، بااختیار مقتدر عہدیداران اور ملازمین و اہلکاروں کے بغیر نظام حکومت نہیں چل سکتا۔ حکام میں صدر، وزیراعظم، گورنرز، وزراء سے مشیروں تک، قضاۃ سے لے کر فیصلہ لکھنے والوں تک اور مفتیان

---

343 بنی اسرائیل ، 80:17

344 ابن كثير، إسماعيل بن عمر بن كثير، القرشي، الدمشقي، تفسير القرآن العظيم، سورة الاسرا، دارالفكر، الطبعة الجديدة 1414 هـ/1994 م، جلد 3،ص:74

کرام تک سب شامل ہیں۔ ان سب مناصب پر اہل، ایماندار اور قابل لوگوں کا تقرر لازمی امر ہے۔ ان حکام کے انتخاب کے لیے شریعت مطہرہ نے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

2.1 ریاستی عہدوں پر اہل افراد کا تقرر

سیاست کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ ریاست میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے تمام عہدوں اور مناصب پر اہل، باصلاحیت اور ایماندار افراد کا تقرر کیا جانا چاہئے۔ حکومت کے اختیارات اور اموال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امانت ہیں جنہیں خدا ترس، ایماندار اور عادل لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے اور اس امانت میں کسی شخص کو اپنی مرضی کے مطابق، یا نفسانی اغراض کے لئے استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔ جب کسی منصب پر کسی نااہل شخص کا تقرر ہوتا ہے تو معاشرہ میں بدامنی، ظلم وزیادتی اور بے چینی کا آنا لازمی امر ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے

"فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟قَالَ إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔"[345]

"جب امانت ضائع کر دی جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ پوچھا کہ یارسول اللہ امانت کیسے ضائع ہوگی۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔"

اقربا پروری، تعلقات اور سفارش کی بنیاد پر جب عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نااہل اور ناتجربہ کار لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور نظام حکومت برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ بالخصوص ایسے ریاستی مناصب جن سے عوام کے حقوق وابستہ ہیں اور جن کے اختیار میں قوم کی دولت ہوتی ہے یا جن کے پاس قومی راز اور سلامتی و دفاع کے معاملات ہیں، تمام مناصب اہل اور امین افراد کو تفویض کیے جانے چاہئیں۔ اسی خدشہ کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب قوم کی قیادت اور اختیارات نااہل لوگوں کو تفویض کر دیے جائیں، تو قیامت کا انتظار کرو۔ نااہل اور بد دیانت عمال لوگوں پر وقت سے پہلے ہی قیامت ڈھادیں گے اور ان کا جینا حرام ہو جائے گا۔ اسی لیے لازم ہے کہ قیادت اس بات کو مدنظر رکھے کہ اہل لوگ مناصب پر فائز ہوں

[345] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم ، باب من سئل علما، رقم الحدیث:59

2.2 مناصب پر تقرری کا قرآنی اصول

قرآن مجید میں بہترین ملازم اور عہدیدار کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جس کام اور منصب کے لئے اس کو رکھا جائے، اس کام کی پوری اہلیت اور طاقت رکھتا ہو اور اس کام کو وہ پوری امانتداری سے ادا کرے۔ حضرت موسیٰؑ نے مدائن کے سفر میں دو لڑکیوں کی بکریوں کے پینے کیلئے پانی پلانے میں مدد دی۔ دونوں لڑکیوں نے اپنے باپ حضرت شعیبؑ سے حضرت موسیٰؑ کی تعریف کی کہ بادی النظر میں وہ شخص جسمانی اعتبار سے مضبوط اور روحانی طور پر امانت دار ہے اور سفارش کی کہ آپ انہیں اپنا خدمت گار رکھ لیجئے۔ لہذا جب کسی شخص کو جس کام کا اہل سمجھ کر رکھا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی اہلیت کا پورا ثبوت دے اور اپنے فرائض منصبی کو پوری امانت داری اور انصاف کے ساتھ انجام دے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴾[346]

"ان دو عورتوں میں سے ایک نے کہا، اے ابا جان! اس شخص کو اپنا خدمت گار رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں، وہی ہو سکتا ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو۔"

مذکورہ بالا قرآنی واقعہ سے یہ اصول فراہم ہوتا ہے کہ سرکاری عہدیداروں کی تقرری کرتے وقت الیکشن کمیشن اور وفاقی وصوبائی پبلک سروس کمیشن کے ادارے اس بات کو مدنظر رکھیں کہ امیدوار میں مندرجہ ذیل دو اوصاف ضرور پائے جائیں: اول کام کی قوت وصلاحیت اور دوسرا: امانت داری اور دیانتداری

2.3 مناصب کا غلط استعمال ریاست سے عہد شکنی کے مترادف

تعلیمات نبوی ﷺ میں امانت و دیانت کے ساتھ عہد کی پاسداری کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس میں امانتداری نہیں وہ شخص دیندار نہیں اور جس کے پاس عہد کی پاسداری نہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس وقت تک آدمی کا دین درست نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک اس کا دل درست نہ ہو۔

---

[346] القصص، 26:28

اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا، جس کی اذیت سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ عرض کی گئی کہ یارسول للہ ﷺ اذیت کیا ہے، تو آپ ﷺ نے جوابا ارشاد فرمایا

"کسی شخص کا (باتوں اور مال وغیرہ میں) ملاوٹ کرنا اور ظلم کرنا اذیت ہے۔"[347]

قرآن مجید جن لوگوں کو فوز و فلاح کی خوشخبری دیتا ہے ان میں امانتوں کی ادائیگی اور عہد کی پاس داری کرنے والے افراد شامل ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ [348]

"اور (وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاس داری کرنے والے ہوتے ہیں۔"

تمام حکومتی عہدیدار عہدہ سنبھالتے وقت ریاست اور آئین سے وفاداری اور ملکی ذرائع کے درست استعمال کا حلف اٹھاتے ہیں۔ دستور پاکستان کے تیسرے جدول میں منتخب نمائندوں، مختلف اعلی سول اور فوجی افسران سے لیے جانے والے حلف نامے درج کیے گئے ہیں۔ مذکورہ حلف ناموں کی عبارات کا مفہوم اور مقصد معمولی حذف و اضافے کے ساتھ یہ ہے کہ میں اپنے منصب اور ملکی ذرائع کو انتہائی ذمہ داری سے استعمال کروں گا۔ [349] پولیس افسران سے لیا جانے والا حلف نامہ مندرجہ ذیل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر حلف دیتا ہوں کہ میں انصاف اور ایمان داری سے اپنے فرائض منصبی ادا کروں گا۔ میں خود اور اپنے سٹاف کو کرپشن میں ملوث نہیں ہونے دوں گا۔ خود بھی صرف اور صرف رزق حلال کھاؤں گا اور اپنے بچوں اور فیملی کی بھی رزق حلال سے پرورش کروں گا۔ کسی سے رشوت لوں گا، نہ تقاضہ کروں گا اور نہ ہی اپنے ماتحتوں کو رشوت لینے دوں گا اور صرف میرٹ پر کام کروں گا۔ سیاسی یا غیر سیاسی پریشر میں آ کر کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کروں گا۔ مکمل انصاف

---

347 علی بن حسام الدین ، کنز العمال ، الفصل الثانیف فی تعدید الاخلاق، رقم الحدیث:5503

348 المومنون ، 8:23

349 The constitution of Pakistan, 3rd schedule, Oath of officers, PLD Publishers, 1999, P :588-603.

اور ایمان سے اپنے فرائض پوری تن دہی سے سر انجام دوں گا۔[350]

افسران و منتظمین مناصب کا غلط استعمال کر کے گویا آئین اور ریاست کے ساتھ بد عہدی کے مر تکب ہو تے ہیں، جن کے لئے قرآن و سنت میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ حلف اُٹھانا محض ایک تقریب کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک عہد ہے جو حلف اُٹھانے والا اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دینے کا اپنے ڈیپارٹمنٹ، عہدہ مُلک اور ملک میں رہنے والے عوام کے ساتھ کرتا ہے لیکن ایسے لوگ جو جان بوجھ کر عہد توڑ دیتے ہیں اپنے مُلک سے غداری کرتے ہیں اور اپنے فرائض کو ایمانداری سے نبھانے کے لئے اُٹھائے ہوئے حلف کو بُھلا دیتے ہیں ایسے لوگ مُلک اور قوم کے مجرم تو ہوتے ہی ہیں لیکن ساتھ ہی خدا کے بھی مجرم بن جاتے ہیں۔

2.4 امتیازی بنیادوں پر سرکاری مناصب کی سپردگی کی ممانعت

موجودہ جمہوری نظام میں سرکاری مناصب کو عوام الناس کے بنیادی حقوق قرار دیا گیا ہے۔ اس اصولی غلطی کی بناء پر یہ قانون وضع کیا گیا ہے کہ سرکاری مناصب آبادی کے تناسب سے تقسیم کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ابہام کو دور کر دیا ہے جو دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کے دساتیر میں پایا جاتا ہے کہ ہر انسان پیدائشی طور پر کچھ حقوق لے کر پیدا ہوا ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کا ماحاصل یہ ہے کہ دنیا میں ہر فرد فرائض کی ادائیگی کے لیے پیدا ہوا ہے، لہٰذا اسلامی نظام حکومت کے قیام و بقاء اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ نظامِ سلطنت میں ہر قسم کے عہدے اور مناصب صرف ان لوگوں کے سپرد کیے جائیں جو ان سے عہدہ برا ہونے کی مکمل صلاحیت و قابلیت اور اہلیت رکھتے ہوں۔ سرکاری مناصب اور ذرائع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، محض سیاسی یا لسانی بنیاد پر، قرابت داری اور خاندانی بنیاد پر یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر مناصب و ذرائع کی تقسیم نہ صرف سراسر خیانت اور ظلم و زیادتی ہے بلکہ تعلیمات نبوی ﷺ کا استہزاء ہے۔ اس حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ کا قول نقل کیا جاتا ہے

> "جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہوا، پھر اس نے بغیر اہلیت کے کسی شخص کو باہم دوستی یا قرابت داری کی بنیاد پر کسی عہدہ اور منصب پر فائز کیا تو اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کے

---

[350] The Major Act, Police Order, 2002, Article 24, Manzoor law Book House, 2003, P:74

ساتھ خیانت کی۔"[351]

2.5 ریاستی مناصب طلب کرنے کی ممانعت

شرعی اعتبار سے از خود کسی منصب یا عہدہ کا طلب کرنا ایک مذموم فعل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے از خود عہدہ و منصب طلب کرنے، اس کے لئے سفارش کروانے اور دل و جان سے اس کی خواہش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن و سنت کا عام حکم بھی یہی ہے کہ از خود کسی سرکاری عہدے اور منصب کو اپنے لیے طلب کرنا جائز نہیں ہے اور شریعت کی نظر میں ایسا شخص مطلوبہ عہدے کا اہل نہیں رہتا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی از خود کسی منصب کی خواہش کا اظہار کرتا، تو آپ ﷺ ایسے شخص کو عہدہ دینے سے منع فرما دیتے تھے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِي عَمِّي، فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ: يَا رَسُولَ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، أَمِّرْنَا عَلَى بَعْضِ مَا وَلَّاكَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّا وَاللهِ لَا نُوَلِّي عَلَى هَذَا الْعَمَلِ أَحَدًا سَأَلَهُ، وَلَا أَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ ۔[352]

"حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (م:52ھ) کہتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے چچا کی اولاد میں سے دو شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا حاکم بنایا ہے، مجھ کو بھی کسی کام یا کسی جگہ کا والی و حاکم مقرر فرما دیجئے اور دوسرے نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی خواہش کا اظہار کیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! خدا کی قسم! ہم اس شخص کو کسی کا والی اور حاکم نہیں بناتے جو اس کا از خود طالب ہوتا ہے اور نہ اس شخص کو کوئی ذمہ داری اور عہدہ دیتے ہیں جو اس کا حرص اور خواہش رکھتا ہو۔"

اگرچہ از خود منصب طلب کرنا ایک مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہے لیکن استثنائی صورتوں میں عہدہ اور منصب کی درخواست مباح ہے۔ جہاں اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر کوئی نا اہل منتخب ہو کر قوم پر مسلط ہو گیا

---

351 ابن تیمیہ، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم، السیاسۃ الشرعیۃ، المملکۃ السعودیۃ العربیۃ، الطبع الاول:1418ھ، ص:7

352 المسلم، الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ، باب نہی عن طلب الامارۃ، رقم الحدیث:4821

تو یہ نااہل اور ظالم آدمی لوگوں پر ظلم کرے گا، ملک وملت کو نقصان پہنچائے گا اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس عہدہ منصب کے لائق واہل بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں از خود عہدے کا طالب ہونا اور قوم وملک کا نمائندہ بن کر کھڑے ہونا اور لوگوں سے ووٹ کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ محض اقتدار وکرسی اور جاہ منصب کے حصول کے لئے نہ ہو بلکہ قوم وملت کی خدمت کے جذبے اور سماج ومعاشرہ میں پھیلے ہوئے مفاسد کو ختم کرنے کے ارادے سے ہو اور اس کے اندر بھی یہ شرط ہے کہ اپنے حریف پارٹی کی غیبت، سب وشتم اور عیب کا ذکر اور تشہیر نہ ہو۔

مفاد عامہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص از خود عہدہ طلب کرے تو ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض اوقات لازم ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثال حضرت یوسفؑ کے اس قول سے ملتی ہے

﴿ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ إِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴾[353]

تو حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے ایسے وقت میں عہدے کا مطالبہ کیا کہ ان کو یقین تھا کہ اگر میں اس منصب کو نہ لوں گا تو کوئی دوسرا نااہل آدمی اس پر مسلط ہو جائے گا اور لوگوں کو تکلیف پہنچائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس منصب کے لائق وفائق آدمی موجود نہ ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر وہ اس منصب پر کنٹرول نہیں کرے گا تو لوگوں کو انصاف نہیں مل سکے گا، لوگوں کو تکلیف وپریشانی ہوگی اور لوگ ظلم وستم کے شکار ہوں گے تو ایسے موقع پر خود عہدہ طلب کرنا جائز ہے۔ استثنائی صورت تمام مناصب میں ہے خواہ امارت ہو، یا انتظامی منصب ہو، یا قضاء کا منصب ہو یا اسمبلی اور ممبر پارلیمنٹ کا منصب ہو، جب ان مناصب کے لیے کوئی دوسرا شخص قرآن وسنت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والا موجود نہ ہو تو اس صورت میں خود سے عہدہ طلب کرنا جائز ہے۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں کسی منصب پر فائز ہونے کے لئے حفیظ اور علیم کی صفات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ گویا ایک محافظ کے لئے جس طرح کی صلاحیتیں مطلوب ہوتی ہیں، مثلاً بہادر، جرأت مند، پر اعتماد، دیانتدار، متقی جیسی صفات اور علیم کا مطلب چوکنا اور باخبر، معاشیات کا علم رکھنے والا اس منصب کا اہل ہے۔ اس سے یہ اصول ملتا ہے کہ وزارتِ خزانہ کے ذمہ دار لوگ ان دونوں صفات سے متصف ہوں۔ اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے

”حسد صرف دو چیزوں میں جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت

---

[353] یوسف، 55:12

سے نوازا پھر اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کے لیے مسلط کر دیا۔ دوسرے وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے سرفراز کیا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔"[354]

مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہور فقہائے کرام نے منصب و عہدہ کے مطالبہ کے سلسلے میں احتیاط و احتیاج کے پہلو کو مد نظر رکھا ہے۔ اگر امامت و قضاء کے عہدے کا طالب شخص نا اہل اور غیر مستحق ہو تو اس صورت میں منصب کی طلب مطلقاً ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر طلب منصب حب مال اور اقتدار سلطنت کی ہوس اور مال و دولت کی لالچ میں ہو تو اس وقت بھی عہدہ کا طلب مطلقاً ممنوع ہے لیکن اگر اس سے لوگوں کی اصلاح مقصود ہو اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کا عزم و حوصلہ ہو تو اس صورت میں طلب عہدہ مذموم نہیں ہے۔

3۔اسلامی نظام تعلیم

نظام تعلیم سے مراد تعلیم سے متعلقہ عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہمی طور پر مربوط اور منظم انداز میں تسلسل کے ساتھ مقاصد کے حصول کے لیے ایک یونٹ کی شکل میں کام کرتا ہے۔ اس کے عناصر مندرجہ ذیل ہیں: فلسفہ حیات، نظریہ حیات، مقاصد تعلیم، نصاب، طریقہ ہائے تدریس، تربیت اساتذہ، امتحانات، انتظامیات اور تحقیق وغیرہ۔ ریاستی انتظام و انصرام کو بہتر طور پر چلانے کے لیے اہل اور تجربہ کار افراد کا وجود لازمی امر ہے۔اس تناظر میں ریاست میں بہترین تعلیمی نظام کا ہونا ضروری ہے اور تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے اور اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے۔ اسلام نے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا تاکہ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں صحیح طور پر عورت اپنا کردار ادا کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا "اقرا" سے ہوئی۔لہٰذا اسلام کو ماننے والوں کو تعلیم و تربیت سے ضرور آراستہ ہونا پڑے گا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت پر زور دیا اور اس سے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

---

[354] البخاری، الجامع الصحیح ، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم، رقم الحدیث:73

"طلب العلم فريضة على كل مسلم۔ "[355]

"علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

اس بات پر البتہ اہل علم کا اختلاف ہے کہ کون سا علم حاصل کرنا فرض ہے اور کون سا مستحب۔ اس حوالے سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"بني الإسلام على خمس شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة والحج وصوم رمضان۔ "[356]

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا اور حج اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

اس حدیث کی بنا پر ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ علم کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں:

"1۔ علم معاملہ، 2۔ علم مکاشفہ۔ علم مکاشفہ سے مراد وہ علم ہے جس پر ہر عاقل بالغ کو جس معاملے پر عمل کا پابند بنایا گیا ہے، وہ تین ہیں: 1۔ اعتقاد: جن چیزوں پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ 2۔ فعل: جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ 3۔ ترک فعل: جن افعال سے رکنے یا بچنے کا حکم دیا گیا ہو۔"[357]

ترک فعل میں حدود و قصاص سے متعلق امور شامل ہیں، جن کاموں سے رکنے کا حکم نص سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے معاشرے میں وہ تعلیمی انقلاب برپا کیا کہ دنیا آج تک ایسا تعلیم انقلاب نہیں لا سکی اور نہ لا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد کتاب و حکمت کی تعلیم دینا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾[358]

---

355 ابن ماجه ، السنن، الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم ، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم ، رقم الحديث: 224

356 البخارى ، الجامع الصحيح ، كتاب الايمان ، باب الايمان وقول النبى ﷺ، رقم الحديث: 8

357 الغزالى، محمد بن محمد، احياء العلوم(مترجم)، مكتبه المدينه، كراچى، 2012ء، جلد1، ص:71

358 البقره، 129:2

"اور وہ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم کے مقاصد خود بیان فرمائے ہیں کہ تعلیم ایسی دیں جس میں تزکیہ نفس بھی ہو۔ اس مقصد کی روشنی میں معاشرے کے لوگوں کے لیے نصاب کی تشکیل، کتب کی تدوین، تربیت اساتذہ، طریقہ تدریس، انتظامیات اور امتحانات ہو، تو پورا نظام تعلیم ہی اسلامی بنیادوں پر استوار ہے۔ نظام تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت مقاصد تعلیم کو ہے کیونکہ یہ نظام تعلیم کی بنیاد ہیں اور انہی کے مطابق نصاب کی تشکیل ہوتی ہے، اسی کے مطابق تدریس ہوتی ہے اور اسی کے مطابق جائزہ یعنی امتحان لیا جاتا ہے۔ مشہور اسلامی مفکر تعلیم امام غزالی نے مندجہ ذیل مقاصد تعلیم بیان کیے ہیں:

> "اللہ تعالی کی رضا، تعمیر کردار، فکر آخرت، اعلیٰ اخلاقی اقدار کا فروغ اور مقاصد تعلیم میں تربیت میں پر بہت زور دیا ہے فرماتے ہیں طلباء نفس کو اخلاق رذیلہ سے بچائیں، تزکیہ باطن کی طرف متوجہ ہوں، علائق دنیا سے پرہیز کریں اور ضرورت پڑنے پر گھر سے دور بھی رہنا چاہیے، استاد کی اطاعت کریں، معاشرے کو مختلف فن کے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے تمام علوم برابر ہیں اور علم و فن وہی اہم ہیں جو معاشرتی نصب العین سے قریب تر ہوں۔ علوم کی دو اقسام بتائیں فرض عین اور فرض کفایہ اور فرض عین میں بنیادی عقائد میں وہ تمام علوم جو توحید، عبادت اور شریعت کو سمجھنے میں مدد دیں۔ حدود و قصاص اور دیت بھی فرض عین میں سے ہے۔"[359]

اور فرض کفایہ میں معاشرتی زندگی کی بقا کے لیے سیکھے جانے والے تمام علوم وفنون شامل ہیں۔ اسلام میں کسی بھی جگہ فنون سیکھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ معاشرے کی ضروریات کے مطابق علم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے لیکن صرف یہ نہیں حکم دیا کہ صرف دنیاوی علوم ہی حاصل کرنے ہیں بلکہ دین اور دنیا، دونوں علوم سیکھنے پر زور دیا ہے۔ دین کا علم حاصل کرنا ہر چھوٹے، بڑے، مرد عورت پر لازم قرار دیا گیا اس طرح بنیادی عقائد کی تعلیم لازم دی گئی ہے۔ ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کرے اور انہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے مسائل سے آگاہی، عائلی قوانین، مالیاتی قوانین، معاشرتی زندگی گزارنے کے اصول و ضوابط، دستوری و سول قوانین اور قوانین جرم و سزا یعنی حدود وقصاص کے قوانین سے واقفیت دلائے، پھر کچھ لوگوں کو ماہرین بنائے تاکہ معاشرے کا نظام چل سکے۔

---

[359] الغزالی، احیاء العلوم، جلد 1، ص:71

حدود و قصاص اور دوسرے اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے اسلامی ریاست میں قائم ہونے والی حکومت کو سب سے پہلے ایک ایسے سربراہ مملکت کا انتخاب کرنا چاہیے جو مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد، مجتہد اور متقی ہو تاکہ وہ اللہ کی زمین اور اللہ کی مخلوق پر تمام اسلامی قوانین اور خاص طور پر حدود و قصاص کے قوانین کا اجراء کر سکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اسلامی قانون سازی کرنا ہو گی۔ ان قوانین پر عمل درآمد کے لیے ریاست میں ایسا نظام قضا ہو، جس میں فیصلہ کرنے والے ایسے قاضی یا جج مقرر کرنا ہوں گے جو مسلمان، آزاد، عادل، پاکدامن، بردبار، ماقبل کے حالات سے باخبر، عقل مند و اہل علم حضرات سے مشاورت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے ہوں ،لوگوں کی نفسیات سے واقف اور ان ججوں تک مقدمات بنا کر لانے والے ایماندار، بہترین تربیت یافتہ پولیس آفیسر ہوں اور وکلاء بھی ججز اور متنازعہ فریقین سے معاونت کرنے والے ہوں۔ اس طرح پورے معاشرے میں اسلامی قوانین کو متعارف کرانے، ان کے نفاذ کی ذہن سازی کرنے اور حق و باطل کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لیے اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل کی جائے جو اسلامی فکر پیدا کرے اور مقتدر شخصیات کی اہلیت کی مطلوبہ تعلیمی قابلیت بھی پیدا کرے۔

تعلیم کے ذریعے سے ہی رسول اللہ ﷺ نے عرب میں انقلاب برپا کیا۔ ہر اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تعلیم کا بندوبست کرے اور ایسی تعلیم بچوں کو مہیا کی جائے جو اسلامی معاشرے کے قیام و بقاکے لئے ممد و معاون ہو۔ پھر ایسے ماحول سے پیدا کردہ لوگ خود بخود اپنے دور حیات میں قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی بھی کریں گے اور اس کا نفاذ بھی معاشرے میں کریں گے۔ اس حوالے سے مولانا زاہد الراشدی تحریر کرتے ہیں

> یہ کہنا کہ دینی فرائض چونکہ ہر مسلمان کی ذمہ داری میں شامل ہیں، اس لیے ان کی ادائیگی کے لیے حکومتی سطح پر اقدامات کی ضرورت نہیں ہے، اسلامی اصولوں کے قطعی منافی بات ہے اور یہ خالصتاً سیکولر سوچ ہے کہ مذہب ہر شخص کا انفرادی معاملہ اور ذاتی ذمہ داری ہے جس میں حکومت کو کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور اس کے دستور میں اسلامی معاشرہ کے قیام اور قرآن و سنت کے احکام و قوانین کے نفاذ کو حکومت کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اسلامی احکام و قوانین کی عام سطح پر تعلیم دینا اور ان پر عملدرآمد کی ہر سطح پر نگرانی اور اہتمام کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری قرار پاتا

ہے۔[360]

4۔ حکومتی پالیسیوں کا تسلسل

اسلام کے اصول ابدی ہیں اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے قابل عمل ہیں۔ ریاست کے حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کو ہر صورت میں معاشرے میں نافذ کرے۔ مسلم ممالک میں جمہوری حکومتوں کے قیام کے بعد ہر ریاست میں چند سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں، جو اقتدار کے ایوانوں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اسلامی ریاست کے حکام بالا کے لیے اور سیاسی پارٹیوں کے لئے یہ لازم کیا جائے کہ ہر آنے والی حکومت اسلامی قوانین کے نفاذ کے تسلسل کو چلائے تاکہ امت مسلمہ حدود و قصاص کے نفاذ کی برکت سے محروم نہ ہو، پورا معاشرہ اخلاقی اقدار کے تحفظ کے لیے ہر آن تیار رہے اور مقاصد شریعت کا تحفظ ہوتا رہے۔ پالیسیوں میں تسلسل کی مثال اسلامی جمہوریہ پاکستان سے دی جاسکتی ہے، جہاں قیام پاکستان سے ضیاء الحق کے دور تک تو اسلامائزیشن پر کام ہوتا رہا، لیکن اس کے بعد آنے والے سربراہان مملکت نے اسلامی قانون سازی کے حوالے سے مزید کام کرنے کی بجائے، نئی قانون سازی کے ذریعے ان قوانین پر عمل درآمد ختم کرنے کی کوشش شروع کی ہے، جس پر امت مسلمہ اور اہل دل پاکستانی سوائے افسوس کے کچھ نہیں کرسکے۔ اب اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو بین الاقوامی دباؤ سے آزاد ہو کر کام کرنا چاہیے اور امت کو مزید اسلامائزیشن کی طرف لے جانا چاہیے۔ ورنہ ذہن میں رکھیں کہ کہ کفر متحد ہو کر ایک ایک اسلامی ملک پر جنگ مسلط کرتا رہے گا۔ عراق، افغانستان، فلسطین اور اللہ نہ کرے کہ پھر پاکستان کی باری آئے۔

---

360 ماہنامہ نصرت العلوم، اکتوبر 2002ء، زاہد الراشدی، فرائض شرعیہ حکومت کی ذمہ داری

فصل دوم: قوانین حدود و قصاص کی عملی تنفیذ میں نظامِ قضاء کا کردار

قوانین حدود و قصاص کے اسلامی ضابطوں کی کماحقہ پاسداری کے لیے ضروری ہے کہ ریاست کی عدلیہ، اسلام کے فراہم کردہ نظام عدل کی بنیاد پر استوار کی گئی ہو اور قاضی کے نصب و عزل، مقدمہ کی سماعت، فیصلے کی شرائط، قانون شہادت، پولیس کا مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ تعاون اور دیگر عدالتی کاروائی میں شرعی اصولوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو۔ اگر ریاست کی عدلیہ اسلامی نظام عدل کے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کر رہی تو یہ حدود و قصاص کے نفاذ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے جس کی موجودگی میں ایک مجرم کو شرعی سزا قطعاً نہیں دی جاسکتی، مثلاً منصف اگر عہدہ قضا پر متمکن ہونے کا اہل نہیں ہے یا اس میں قاضی بننے کی بنیادی اہلیت ہی مفقود ہے یا اس نے صرف ایک ہی فریق کا دعویٰ سنا ہے یا اس نے ہنگامی حالات میں فیصلہ سنایا ہے یا پولیس جھوٹی مثلیں لکھتی ہے یا لکھنے کے بعد تبدیل کر دیتی ہے یا اس قسم کے دیگر عوارض میں مبتلا ہے، تو نہ اس کے منصب کا لحاظ ہو گا اور نہ ہی اس کے فیصلے کی کوئی وقعت۔ اسلام کے عدالتی نظام کے بارے میں قرآن و حدیث سے جو تعلیمات مقتدر طبقہ کو ملتی ہیں، وہ رہتی دنیا تک کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی تعلیم یہ ہے کہ فیصلے ایسے عدل سے کیے جائیں جو حسین اور خوبصورت ہو، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ [361]

"اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتے ہیں۔"

لفظ احسان کا مادہ حسن سے ہے جس کے معنی خوبصورتی کے ہیں، اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ایسے طریقے سے عدل کا انتظام کرے کہ جو صرف انصاف پر ہی مبنی نہ ہو بلکہ اس میں خوبصورتی بھی ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ [362]

"اے رسول ﷺ لوگوں کے درمیان ان احکامات کے مطابق فیصلہ کرو کہ جو

---

361 النحل، 90:16

362 المائدہ، 48:5

اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کیے ہیں۔"
اور ان تنازعات کے فریقین کے لیے ارشاد فرمایا

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[363]

"اے رسول ﷺ تیرے رب کی قسم !لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں گے اور پھر آپ جو فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور تیرے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے۔"

چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مختلف اسلامی ادوار میں جو طریقے اختیار کیے گئے، ان میں اس امر کو خاص طور پر مد نظر رکھا گیا گیا۔

دوسرا مساواتِ انسانی پر بہت زور دیا گیا یعنی قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ آپ ﷺ تمام معاملات میں مساوات کو سامنے رکھتے تھے اور امت کو بھی مساوات اختیار کرنے کی سخت تاکید فرمائی۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ کا خطبہ حجتہ الوداع مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے اور اسے انسانی حقوق کا عالمگیر منشور مانا جاتا ہے اور مہذب دنیا اسے انسانی حقوق کا چارٹر تسلیم کرتی ہے۔

اس کے علاوہ عدالتی نظام کو چلانے کے لیے مسلمانوں میں تقوٰی کی صفت لازمی قرار دی گئی اور اس تقوٰی کا تقاضا یہ ہے کہ بڑے چھوٹے، غریب امیر اور دوست دشمن سب کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیا جائے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾[364]

---

363 النساء ، 56:4

364 المائدہ، 8:5

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے بلکہ ہر حال میں عدل کرنا چاہیے اور یہ تقویٰ کے قریب ہے۔"

تقویٰ کے ساتھ فیصلے فوری کرنے چاہئیں، جب ان تمام اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا تو مسلمانوں میں بہت کم تنازعات ہوں گے، جیسا کہ صدرِ اسلام میں مسلمانوں میں بہت کم تنازعات پیدا ہوتے تھے اور جو پیدا ہوتے تھے وہ ان کو حل کرنے میں درج بالا اصولوں پر عمل کر کے انہیں نمٹا دیتے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ تنازعے کے دونوں فریقین حاضر ہو کر اپنے دلائل پیش کریں تاکہ ان کی روشنی میں اس تنازعے کا فیصلہ کیا جائے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں قضاء کا ادارہ اسی سادہ شکل کا تھا کیونکہ تقویٰ ہی مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا تھا لیکن بعد میں جب تقویٰ کے معیار میں کمی ہوتی گئی تو شعبہ قضاء نے بھی عروج حاصل کیا اور اس کے لیے حضرت عثمان کے دور سے باقاعدہ بااختیار ادارے قائم کیے گئے، جو آج تک انہی بنیادوں پر چل رہے ہیں۔ عدلیہ کے ادارے کو شرعی اصولوں پر چلانے کے لیے اور امت کو انصاف مہیا کرنے میں مندرجہ ذیل لوگوں کا کردار بہت اہم ہے:

1۔ ججز کا کردار

اسلام کے ابتدائی دور میں قاضی کے تقرر کے لیے شرائط مندرجہ ذیل تھیں: مکلف ہو، جسمانی طور پر صحت مند ہو اور تعلیمی قابلیت مجتہد والی صفات موجود ہوں۔ اس کے علاوہ لوگوں کی نفسیات سے واقف ہو۔ خلیفہ خود قضاۃ کا تقرر کرتا تھا۔ بنو عباس کے دور میں البتہ قاضی القضاۃ کا عہدہ پہلی بار متعارف ہوا۔ اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے والی شخصیت قاضی ابو یوسفؒ کی ہے۔ ان کو بھی اختیار حاصل تھا کہ وہ تین براعظموں پر مشتمل اس ریاست کے قاضی کا تقرر کر سکیں۔ صدرِ اسلام میں نظام قضاء کے لیے قاضی کو جن امور کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور فیصلہ دینے کا طریقہ کار کیا تھا۔ اس حوالے سے حضرت عمر کا ایک خط جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا ان میں سے اکثر تفصیلات کو سموئے ہوئے ہے۔ السنن الکبریٰ للبیہقی اور الدار قطنیؒ نے یہ خط ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے

"كتب عمر إلى أبي موسى أما بعد فإن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة فافهم إذا أدلى إليك فإنه لا ينفع تكلم بحق لا نفاذ له آس الناسي في مجلسك وفي وجهك وقضائك حتى لا يطمع شريف في

حيفك ولا ييأس ضعيف من عدلك البينة على المدعي واليمين على من أنكر والصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا أحل حراما أو حرم حلالا ومن ادعى حقا غائبا أو بينة فاضرب له أمدا ينتهي إليه فإن بينه أعطيته بحقه وإن أعجزه ذلك استحللت عليه القضية فإن ذلك هو أبلغ في العذر وأجلى للعلماء ولا يمنعنك قضاء قضيت فيه اليوم فراجعت فيه رأيك فهديت فيه لرشدك أن تراجع فيه الحق فإن الحق قديم لا يبطله شيء ومراجعة الحق خير من التمادي في الباطل والمسلمون عدول بعضهم على بعض إلا مجربا عليه شهادة زور أو مجلودا في حد أو ظنينا في ولاء أو قرابة فإن الله تعالى تولى من العباد السرائر وستر عليهم الحدود إلا بالبينات والإيمان ثم الفهم الفهم فيما أدلى إليك مما ورد عليك مما ليس في قرآن ولا سنة ثم قايس الأمور عند ذلك وأعرف الأمثال ثن اعمد فيما ترى إلى أحبها إلى الله وأشبهها بالحق وإياك والغضب والقلق والضجر والتأذي بالناس والتنكر عند الخصومة أو الخصوم شك أبو عبيد فإن القضاء في مواطن الحق مما يوجب الله به الأجر ويحسن به الذكر فمن خلصت نيته في الحق ولو على نفسه كفاه الله ما بينه وبين الناس ومن تزين بما ليس في نفسه شانه الله فإن الله تعالى لا يقبل من العباد إلا ما كان خالصا فما ظنك بثواب عند الله في عاجل رزقه وخزائن رحمته والسلام عليك ورحمة الله۔"[365]

"اچھی طرح سمجھ لو کہ قضاء ایک دینی ذمہ داری ہے جو سنت نبوی ﷺ کے مطابق بجالانا ضروری ہے۔ جب کوئی شخص اپنا مقدمہ تمہارے پاس لائے تو کامل غور و فکر کے ساتھ اس کی باتیں سنو اور جب تم فریقین کی باتیں سننے کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جاؤ تو اس کا نفاذ بھی کرو، کیونکہ درست فیصلے کرنے کا اس وقت

365 الدارقطني، علي بن عمر، أبو الحسن، سنن الدارقطني، كتاب فى الاقضيه والاحكام ، باب كتا ب عمر الى ابى موسیٰ، دار المعرفة، بيروت ، 1386 – 1966، رقم الحديث: 15

تک کوئی فائدہ نہیں جب تک اس فیصلے کا نفاذ نہ کیا جائے۔ تمام لوگوں کو اپنے سامنے اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو اور زبردست اور طاقتور کو تم سے کسی رو رعایت کی امید نہ ہو۔ جو شخص دعویٰ کرے، اس کے ذمہ ثبوت پہنچانا ضروری ہے اور جو اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کی تردید کرے، اس سے قسم لینا ضروری ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے لیکن یہ ایسی صلح ہو جو حلال کو حلال رکھے اور حرام کو حرام رہنے دے۔ اس کے مقابلے میں ایسی صلح جائز نہیں جس سے حرام حلال اور حلال حرام ہو جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے حق کو ثابت کرنے کی خاطر فوری طور پر ثبوت مہیا نہ کر سکے تو اسے کچھ عرصہ کی مہلت دو۔ اگر اس عرصے میں وہ ثبوت مہیا کر دے تو اس کا حق اسے دلا دو۔ لیکن اگر مدت کے اختتام تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو مقدمہ خارج کر دو، ایسا کرنے سے اتمامِ حجت ہو جائے گی اور شک بھی دور ہو جائے گا۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا ہے لیکن مزید غور و فکر اور عقل سے کام لینے کے بعد، تمہیں وہ فیصلہ غلط معلوم ہوا اور حق بات ظاہر ہو جائے تو پہلے فیصلے سے رجوع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حق اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اسے کوئی چیز بدل نہیں سکتی اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہر حال بہتر ہے۔ سب مسلمان قابلِ اعتبار ہیں، سوائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا جن کا نسب مشکوک ہو۔ جب کسی مسئلے کے بارے میں آپ کے دل میں شک و شبہ پیدا ہو اور کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب غور و فکر کرو، پھر اس کی مثالوں اور نظیروں کو دیکھئے۔ اس کے بعد قیاس سے کام لیجئے اور جو قیاس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے زیادہ قریب ہو اس کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت تنگ دلی کا اظہار نہ کرو۔ فریقینِ مقدمہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ مقدمہ پیش ہونے کے وقت بد خلقی نہ دکھاؤ۔ اگر مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا بہت اجر دے گا، جس شخص کی نیت ٹھیک ہو گی اور خواہ اسے اپنے عزیز و اقارب کے خلاف ہی فیصلہ کرنا پڑے، لیکن وہ حق و انصاف کے راستے پر گامزن رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا ہر طرح سے کفیل ہو گا۔ لیکن جو شخص عدل و انصاف سے بھٹک جائے گا اور ایسا فیصلہ کرے گا جس پر خود اس کا دل مطمئن ہونے کے لیے تیار نہ ہو، تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو صرف اس صورت میں ثواب کا حقدار ٹھہرائے گا، جب وہ اپنے اعمال خلوصِ نیت کے ساتھ بجالائیں گے۔ تم پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔"

نظام قضاء کی سب سے اہم اور مؤثر شخصیت قاضی یا جج کی ہے۔ قاضی کے تقرر کے وقت اگر اس کی جسمانی اہلیت اور تعلیمی قابلیت کی شرائط کے مطابق امیدوار مل جائیں، پھر ان کی صحیح تربیت اور محاسبہ کا اہتمام بھی ریاست کے نظم میں ہے، تو پھر نظام قضاء بہتر صورت میں چلتا ہے اور اس کے اثرات و ثمرات

سے پورا معاشرہ مستفید ہوتا ہے۔ حدود و قصاص قوانین کے عدم نفاذ کی ایک بڑی وجہ عدلیہ میں ججوں کے انتخاب، ان کی تربیت اور احتساب کے نظام کا غیر مؤثر ہونا ہے۔ ججوں کے انتخاب میں دو چیزیں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں: ایک قابلیت اور دوسری دیانت۔ دوسرے شعبوں کی طرح عدلیہ میں بھی تقرر کا نظام نہایت ناقص، سیاسی و دیگر مصلحتوں کے تابع ہے جس کے نتیجے میں ہر سطح پر عدلیہ میں ایسے عناصر بھی درآئے اور موجود ہیں جن کی اکثریت میں صلاحیت و دیانت دونوں شک و شبہ سے بالا نہیں۔

عدلیہ کی بہتر کارکردگی اور آزادی کے لیے ججز کا تقرر شفاف اور صاف ہو۔ پاکستان میں ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججز کے تقرر کا طریقہ کار قابل اصلاح ہے۔ تعلقات اور سفارش کی بنیاد پر تقرری کی جاتی ہے یا سیاسی لوگ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے خاص لوگوں کو آگے لاتے ہیں اور اپنے مفادات پورے کرتے ہیں۔ اس حوالے سے خورشید احمد لکھتے ہیں

"یہ بات ہمیں اپنے سامنے رکھنی چاہیے کہ عدلیہ کی آزادی کا آغاز ججوں کے صحیح تقرر سے ہوتا ہے، لیکن بالآخر اس کا انحصار جج کے کردار اور شخصیت پر ہے۔ اب ججوں کے تقرر کے طریق کار کے بارے چند اصولی باتیں سمجھنا ضروری ہیں: اگر پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو نظر آتا ہے کہ جو قانون اور روایات ہمارے ملک میں کارفرما رہی ہیں، وہ کوئی اچھی مثال پیش نہیں کرتیں۔ برطانیہ کے نوآبادیاتی دور سے چیف ایگزیکٹو، چیف جسٹس کے مشورے سے ججوں کا تقرر کیا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ 50 کے عشرے تک جاری رہا اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بالعموم ججوں کا تقرر اہلیت کی بنیاد پر ہوا اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں عدلیہ آزاد تھی۔ اس میں دیانت تھی اور کردار تھا۔ انھوں نے بالعموم اپنی ذمہ داریوں کا حق ادا کیا، لیکن بدقسمتی سے جسٹس محمد منیر کے دور سے حالات بدلنے لگے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کی صدارت کے زمانے میں ججوں کے تقرر کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا، اس میں ذاتی پسند، قرابت داری اور سیاسی وفاداریوں کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ اس معاملے میں ہماری تاریخ میں پچھلے 40 سال خاصے تاریک رہے ہیں۔ آپ جناب حامد خان کی کتاب (پاکستان کی دستوری اور سیاسی تاریخ) کو دیکھیں، جس میں نام لے لے کر ایک ایک واقعہ دیا گیا ہے کہ کس طریقے سے ججوں نے جو تجاویز دیں، ان میں ایک بڑی تعداد کی سفارش جس بنیاد پر ہوئی، وہ ذاتی پسند و ناپسند، قرابت داری اور دوستیوں اور مفادات کے اشتراک کی بنیاد پر تھیں، جن میں اہلیت و صلاحیت اور کردار کو نظر انداز کر دیا گیا۔ پھر سیاست دانوں نے بھی اپنے اپنے دور میں بدقسمتی سے یہی کام کیا۔ میں نام نہیں لینا چاہتا لیکن جن حضرات کی نگاہ سے سابق

سینیئر جسٹس (ر) عبد الرزاق تھہیم کی کتاب (عدلیہ اور جج) گزری ہے، وہ گواہی دیں گے کہ یہ داستان بڑی تلخ اور شرمسار کرنے والی ہے کہ ماضی میں ججوں کے تقرر کے سلسلے میں کیا کچھ کیا جاتا رہا ہے۔ سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس سجاد علی شاہ صاحب کی خود نوشت پڑھیے۔ آپ سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ کس طریقے سے اس وقت کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے اپنے شوہر جناب آصف علی زرداری کو ان سے یہ بات کرنے کے لیے بھیجا کہ حکومت انھیں دو ججوں کو نظر انداز کر کے چیف جسٹس بنانا چاہتی ہے، لیکن مطالبہ یہ تھا کہ پہلے وہ وزیر اعظم صاحبہ کو اپنا استعفیٰ لکھ کر دے دیں، جس پر کوئی تاریخ درج نہ ہو، تاکہ جب چاہیں وہ ان کو نکال سکیں۔ خواہ معاملہ سیاست دانوں کا ہو یا ججوں کی سفارش کا، دونوں کی مثالیں اچھی نہیں ہیں[366]۔

ججز کے تقرر کے لیے صاف اور شفاف طریقہ کار ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ پس منظر ہے جس میں 18 ویں اور 19 ویں ترمیم کے ذریعے ججز کے تقرر کے حوالے سے کچھ تبدیلیاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ججوں کے تقرر کے سلسلے میں کسی کو صوابدیدی اختیار حاصل نہیں ہے، نہ چیف جسٹس کو اور نہ چیف ایگزیکٹو کو۔ دوسری یہ کہ تقرر کے طریقۂ کار کو اداروں سے مشاورت کی شکل دی گئی ہے، تاکہ کسی ایک فرد یا ادارے کو بالادستی حاصل نہ ہو۔ ہر معاملے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر جو بھی سفارش مرتب کی جائے، وہ دو چھلنیوں سے گزرے گی: ایک جوڈیشل کمیشن اور دوسری پارلیمانی کمیٹی۔ اس طرح ہر پہلو کو مدِ نظر رکھ کر فیصلے ہوں گے جو میرٹ پر ہوں گے اور توقع ہے کہ شفاف ہوں گے۔ تیسری چیز یہ کہ اس میں عدلیہ اور پارلیمنٹ دونوں کا مشترکہ حصہ ہو گا۔ اس طرح فیصلے بہتر ہوں گے۔
ججز کو رشوت ستانی اور اقرباء پروری سے لازمی طور پر احتراز کرنا چاہیے کیونکہ یہ انصاف فراہم کرنے والے ہوتے ہیں اور انہیں حکومت وسیاستدانوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ معاشرے میں ہزاروں مثالیں مل جاتی ہیں جس سے ان کی رشوت ستانی، اقربا پروری اور حکومت کے اثر انداز ہونے کے واقعات ملتے ہیں۔ اسی طرح ججز کو تحفظ بھی فراہم کیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں بلاخوف وخطر انصاف فراہم کر سکیں۔ بڑے دہشت گردوں کو سزا دینے سے ججز ڈرتے ہیں جس کی وجہ جرائم پر قابو نہیں پایا جارہا۔ جج فیصلے کرنے میں آزاد ہو اور انصاف کے مطابق فیصلے کرے۔ اس حوالے سے خورشید احمد رقم طراز ہیں

"آزادی کا سب سے زیادہ انحصار جج کی صلاحیت اور اس کے کردار پر ہے۔ بلاشبہ ججوں کے تقرر کے طریقۂ

---

366 ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری 2011ء، خورشید احمد، پروفیسر، عدلیہ کی آزادی اور ججوں کا تقرر

کار کا بھی اس میں ایک حصہ ہے، لیکن اصل عامل جج کا کردار اور دستور اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور ہے۔ یہاں میں بھارتی سپریم کورٹ کا ایک حوالہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا جس میں وہاں کے ایک چیف جسٹس نے صاف الفاظ میں تحریر کیا ہے یہ جج کا کردار ہے جو عدلیہ کی آزادی کو یقینی بناتا ہے نہ کہ تقرر کا طریقہ۔ بھارتی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے مزید کہا کہ عدلیہ کی آزادی براہِ راست اس شخص کے کردار سے مربوط ہے جس کو جج کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے۔ حلف اٹھانے کے بعد امید کی جاتی ہے کہ جج آزادی سے کام کرے گا۔"[367]

جج کو تقوٰی اختیار کرتے ہوئے سب سے برابری کی سطح پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب لیکن آج فیصلے تقوٰی والی صفت کو مد نظر رکھے بغیر ہوتے ہیں، جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔

دستور نے اعلیٰ عدالتوں کے لیے تقرری کا جو نظام تجویز کیا ہے اس پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ حالیہ تجربات اور دنیا کے دوسرے ممالک کے اقدامات کی روشنی میں جن چیزوں کی فوری ضرورت ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ججوں کے تقرر کے لیے دستوری ترمیم کے ذریعے بالکل آزاد ایک ادارہ نیشنل جوڈیشل کمیشن قائم کیا جائے جو مرکز اور صوبوں کی سطح پر ججوں کے تقرر کے لیے زیر کار جوڈیشری سے سفارش کردہ ایماندار اور قابل وکلاء میں سے بعد از چھان بین صدر مملکت کو ایک پینل کی سفارش کرے اور صدر اسی پینل میں سے تقرر کرنے کا پابند ہو۔

2۔ نئے تقرر ہونے والے ججوں اور پہلے سے موجود ججوں کی کارکردگی کا جائزہ لے کر کم از کم 10 فی صد ججوں کا تقرر کنفرم نہ کیا جائے اور انہیں اپنی کارکردگی ثابت کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر نئے تقرر ہونے والے ججوں کی صف میں شامل کیا جائے۔

3۔ ججوں کی تعداد میں حالات کے مطابق اضافے کی ضرورت ہے۔ اس وقت ملک میں مقدمات کی بھرمار ہے اور پورے ملک میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد مقدمات جن میں سے ہزاروں

---

367 ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری 2011ء، خورشید احمد، پروفیسر، عدلیہ کی آزادی اور ججوں کا تقرر

سزائے موت کے مقدمات تاخیر کا شکار ہیں۔ انصاف میں تاخیر، انصاف سے محرومی کی ایک شکل ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں، جن میں ججوں کی تعداد میں کمی، ججوں کی آسامیوں کا بلاجواز خالی رکھنا۔

4۔ ججوں کی مدت ملازمت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد مختلف با معاوضہ ذمہ داریوں کے لیے ان کے دستیاب ہونے کے بھی اچھے نتائج سامنے نہیں آتے۔ لہٰذا مناسب ہو گا کہ ریٹائرمنٹ کی عمر بڑھائی جائے اور پابند کیا جائے کہ ان کی صلاحیتوں سے صرف تعلیم و تحقیق اور نیم عدالتی نوعیت کے کاموں میں فائدہ اٹھایا جائے، جس کی تنخواہ نہ ہو بلکہ ضروری سہولیات فراہم کی جائیں، کیونکہ ان کی تنخواہیں اور مراعات پہلے ہی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

5۔ ہر سطح پر ججوں کے تقرر، ترقی اور احتساب کا نظام قائم کیا جائے۔

6۔ ہر سطح پر ججوں کے لیے تربیت، تحقیق اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے ضروری انتظام کیے جائیں۔

7۔ عدلیہ سے متعلق افراد کو خود بھی اپنے احتساب کی فکر کرنی چاہیے۔ ماضی میں جج حضرات میں سے کچھ نے جس طرح قانون اور عدل پر سیاسی اثرات کو قبول کیا، وہ عدلیہ پر عوام کے اعتماد کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔ جج حضرات جس طرح سیاسی اور سماجی محفلوں میں شریک ہو رہے ہیں، اس سے ان کی غیر جانب داری کا تاثر مجروح ہو رہا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ جس طرح کا سیاسی کردار ادا کر رہے ہیں وہ ان کے ماقبل کے دور کے بارے میں بھی لوگوں کے اعتماد پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں آداب و روایات کی پاس داری کی ذمہ

داری خود عدلیہ پر ہے تا کہ اس کا کردار ہر طرح کی انگشت نمائی سے بالاتر ہے[368]۔

8۔ بعض صورتوں میں یہ بھی شک کیا جاتا ہے کہ نئے تقرر ہونے والے خاص طور پر ہائی کورٹ کے جسٹس صاحبان اپنی کارکردگی کو نمایاں کرنے کے لیے ریٹائرڈ جسٹس صاحبان سے اپنے فیصلے ڈرافٹ کراتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مربوط آزمائشی طریقہ کار وضع کیا جائے۔

9۔ پارلیمانی کمیٹی میں اگرچہ اپوزیشن کے ارکان بھی شامل ہوتے ہیں لیکن وہاں بھی لو اور دو کی پالیسی کے تحت خالص اہلیت کے بجائے سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے وکلاء ہی کامیاب ہوتے ہیں کیونکہ اپوزیشن حکومت اور حکومت اپوزیشن کے لاڈلے وکلاء پر جسٹس بننے میں اعتراض نہیں کرتی۔

10۔ اعلیٰ عدالتوں میں جسٹس صاحبان کے تقرر کے لیے اگر پارلیمان اور صدر پاکستان کے اثر کو ختم کر دیا جائے، تو مزید بہتری لائی جا سکتی ہے اور اس صورت میں جسٹس صاحبان، سیاسی شخصیات کے مشکور ہونے کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کے مشکور ہوں گے۔

11۔ جسٹس صاحبان کی تقرری کا بہتر طریقہ مقابلے کا پبلک سروس کمیشن کا امتحان منعقد کیا جائے اور تحریری امتحان وانٹرویو دونوں لازمی ہوں۔

12۔ ججز کے تحفظ کے لیے خطرناک ملزمان کا ٹرائل ویڈیو کانفرنس سے کیا جائے اور ججز کے نام صیغۂ راز میں رکھے جائیں۔

عدلیہ کا انتظامیہ کی بے جا مداخلت سے آزاد ہونا اور سب پر بالادست ہونا قیام عدل کی لازمی شرط ہے۔ اسلام کے نظام عدل میں عدالت حاکم وقت سے لے کر عام شہری تک ہر ایک کو جواب دہی کے لیے طلب کر سکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے اور عدالت کے کام میں انتظامیہ کا کوئی چھوٹا

---

368 ماہنامہ ترجمان القرآن، ستمبر 2006ء، عبد الغفار، پاکستان میں انصاف اور عدلیہ، اعتماد کا بحران، بحران سے نکلنے کا راستہ

یا بڑا مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ یہ قاضی یا جج کی بالادستی نہیں بلکہ قانون کی بالادستی ہے جو خود جج یا قاضی پر بھی عائد ہوتی ہے۔ آزادی کا سب سے زیادہ انحصار جج کی صلاحیت اور اس کے کردار پر ہے۔ بلاشبہ ججوں کے تقرر کے طریقۂ کار کا بھی اس میں ایک حصہ ہے، لیکن اصل عامل جج کا کردار اور دستور اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا تصور ہے۔ ججز کو رشوت ستانی اور اقرباء پروری سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ یہ انصاف فراہم کرنے والے ہوتے ہیں۔

2۔ وکلاء کا کردار

وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا زیادہ پسندیدہ کام تصور نہیں کیا جاتا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں عوام الناس اپنے معاملات کو قانون سے عدم واقفیت کی وجہ سے عدالت میں خود پیش نہیں کر سکتے، کیونکہ موجودہ دور میں دعویٰ دائر کرنے کے لیے ایک خاص طریقہ مروج ہے اور عامۃ الناس اس طریقے سے ناواقف ہیں۔ علاوہ ازیں عدالت میں پیشے کے لیے وکیل کا کسی مسلمہ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ وکالت کو بطور پیشہ معاشرے نے قبول کر لیا ہے۔ اب اس کو ختم کرنا ممکن بھی نہیں۔ وکلاء کو کیس لینے سے پہلے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ جس کا کیس لڑنے جا رہے ہیں وہ حق پر ہے یا نہیں۔ وکلاء کو محض پیسے کے لالچ میں جرائم پیشہ اور قاتلوں کے کیس نہیں لینے چاہییں تاکہ معاشرے سے جرائم پیشہ افراد کی بیخ کنی خود بخود ہو جائے اور مجرموں کے ذہن میں آجائے کہ ان کا کیس بھی کسی نے نہیں لڑنا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس پیشہ کی اصلاح پر خاص توجہ دی جائے۔ قانون کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھنے والے طلبہ کے لیے مخصوص مضامین میں نمایاں کامیابی ضروری قرار دی جائے۔ وکالت سے شعبہ سے وابستہ افراد کے لیے حکومت کی طرف سے اعزازیہ کا بھی اہتمام ہو، تاکہ وہ کسی کے مرہون منت نہ رہیں اور ہر جائز و ناجائز کیس کی وکالت نہ کریں۔ مزید یہ کہ ایل ایل بی کے نصاب میں "ادب القاضی" کے عنوان سے مستند فقہی کتب شامل کی جائیں کیونکہ موجودہ نصاب کے تحت قانون کی تعلیم کی تدریس تو ہو جاتی ہے لیکن شریعت نے عدالت کے اخلاقی رویے کے لیے جو تعلیمات دی ہیں وہ نہ تو موجودہ نصاب کا جزو ہیں اور نہ کورس کے اختتام پر زائد لیکچرز کے ذریعے طلبہ کو بتائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قانون کی تعلیم کے رائج الوقت نصاب پر نظر ثانی کی جائے۔ اس حوالے سے مولانا مودودی لکھتے ہیں

"لاء کالجوں میں داخلہ لینے والے طلبہ کے لیے عربی زبان سے واقفیت کم از کم اتنی ضرور ہونی چاہیے کہ وہ قرآن وحدیث اور فقہ کا مطالعہ آسانی سے کر سکیں۔ اس چیز کا اہتمام کیا جائے کہ قانون کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طلبہ کو قرآن وحدیث کے براہ راست مطالعے، دین کا مزاج اور پورا نظام اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔ تعلیم قانون کی اصلاح میں جو چیز مدِ نظر رہنی چاہیے کہ قانون کی تعلیم کے نصاب میں تین مضامین ضرور شامل ہونے چاہئیں: 1۔ جدید زمانے کے اصول قانون اور اصول فقہ، 2۔ اسلامی فقہ کی تاریخ کا مطالعہ 3۔ فقہ کے بڑے بڑے مذاہب کا غیر متعصبانہ مطالعہ، کیونکہ ان تینوں چیزوں کے بغیر نہ تو طلباء میں فقہ کا پورا فہم پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ صلاحیتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو ایک قاضی کے لیے ضروری ہیں۔ ان چیزوں کے ساتھ ساتھ طلباء کی اخلاقی تربیت کا بھی خاص انتظام و انصرام کرنا ہو گا کیونکہ اسلام ایسے ذمہ دار افراد کو کوئی بھی عہدہ سونپتا ہے جو اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دے۔"[369]

اگر کوئی مدعی اپنے کسی حق کے اثبات کے لیے دعویٰ کرنا چاہے یا مدعا علیہ کو جواب دعویٰ کے لیے عدالت میں حاضر ہو کر جواب دینا ہو تو جس طرح یہ دونوں خود جاسکتے ہیں اسی طرح وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا کر بھی بھیج سکتے ہیں، یعنی مدعی کی جگہ وکیل دعویٰ دائر کرے اور مقدمہ کی باقی کارروائی چلائے یا مدعا علیہ کے بجائے اس کا وکیل عدالت میں جا کر دعوی کا دفاع کرے اور آخر تک تمام کاروائی چلائے، لیکن بغیر کسی معقول عذر کے وکیل بنانا مستحسن نہیں۔

اگر اس قسم کے مستقل پیشہ ور وکلاء موجود ہوں جو مدعی سے فیس لے کر قانونی موشگافیوں، فقہی جزئیات اور شاذ اقوال نکال کر قاضیوں اور ججوں کو مرعوب اور درست شرعی رہنمائی کے بجائے اپنے مقدمے کو کامیاب کرنے کے سارے ماہرانہ حربے استعمال کریں تو اس طریقے سے عادلانہ نظام قائم نہیں ہو سکے گا۔ اگر خدا کا خوف دامن گیر نہ ہو اور مطمع نظر محض فیس کا حصول ہو تو اسلامی قانون ہی کے نام پر بھی ظلم وجور کے دروازے کھولے جاسکتے ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں موجودہ دور کی طرح وکالت کا پیشہ ایک مستقل ذریعہ اکتساب رزق کے طور پر ثابت نہیں۔ اسلامی عدالتی نظام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قاضیوں اور ججوں کی مجالس کے ارد گرد سینکڑوں اشخاص شرعی قوانین واحکام کی مہارت کی اسناد اور لائسنس حاصل کیے ہوئے اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کوئی گاہک آئے گا۔ خلاصے کے طور پر "اعلاء السنن" کی ایک عبارت درج کی جاتی ہے:

---

[369] مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، اسلامی قانون، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، 1996ء، ص:64

"جو کوئی موجودہ زمانے کے وکیل حضرات کے حالات کا آنکھوں دیکھا مشاہدہ کرے کہ وہ کس طرح باطل کو حق ثابت کرتے ہیں اور حق کو باطل بنادیتے ہیں تو اس کو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا کہ امام ابو حنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل درست تھا اور یہ کہ سنت نبوی ﷺ کے فہم میں وہ کس قدر باریک بین اور حقیقت شناس تھے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ اگر وکالۃ بالخصومات کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور فیصلہ کرنے والے قاضی حضرات مدعی اور مدعاعلیہ کی بات بلاواسطہ خود ان کی زبانی سنیں اور گواہی دینے والے خود براہ راست ان کے سامنے گواہی دیں اور وکلاء حضرات گواہوں کو پٹی نہ پڑھایا کریں تو قاضیوں کے سامنے جب مقدمات پیش ہو جائیں تو پہلے ہی دن اس مقدمے میں واضح ہو جائے گا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق۔ اکثر باطل کی پہچان میں تاخیر واقع ہو جاتی ہے اور جلد فیصلہ نہیں ہو سکتا تو اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ وکلاء حضرات خواہ مخواہ تلبیس کرتے ہیں، حق کے خلاف باطل کی حمایت میں حیلے بیان کرتے ہیں اور اپنی فنی مہارت سے حق و باطل کو خلط ملط کر کے معاملے کو مشتبہ بنادیتے ہیں، اصل فقیہ وہ ہوتا ہے جو اپنے زمانے کے حالات کو دیکھ کر اور ان کو پیش نظر رکھ کر احکام بتادیا کرے۔ گویا فقاہت کا تقاضا یہی ہے کہ پیشہ ورانہ وکالۃ بالخصومہ کی اصلاح کی جائے۔"[370]

عدل کی فراہمی میں تاخیر سے خود عدل کے تقاضے مجروح ہوتے ہیں اور فریقین میں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ عدل رسانی میں تاخیر عدل کی نفی کے مترادف ہے۔ ایسے معاشرے میں فوری انصاف بھلا کیسے ممکن ہے جہاں کامیاب وکیل وہ شمار ہوتا ہے جو لمبی پیشی دلوانے میں کامیاب ہو جائے۔ انصاف کی فوری فراہمی وکلاء کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں اور یہ تبھی ممکن ہے جب وکلا اپنے حقیقی منصب اور ذمہ داری کا پاس کریں۔ وکلاء کے حقیقی فرائض مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ وکالت کے ذریعے اپنے حقوق سے ناواقف افراد کو استحصال سے بچانا۔

2۔ عوام میں ان کے حقوق اور ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرنا۔

3۔ غاصب و جابر کو عدالتی استقرار حق کے ذریعے مظلوم کا حق دینے پر مجبور کرنا۔

4۔ عدالتی معاملات میں ججز اور تنازع کے فریقین کی معاونت کرنا۔

---

[370] ظفر احمد عثمانی ، اعلاءالسنن ، کتاب الوکالة، باب الوکالة بالخصومة ، دارالکتب العلمیة، بیروت 1997 ء، جلد15، ص:345

5۔ تنازعات کو نمٹانے اور قانون کی تشریح میں عدالت کی معاونت۔

6۔ خائن اور ظالموں کی وکالت سے انکار کے ذریعے سے معاشرے میں دیانت داری، سچائی اور نیکی کو فروغ دینا۔

اس پیشے کے تقدس کو بحال کرنے کے لیے ان فرائض کی ادائیگی پر لازماً وکلاء کو عمل پیرا ہونا چاہیے۔

3۔ پولیس کا کردار

پولیس کے لیے شرطہ کا لفظ امہات الکتب میں ملتا ہے۔ "صاحب الشرطہ" (یعنی دستے کا امیر) کا لقب ابتدا میں کسی صوبے یا شہر کے حاکم (والی) کے لیے مخصوص تھا، جو تمام دینی و دنیوی امور کا فیصلہ کرتا تھا، لیکن عباسیوں کے عہد میں یہ لقب صرف اس خاص عامل کے لیے مخصوص ہو گیا، جس کے ذمے نظم و نسق اور حفاظت عامہ کا کام ہوتا تھا، یعنی جس کے فرائض ہمارے کوتوال یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سے ہوتے تھے۔ خلفائے عباسیہ، اندلس کے خلفائے امویہ اور مغرب و مصر کے خلفائے فاطمیہ کے ماتحت صاحب الشرطہ کو قاضی سے زیادہ اختیارات حاصل ہوتے تھے، کیونکہ اسے یہ بھی اختیار تھا کہ وہ محض شبہ کی بنا پر کسی کے خلاف کارروائی کر سکے اور جرم کا ثبوت مہیا ہونے پہلے ہی جسے چاہے سزا کی دھمکی دے، لیکن شہری اس کے تابع فرمان نہیں ہوتے تھے۔ اس کا حکم اور اختیار طبقے کے لوگوں اور بالخصوص تمام مشتبہ اور بری ادنیٰ شہرت رکھنے والے افراد پر ہی چلتا تھا، البتہ اندلس میں الشرطۃ الکبریٰ (بڑی شرطہ) اور الشرطۃ الصغریٰ (چھوٹی شرطہ) میں فرق کیا جاتا تھا۔ الشرطۃ الکبریٰ کے نمائندے ایسے بڑے بڑے سرکاری افسروں کے خلاف بھی قانونی کارروائی کر سکتے تھے، جو کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہوں، بحالیکہ الشرطۃ الصغریٰ کا تعلق بالتخصیص ادنیٰ طبقے کے لوگوں سے ہوتا تھا۔[371]

کسی بھی ریاست میں نظام حکومت تین شعبوں میں تقسیم ہوتا ہے: مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ۔ مقننہ کا کام قانون بنانا ہے۔ عدلیہ قانون کی تشریح کرتی ہے اور انتظامیہ قانون کی تنفیذ کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

قانون کی تنفیذ میں سب سے اہم پہلو قانون کی حفاظت کا ہے۔ اس بات کی نگہداشت بہت ضروری ہوتی ہے کہ کہیں کوئی مجرم قانون کو توڑنے کا مرتکب تو نہیں ہو رہا یا دوسروں پر ظلم تو نہیں ہو رہا یا دوسروں کو

---

[371] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مادہ۔ ش، جامعہ پنجاب، لاہور، جلد 11، ص:672

ان کے جائز حقوق سے محروم تو نہیں کر رہا؟۔ قانون اور افراد کے حقوق کی حفاظت پولیس کے ذمہ ہوتی ہے۔ پولیس معاشرے کو منظم رکھتی ہے، لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو کنٹرول میں رکھیں اور ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کریں۔ معاشرے میں عدل و انصاف کے قیام اور حق تلفی کو روکنے میں پولیس کا نہایت اہم کردار ہے۔

محکمہ پولیس بنیادی طور پر معاشرے میں نظم و ضبط اور امن و امان کے قیام کے لیے اور قانون پر عملدرآمد کروانے کا پابند ادارہ ہے۔ انصاف کی فراہمی پولیس کے بغیر ممکن نہیں، خاص طور پر فوجداری معاملاتِ انصاف میں پولیس کی اصلاح بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پولیس ایکٹ 1861 اور 2002 کے تحت صوبہ پنجاب، پاکستان میں مجرموں کے خلاف کارروائی کر کے تمام فوجداری مقدمات کو کنٹرول کرتا ہے۔[372]

اس کے علاوہ پولیس کا بنیادی فریضہ معاشرہ میں ظلم و زیادتی کو روکنا بھی ہے۔ بطور مسلمان ظلم و زیادتی کو روکنا دراصل پورے معاشرے کا اخلاقی و مذہبی فریضہ ہے۔ پولیس گویا اس ذمہ داری کو پورے معاشرہ کی طرف سے ادا کرتی ہے۔ شرک کے بعد اسلام کی نظر میں ظلم جس قدر مذموم فعل سمجھا جاتا ہے، شاید ہی کسی اور فعل کو اس درجہ مذموم قرار دیا گیا ہو۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مظلوموں کی مدد فرمائی اور لوگوں کا بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرۃ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین اشخاص کی دعا رد نہیں کی جاتی، جن میں سے مظلوم کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا

"وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يَرْفَعُهَا فَوْقَ الغَمَامِ، وَتُفَتَّحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: وَعِزَّتِي لأَنْصُرَنَّكِ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ۔[373]"

"اور مظلوم کی دعا کہ اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت بادلوں سے اوپر اٹھائیں گے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت کی قسم! ضرور تیری مدد کروں گا گو کچھ وقت کے بعد۔"

پس انصاف کا قائم کرنا اور ظلم کو روکنا دونوں ہی اخلاقی حوالے سے نہایت اونچے درجہ کے عمل ہیں۔ اس وجہ سے تقاضا تو یہ تھا کہ پولیس کو معاشرہ میں محبت اور قدر کی نظر سے دیکھا جاتا، مظلوم اور کمزور اسے

---

[372] ur.wikipedia.org/wiki/ پنجاب_پولیس_(پاکستان)

[373] الترمذی، الجامع الترمذی، باب ما جاء فی الصفة الجنة ، رقم الحدیث:2526

دیکھ کر محسوس کرتے کہ ان پر یہ محکمہ اور ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہے، مگر افسوس کہ اس وقت ہمارے معاشرہ میں پولیس بہت بدنام ہو گئی ہے۔ لوگوں کو جتنا خوف پولیس سے ہوتا ہے شاید کسی اور سے نہیں۔ پنجاب پولیس کے ہاتھ اگر کوئی لاوارث آجائے، تو اخلاقاً ریڑھ کی ہڈی توڑ دیتے ہیں اور اتنے مقدمات اس پر درج ہو جاتے ہیں کہ اس نے اتنے جرائم خواب میں بھی نہیں سوچ رکھے ہوتے۔

پولیس جن لوگوں کو گرفتار کرتی ہے، ان میں سے اکثر ملزم ہوتے ہیں، یعنی ان پر جرم کا الزام تو ہوتا ہے لیکن ابھی یہ الزام ثابت نہیں ہوتا۔ پولیس کا کام یہ ہے کہ جرم کے شواہد عدالت میں پیش کرے، ملزم کو مجرم ثابت کرے اور جس وقت تک یہ جرم ثابت نہ ہو جائے اس کے ساتھ مجرم کا سلوک نہ کرے، لیکن پولیس جو رویہ زیر تفتیش مجرموں کے ساتھ اختیار کرتی ہے اور جھوٹے مقدمات ملزموں پر بناتی ہے، وہ نہایت پریشان کن اور حیران کن ہے۔ ان الزامات کا جھوٹ ہونا زبان زدِ عام ہے۔ آئے دن پولیس کے گرفتار کردہ بے قصوروں کو عدالت رہا کرتی ہے اور پولیس کی سرزنش کرتی ہے۔ مار پیٹ کرنا، گالی گلوچ کرنا اور ملزموں کے ساتھ غیر قانونی و غیر اخلاقی حرکات کا ارتکاب کرنا گویا پولیس کے منصب کا خاصہ ہے۔ خصوصاً سیاسی لوگوں کا آلہ کار بننا ان کا معمول ہے۔ اسی وجہ سے حدود اللہ کے معاملات میں مشرف دور میں ان کو قانون کے تحت باہر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کسی بے گناہ آدمی پر یہ اثر انداز نہ ہو سکیں۔ پولیس کی پھرتیوں کی مثال تحریک لبیک کے قائد سعد رضوی کی گرفتاری ہے کہ اس کی گاڑی سے شراب کی بوتلیں برآمد کروا کر اسے گرفتار کیا گیا، جو پولیس کی کارکردگی پر دھبہ ہے۔

ان تمام خرابیوں کا حل محکمہ پولیس کی اصلاح سے ہے۔ پولیس کی اخلاقی اور فکری تربیت کا ایک ایسا جامع پروگرام ہونا چاہئے، جو ان کو مندرجہ ذیل معاملات سے واقفیت دلائے اور ان میں بہتری لائے:

1۔ پولیس کا ہر جوان اور افسر ایک رحم دل انسان اور مظلوموں کے مددگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

2۔ انہیں انسانی نفسیات سے واقفیت دلائی جائے۔

3۔ بے گناہوں پر ظلم و تشدد کی قباحتیں اور مفسدات ان پر واضح کیے جائیں۔

4۔ انہیں ذہن نشین کرایا جائے کہ ملزموں کے ساتھ کیا گیا ناروا سلوک انہیں حقیقی معنوں میں مجرم بنا دیتا ہے۔

5۔ اگر کسی انسان کے ساتھ ظلم و جور کا ارتکاب کیا جائے، تو پھر باغیانہ ذہن پروان چڑھتا ہے اور وہ

مرنے مارنے پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔
6۔ پولیس کا ظلم اور زیادتی نہ صرف قانون کی پامالی اور اخلاقی قدروں کی خلاف ورزی ہے، بلکہ یہ جرائم میں اضافہ اور دہشت گردی کی پیدائش کا سبب بھی ہے۔
7۔ انہیں اسلامی قوانین سے اس درجہ واقفیت دلائی جائے کہ فوجداری معاملات میں خوفِ خدا کے جذبہ سے بھرپور ہو کر کسی بے گناہ کو کسی کے اشارہ پر جھوٹے کیس میں نہ پھنسائیں، کیونکہ اللہ کہ لاٹھی بے آواز ہے اور اس کے ہاں دیر ضرور ہے لیکن اندھیر نہیں۔
8۔ انہیں دوران سروس خاص طور پر قوانین حدود و قصاص سے آگاہی دلائی جائے تاکہ صحیح انداز میں FIR درج ہو، کوئی ثبوت ضائع نہ ہو، گواہ ایسے شامل ہوں، جو کیس کے آخر تک حقیقی گواہی دیں اور مجرم کیفر کردار تک پہنچ سکیں، تاکہ معاشرہ افراتفری اور بے چینی سے بچ سکے۔
9۔ تربیت کے اس نظام میں جہاں قانون اور مجرموں کے سلسلہ میں معزز عدالتوں کی ہدایات کو شامل کیا جائے، وہاں ماہر نفسیات، سماجی رہنماؤں اور انسان دوست مذہبی اسکالروں کی بھی شرکت یقینی بنانی چاہیئے، جو انہیں انسانی جان، مال، عزت، آبرو کی اہمیت، رشوت ستانی اور ظلم و تعدی کی شناخت، نیز بغیر ظلم و تشدد کے ملزموں سے ان کی غلطیاں اگلوانے کے طریقوں کے بارے میں آگاہ کریں اور قانون کے محافظ کی حیثیت سے انہیں ذمہ دارانہ کردار کا حامل بنانے کی کوشش کریں۔
10۔ سیرت نبوی ﷺ کے تناظر میں ان کے لیے باقاعدہ لٹریچر شائع ہو اور تھانوں و جیل خانوں میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں تحریر و تقریر کے ذریعے ان کے ضمیر کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

ایک لازمی امر یہ بھی ہے کہ عوام میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ حقیقی مجرموں کی پشت پناہی نہ کریں، بلکہ جو لوگ واقعی مجرم ہیں، ان کو کیفر کردار تک پہنچانے میں قانونی اداروں کے ساتھ تعاون کریں۔ عام طور پر لوگ اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتے، جس وجہ سے معاشرہ میں ظلم و زیادتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ پولیس اگر اپنے فرائض منصبی کو صحیح طور پر سرانجام دے، تو وہ عوام کی محسن ہے، کیوں کہ بہت سی جگہوں پر اور مقامات پر اسے مسلح مجرموں کا مقابلہ کرنے نیز عوامی املاک کو ان کی ستم انگیزوں سے بچانے کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ عمل میں نکلنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات امن و امان کو قائم رکھنے کے لئے مسلسل چوبیس گھنٹے ڈیوٹی انجام دینی پڑتی ہے۔ یہ کوئی معمولی خدمت

نہیں ہے۔ اس لئے پورے طبقہ کے بارے میں ایک ہی طرح کی منفی رائے قائم کرلینا حقیقت پسندی کے خلاف ہو گا۔ عوام کو بھی چاہئے کہ وہ انصاف پسند اور ذمہ دار پولیس عہدیداروں کی حوصلہ افزائی کریں، انہیں اپنا محسن سمجھیں اور سنجیدگی کے ساتھ ان تک عوامی جذبات پہنچائیں، کیوں کہ بعض اوقات باہمی غلط فہمیوں کی بنیاد پر ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں، جو نفرت کا باعث بنتے ہیں۔

4۔ شہادت کی ضرورت واہمیت

کسی بھی تنازع میں فریقین کے لیے شہادت کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ مدعی (دعویٰ دار) کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثبوت مہیا کرے۔ بینہ ایک جامع لفظ ہے، جس کی ایک قسم گواہی ہے۔ قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ کرام میں جہاں جہاں بینۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد وہ چیز ہے جو حق کو پورے طور پر واضح کردے۔ اکثر ثبوت کے طور پر شہادت یا گواہی آتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ۔"[374]

"مدعی کے ذمے بَینہ (گواہ) ہے اور منکر پر قسم۔"

معلوم ہوا کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت یا اپنے کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے حاکم اسلام / قاضی کی عدالت میں کسی ایسے واضح ثبوت کو یا ایسے شخص کو پیش کرے جو اس کے دعویٰ کی تصدیق کرے۔ لفظ "شہادت" کسی کی تصدیق کرنے یا سچی خبر دینے کو بھی کہتے ہیں۔ شہادت شرعاً ایک خاص منصب اور دینی فریضہ ہے۔ اس لیے ہر شخص نہ تو اس کا اہل ہے اور نہ ہی ہر کوئی گواہی کے لیے موزوں۔ اس کے اہل صرف وہی شخص ہے جن کی سیرت وکردار پر معاشرے کو اطمینان ہو اور جو اپنے اخلاق ودیانت کے لحاظ سے عموماً لوگوں کے درمیان قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قاذف کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اسلام نے سچی گواہی دینے پر زور دیا ہے۔ مدعی کے طلب کرنے پر گواہی دینا لازم ہے بلکہ اگر گواہ کو اندیشہ ہو کہ اگر میں نے گواہی نہ دی تو صاحب حق کا حق ضائع ہو جائے گا۔ مدعی کو اگر معلوم نہ ہو کہ

---

[374] البيهقي، أحمد بن الحُسَين بن علي، السنن الكبرى، باب اصل القسامة، مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والإسلامية، الطبعة الأولى، 1432 ھ - 2011 م، رقم الحديث:16524

فلاں شخص معاملے کو جانتا ہے تو اسے گواہی کے لیے کیسے طلب کرے گا۔ اس صورت میں بغیر طلب بھی گواہی دینا لازم ہے، البتہ حدود میں گواہی سے متعلق دو پہلو ہیں: ایک برائی کا ازالہ کہ معاشرہ میں فساد برپا نہ ہو اور دوسرا مسلمان کی پردہ پوشی۔ اس لیے حدود کی گواہی میں گواہ کو اظہار و اخفاء کا اختیار ہے کہ پہلی صورت اختیار کرے اور گواہی دے تاکہ مجرم اپنی سزا کو پہنچے یا پھر دوسری صورت زیادہ بہتر ہے، لیکن جب مقدمہ قاضی تک پہنچ جائے اور جرم ثابت ہو جائے، تو ایسا مجرم جو شرعی حدود کی حفاظت نہ کرتا ہو اور مسلمان اس کے غلط کاموں کی بنا پر اس سے نالاں ہوں اور دوسروں کے اخلاق و عادات اور کردار کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلی صورت اختیار کرے تاکہ لوگ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔

قوانین حدود و قصاص کے نفاذ میں سب سے زیادہ اہمیت گواہوں کی ہے، کیونکہ ایف آئی آر کے کٹنے سے مقدمہ کے فیصلے تک سارا دارومدار ہی گواہوں پر ہے۔ شہادت کے حوالے سے ریاست میں پائے جانے والے مسائل یہ ہیں جس کی وجہ سے شہادت یا تو کوئی دیتا نہیں اگر دینے کے لیے کوئی تیار ہے تو مندرجہ ذیل مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

1۔ معاشرے میں عام طور پر مجرم ظالم و جابر، زبردست اور معاشی و سیاسی طور پر مضبوط ہوتا ہے جب کہ اس کا شکار ہونے والے افراد عموماً کمزور، غریب اور دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اور اس معاشرہ پر راج کرنے والے، ظالم، زبردست، مضبوط اور امیر ہوتے ہیں جب کہ کمزور افراد ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتے۔ اس لیے جب کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو عینی شاہد یا تو روپوش ہو جاتے ہیں یا پھر کسی بھی قسم کی گواہی دینے سے مکمل طور پر انکار کر دیتے ہیں کیونکہ دوسری صورت میں انہیں ظالم و جابر کے ظلم و جبر کو برداشت کرنا پڑ سکتا ہے یا پھر ان پر اور ان کے عزیز و اقارب پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے، دوسری جانب مظلوم قابل رحم حالت میں ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی کا نام بطور گواہ لکھوائے تو اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ وہ عین وقت پر مکر جائے یا پھر دباؤ کے تحت مظلوم ہی کے خلاف گواہی دے اور اگر خوش قسمتی سے یہ مرحلہ بھی حل ہو جائے تو پھر اس کا واسطہ پولیس سے پڑتا ہے۔

2۔ بدقسمتی سے ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں اداروں میں قانون کی بجائے افراد کی حکمرانی ہے اور قانون کی منشاء کی بجائے افراد کی منشاء نافذ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس معاشرے میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کارفرما ہے۔ اگر اس معاشرے میں حدود کو ٹھیک طرح سے نافذ بھی کر دیا

جائے تو صرف غریب اور کمزور کا ہی ہاتھ کٹے گا اور وہی سنگسار ہو گا۔ ہمارے معاشرے میں جب بھی کسی فرد کے ساتھ کوئی جرم وقوع پذیر ہوتا ہے تو یا تو وہ کمزور ہوتا ہے یا غریب۔ کسی معاشی اور سیاسی طور پر مضبوط شخص کے خلاف کوئی بھی انسان ارتکاب جرم کا سوچتا بھی نہیں۔ اگر ہمارے معاشرے میں کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو سب سے پہلے جس ادارے سے واسطہ پڑتا ہے وہ پولیس ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ڈاکو سے تو بچ سکتے ہیں مگر پولیس سے نہیں۔ پولیس بغیر رشوت کے کسی کی بات سننا گوارہ نہیں کرتی اور مجرم اگر امیر اور مضبوط ہے تو آپ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ الٹا خواری و بدنامی آپ کا مقدر بنے گی، کیونکہ ارتکاب جرم کے فوراً بعد مجرم ہی سیاسی اثر ورسوخ اور پیسے کا استعمال کرتے ہوئے پہلے سے رابطے میں ہو گا اور پولیس اندراج مقدمہ میں لیت ولعل کرے گی یا پھر مستغیث کی درخواست میں سے کیڑے نکال کر اس کو درخواست تبدیل کرنے کا کہے گی اور اس میں قانونی سقم پیدا کرنے کی کوشش کرے گی اور سادہ لوح انسان سے پوری بات معلوم نہیں کرے گی جس کی وجہ سے بعض اوقات قانون کی ضرورت بننے والے حقائق ضبطِ تحریر میں آنے سے رہ جاتے ہیں اور اس کا فائدہ سہواً یا جان بوجھ کر مجرم کو دلوایا جاتا ہے۔ تھانہ میں مقدمہ درج کرانے کے لیے ایک غریب آدمی کو سب سے پہلے سیاسی سفارش اور رشوت کی لازمی ضرورت ہوتی ہے اور سیاسی سفارش اور رشوت دونوں عام طور پر امیر اور مضبوط کے حق میں استعمال ہوتی ہیں۔

اگر رشوت ادا کیے بغیر مقدمہ درج ہو بھی جائے تو پولیس مستغیث اور ملزم ہر دو فریقین سے تفتیش کے نام پر رشوت وصول کرتی ہے تاکہ ضمنی اس کے حق میں لکھی جائے نتیجہ جو بھی ہو جتنا گڑ اتنا میٹھا والی بات سامنے آتی ہے۔ عموماً وقت یا صلاحیت کی کمی کے باعث ضمنی جات کسی اور سے لکھوائی جاتی ہیں، جہاں تک زنا سے متعلقہ مقدمات کی بات ہے تو اس قسم کے مقدمات میں طبی معائنہ / ملاحظہ اور تجزیاتی لیبارٹری کی رپورٹ انتہائی اہمیت کی حامل ہیں: اولاً یہ کہ اس بارے میں عوام میں آگاہی نہ ہونے کے برابر ہے اور بعض اوقات سفارش یا رشوت کے بندوبست میں تاخیر کے سبب یا پھر پولیس کے رویہ کی وجہ سے بروقت طبی معائنہ اور طبی تجزیہ کے لیے لئے جانے والے نمونے تاخیر سے حاصل ہونے کے سبب اصل حقائق میں شبہات کے ساتھ ساتھ ایک قیمتی شہادت ضائع ہو جاتی ہے جس کا فائدہ لامحالہ ملزم کو ہی ہوتا ہے۔ آج کل جب جھوٹ بہت عام ہے تو طبی شہادت کو بہت اہمیت حاصل ہے اور باقی شہادتوں کو کھرا کھوٹا

کرنے میں بھی اس کا کلیدی کردار ہے اور یہ ضائع ہونے کے باعث نفاذ قانون میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ تفتیش کا بنیادی مقصد شہادت اکٹھا کرنا ہوتا ہے اور آج کل کے جدید دور میں سائنسی بنیادوں اور حوالوں سے شہادت حاصل کرنا وترتیب دینانہایت اہمیت کا حامل ہے مگر یا تو پولیس جان بوجھ کر ملزم کو فائدہ دینے کی خاطر یا پھر صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے یہ شہادت عموماً ضائع کر بیٹھتی ہے۔ درج بالا بحث اور حقائق اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہم قوانین پر جتنی بحث کرلیں ان میں ترامیم اور ان کو اسلام کی روشنی میں اسلام کے مطابق بنانے کا جتنا بھی شور وواویلا کرلیں اور ان کو ٹھیک بھی کرلیں تو ان کو نافذ کرنے والے افراد ٹھیک نہیں ہوں گے تو ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

3۔ مندرجہ بالامراحل کے بعد پولیس زیر دفعہ 173 ضابطہ ءفوجداری چالان عدالت مجاز کو بھیجتی ہے اور اس دوان ملزم اگر حالات کو قابو میں رکھ کر مقدمہ میں کوئی خامی پیدا کرنے یا پانے پر جو کہ پولیس مدعی / مستغیث مقدمہ یا حالات کا شاخسانہ ہوسکتی ہے اپنی ضمانت کرانے کی کوشش کرتا ہے اور کسی خامی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی ضمانت ہوجائے تو اس کے حوصلے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ مستغیث مقدمہ کی سبکی ہوتی ہے اور پھر بھی اگر ملزم کے خلاف مقدمے میں کوئی جان ہو تو ملزم اور اس کا وکیل پیشی در پیشی کے تاخیری حربے استعمال کرتا رہتا ہے جس سے عموماً مستغیث تنگ ہوجاتا ہے اور اگر مقدمہ شہادت کی سطح پر ہو تو پھر پیشی پڑجانے کا کئی گنا برا اثر ہوتا ہے کیونکہ مستغیث مقدمہ گواہان کو کئی طرح کی منت سماجت کرکے عدالت لاتا ہے اور بعض اوقات گواہان بیرون شہر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض اوقات حالات کی ستم ظریفی سے ایک ساتھ ساعت کیے جانے والے سیٹ کے گواہان مقررہ تاریخ پر پورے نہ ہوسکنا بھی تمام تر مستغیث کی مجبوریاں ہیں اور ان حالات سے تنگ آکر مستغیث مقدمہ مخالف فریق کے دباؤ میں آکر اکثر ان مقدمات میں بھی راضی نامہ کرلیتا ہے، جن میں اس کو قانون اور شریعت اجازت نہیں دیتے کہ وہ راضی نامہ کرے۔ ان حالات میں عدالت کو چاہیے کہ وہ ضرورت کے تحت پیشی تو دے مگر مخالف فریق کو ہونے والے حرج اور گواہان کو ہونے والے حرج کا ازالہ بھی کرے۔

5۔ عدالتی انصاف کے حصول میں درپیش مشکلات

اسلامی ریاست میں قوانینِ حدود و قصاص کی تنفیذ کے لیے لازمی ہے کہ عدالت کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ عوام کو فوری اور سستے عدل کی سہولت فراہم کی جائے۔ عدالتی نظام میں فوری اور سستے عدل کی

فراہمی بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ عدل وانصاف کی فراہمی میں بہت زیادہ وقت لگنے کے بعد قانون کا نفاذ اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے۔ اسی طرح اگر عدل وانصاف کی فراہمی کے لیے بھاری رقم بھی درکار ہو، تو قانون سازی کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ عدالتیں رعایا کو فوری اور سستے انصاف کی فراہمی کو یقینی بنائیں۔ ہمیں عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ کرام سے بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ مقدمہ عدالت میں آجانے کے بعد اس کا فوری فیصلہ کیا جاتا تھا اور اس پر عمل درآمد کروایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ عدلیہ کا انتظامیہ کی بے جا مداخلت سے آزاد ہونا اور سب پر بالادستی ہونا قیام عدل کی لازمی شرط ہے۔ اسلام کے نظام عدل میں عدالت حاکم وقت سے لے کر عام شہری تک ہر ایک کو جواب دہی کے لیے طلب کر سکتی ہے اور قانون کے مطابق سزا بھی دے سکتی ہے اور عدالت کے کام میں انتظامیہ کا کوئی چھوٹا یا بڑا مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ یہ قاضی یا جج کی بالادستی نہیں بلکہ قانون کی بالادستی ہے جو خود جج یا قاضی پر بھی عائد ہوتی ہے۔ موجودہ عدالتی نظام اس ضرورت کو پورا نہیں کر رہا، بلکہ اس کا کام تو عوام الناس کے درمیان مستقل کشمکش کو باقی رکھنا اور مقدمہ بازی کو مستقل صورت دینا ہے۔ اسلام کا نظام عدل اس چیز کو برداشت نہیں کرتا۔

فوری اور سستے انصاف کی فراہمی کے لیے ہمارے موجودہ عدالتی نظام میں دو قسم کی تبدیلی سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ مروجہ عدالتی نظام میں تبدیلی کی پہلی قسم کا تعلق وکلاء سے اور دوسری قسم کا تعلق خود عدالت سے۔ وکلاء سے متعلق تبدیلی کی صورت یہ ہے کہ مروجہ پیشہ وکالت کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے اور عدالت سے متعلق تبدیلی کا مطلب ہے کہ کورٹ فیس کا انسداد ہو، جب تک ان دو سطحوں پر یہ تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ اس وقت تک ہمارے ہاں فوری اور سستے عدل کی فراہمی ایک خواب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے کیونکہ موجودہ پیشہ وکالت اپنے مزاج اور روح کے اعتبار سے اسلام کے نظام عدل کے سراسر منافی ہے اور جب تک اس پیشے کی اصلاح اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں کی جاتی ممکن نہیں ہے کہ اسلام کا قانون عدل اپنا کرشمہ دکھا سکے یا عدل کی فوری فراہمی کا عمل یقینی بن سکے کیونکہ ظاہر ہے وکالت پیشہ طبقات نے اپنی ذہنی صلاحیت کی دکان کھول رکھی ہے جس کی قیمت وصول کر کے وہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے ذہنی مشق کرتے ہیں خواہ مقدمات کو عدالت میں پیش ہوئے سالہاسال کیوں نہ گزر گئے ہوں۔ کورٹ فیس کا خاتمہ بھی اس قدر اہم امر ہے کیونکہ عدل کی

فراہمی کوئی تجارتی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ عبادت اور خدمت ہے اور جو عبادات ریا کے لیے یا جو خدمت صلے کی غرض سے انجام دی جائے ،اس کا اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؟مولانا مودودیؒ موجودہ پیشہ وکالت کی خرابی واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ایک وکیل اپنی قانونی مہارت کو لے کر بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور تیار رہتا ہے کہ جس مقدمہ کا جو فریق اس کے دماغ کا یہ کرایہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو اس کے حق میں وہ قانونی نکات سوچنا شروع کر دے۔ وکیل کو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ میرا موکل حق پر ہے یا باطل پر۔ مجرم ہے۔ بے گناہ اپنا حق وصول کرنا چاہتا ہے یا دوسرے کا حق مارنا چاہتا ہے اس کا مقصد ہوتا ہے روپیہ ، جو اسے روپیہ دے وہی حق پر ہے خواہ وہ مقدمہ کا ایک فریق ہو یا دوسرا۔"[375]

اسی طرح کورٹ فیس کے حوالے سے مولانا مودودی رقم طراز ہیں

"ملک کے نظام عدل وانصاف کو اسلامی معیار پر لانے کے ایک اور ضروری اصلاح یہ ہے کہ ہم اپنے ہاں سے کورٹ فیس بالکل اڑا دیں۔ یہ ایک ایسی گھناؤنی بدعت ہے جس سے ہم مسلمان مغربی تسلط سے پہلے کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی مذاق پر تصور ہی گراں ہے کہ عدالت دادرسی کی خدمت انجام دینے کے بجائے انصاف کی دکان بن کر رہے۔ جہاں سے کوئی شخص پیسہ دیئے بغیر جنس عدل حاصل نہ کر سکتا ہو اور جہان بے زر انسان کے لیے یہی مقدر ہو کہ ظلم سہے اور داد نہ پائے ، ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی دور کے ساتھ اس کی یہ یادگار بھی رخصت ہو جائے اور ہماری عدالتیں پھر سے اس اسلامی معیار پر قائم ہو جائیں جس کی رو سے انصاف رسانی ایک تجارتی کاروبار نہیں بلکہ ایک عبادت اور ایک خدمت بے زر ہے۔"[376]

اسلامی ریاست اس بات کا اہتمام کرتی ہے کہ عوام الناس کو مفت عدل وانصاف کی فراہمی یقینی بنائے، ویسے بھی سستا اور فوری عدل مہیا کرنے کے لیے کورٹ فیس کا نہ ہونا بے حد ضروری ہے۔

5.1 ججز کی تعداد

حصول انصاف میں تاخیر کا ایک سبب عدالتوں میں ججز کی تعداد میں کمی ہے۔ ہر جج کے پاس اتنے مقدمات ہوتے ہیں کہ وہ سوائے آئندہ کی پیشی دینے کے کوئی قابل ذکر کاروائی نہیں کر سکتا۔ لہذا ضروری ہے کہ حکام عدالت کی تعداد میں اضافہ کیا جائے کیونکہ ان کی کمی کے سبب تصفیہ مقدمات ایک طویل اور ہمت

375 مودودی، اسلامی قانون، ص:66

376 مودودی، اسلامی قانون، ص:70

شکن عمل ہو جاتا ہے۔ اس سے عوام اور خود حکام عدالت پریشان رہتے ہیں اور عدالت و حکومت بدنام ہوتی ہے۔ چنانچہ انصاف فراہم کرنے کی غرض سے ججز کی تعداد میں اضافہ ضروری ہے جب تک جج عوام کی تعداد کے مطابق نہ ہوں فیصلے ہو ہی نہیں سکتے۔ اس وقت پاکستان میں ججوں کی تعداد بہت کم ہے اور درج شدہ مقدمات زیادہ ہیں۔ ملک کی مختلف عدالتوں میں جج صاحبان کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:

سپریم کورٹ کے ججوں کی کل تعداد 17 اور موجودہ ججز صاحبان	16
سپریم کورٹ میں وفاقی شریعت کورٹ کے ججز صاحبان	2
وفاقی شرعی عدالت کے کل ججوں کی تعداد 4 اور موجودہ ججز صاحبان	3
اسلام آباد ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد	8
لاہور ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد	42
پشاور ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد	19
بلوچستان ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد	13
سندھ ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد	31

عدالتوں میں درج مقدمات

پاکستان میں اس وقت تک ملک کی اعلیٰ اور نچلی عدالتیں 21 لاکھ 44 ہزار زیر التوا مقدمات کے ایک بڑے بیک لاگ سے نمٹ رہی ہیں کیونکہ 2021 کے دوران 41 لاکھ 2 ہزار مقدمات کا فیصلہ کیا گیا اور 40 لاکھ 60 ہزار نئے مقدمات دائر ہوئے۔ ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق 2021 کے آغاز میں تمام عدالتوں میں مجموعی طور پر 21 لاکھ 60 ہزار مقدمات زیر التوا تھے۔

سپریم کورٹ، وفاقی شرعی عدالت اور ملک کی پانچ ہائی کورٹس نے گزشتہ سال کے دوران 2 لاکھ 29 ہزار 822 مقدمات نمٹائے اور 2 لاکھ 41 ہزار 250 نئے مقدمات قائم کیے اور 31 دسمبر کو اعلیٰ عدالتوں میں زیر التوا مقدمات کی تعداد 3 لاکھ 89 ہزار 549 تھی جبکہ یکم جنوری 2021 کو یہی تعداد 3 لاکھ 78 ہزار 216 تھی۔

اسی طرح ملک کی ضلعی عدلیہ میں گزشتہ سال کے آغاز میں 17 لاکھ 83 ہزار 826 مقدمات زیر سماعت تھے اور اس نے 38 لاکھ 72 ہزار 686 مقدمات کا فیصلہ کیا اور گزشتہ سال کے دوران 38 لاکھ 22 ہزار 881 نئے مقدمات دائر کیے گئے اور 3 دسمبر کو نچلی عدالتوں کے سامنے کُل 17 لاکھ 54 ہزار 947 مقدمات

زیر التوار ہے۔[377]

اب اتنے زیادہ مقدمات نمٹانا ججز کے لیے بھی مسئلہ ہے اس کے لیے ریاست کو ججز کی تعداد میں اضافہ کی ضرورت ہے۔

5.2 عدالتی طریقہ کار میں پیچیدگیاں

ہمارے عدالتی طریقہ کار میں بہت پیچیدگیاں ہیں۔ اللہ جانے یہ جان بوجھ کر رکھی گئی ہیں یا سہواً ایسا کیا گیا ہے، بہر حال طریقہ کار میں پیچیدگی یا غلطی کی وجہ سے تنقید اسلامی قوانین پر ہوتی ہے۔ اس کی جلد سے جلد اصلاح کی ضرورت ہے۔ دو چیزیں ہمارے لیے قابل غور ہیں: ایک چیز قانون اصل، دوسری چیز طریقہ کار۔ جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے تو اس میں کوئی ردوبدل ممکن نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے کسی کے ساتھ چاہے وہ مرد ہو یا عورت کوئی زیادتی نہیں ہوتی جب کہ دوسری چیز طریقہ کار کی وجہ سے بعض اوقات غلط فیصلے منظر عام پر آتے ہیں اور اسلام کے قوانین پر نقد کی جاتی ہے اگرچہ غلطی طریقہ کار کے سبب ہو رہی ہوتی ہے۔ اس میں حسب ذیل بہتری لائی جا سکتی ہے:

1۔ ضابطہ فوجداری کے تحت چالان پندرہ دن کے اندر اندر عدالت مجاز میں پیش ہونا چاہیے، جیسا کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 173 کا منشاء ہے لیکن اس میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے چالان کو بروقت عدالت مجاز میں پیش کرنے کو یقینی بنایا جائے۔

2۔ مقدمے کی سماعت کی رفتار مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ گواہان وغیرہ کی حاضری کو مقررہ تاریخ تک یقینی بنایا جائے۔ اس ضمن میں فریقین مقدمہ اور ان کے وکلاء کی عدالت مجاز میں موجودگی کے علاوہ خود عدالت مجاز کے پریذائیڈنگ آفیسر کی حاضری کو بھی یقینی بنایا جائے۔

3۔ چالان کی فہرست میں غیر ضروی گواہان اور ملزمان کو درج نہ کیا جائے، ورنہ مقدمے کی کاروائی غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گی۔

4۔ حدود قوانین کا ایک مخصوص مزاج ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے پولیس کو خصوصی تربیت دی جائے

---

[377] https://www.dawnnews.tv/news/1184857 Today/2023/07/18

تاکہ پولیس عدالت مجاز میں غلط چالان پیش نہ کرے، عموماً یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی رپورٹ کی بنیاد پر پولیس چالان پیش کر دیتی ہے اور مقدمے کی کافی عرصے تک سماعت کے بعد عدالت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ پولیس نے یہ چالان غلط پیش کیا ہے۔ لہذا وہ کسی دوسری عدالت مجاز میں از سر نو کاروائی کرتی ہے۔ اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔

5۔ خواتین کی شکایات کا ازالہ حدود کے قوانین میں ترمیم یا تنسیخ سے نہیں ہو گا، بلکہ سماعت کے طریقہ کار اور پولیس کی تفتیش کے طریقہ کار میں اصلاح کرنے سے ہو گا۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کی دفعہ 20 کے تحت ضابطہ فوجداری 1998ء کا اس آرڈیننس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ حدود کے مقدمات کے اندراج اور تفتیش میں پولیس کو اختیارات کے غلط استعمال کا موقع مل جاتا ہے اور لوگوں کو ظلم و جبر اور ناانصافیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو جواز بنا کر وہ حدود قوانین پر اعتراضات کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پولیس کی تفتیش اور مقدمات کے اندراج کا ایک نیا اور مخصوص طریقہ کار وضع کیا جائے جو حدود کے مزاج کی عکاسی کرتا ہو۔ اس بارے میں میرپور کے ضلع مفتی مولانا قاضی رویس خان ایوبی لکھتے ہیں

> "آپ کی تجویز کردہ تمام ترامیم اگر منظور بھی کر بھی لی جائیں تو بھی کسی قانون کا عملی نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمارا عدالتی نظام درست سمت میں حرکت نہ کرے۔ پولیس کا فرنگیانہ سسٹم جب تک چلتا رہے گا، کسی بھی قانون کا قانون بن جانا مفید نہیں۔ پولیس وہ بنیادی پتھر ہے جہاں سے تنفیذ کی دیوار کھڑی ہوتی ہے۔ ایف آئی آر کیا ہے؟ ضمنیاں کیا ہوتی ہیں؟ حد کسے کہتے ہیں؟ شبہ کیا شے ہے؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟ حد اور تعزیر میں کیا فرق ہے؟ نصاب شہادت پورا نہ ہو تو تعزیری سزاؤں کی کیا صورت ہو گی؟ اگر مقدمہ حدود آرڈیننس کے تحت درج ہوا ہے اور حد ثابت نہیں ہو سکی تو تمام تر قرائن کے باوجود مجرم صرف اس لیے بچ نکلتا ہے کہ جس دفعہ کے تحت عدالت میں چالان پیش ہوا ہے، استغاثہ اسے ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔ جب تک تھانوں میں فقہ اور حدیث پر معلومات رکھنے والے لوگ نہیں ہوں گے، حدود آرڈیننس بازیچہ اطفال بنا رہے گا۔ قصور حدود آرڈنینس کی دفعہ بندی یا قانون کی توضیح کا نہیں۔
>
> حدود آرڈینس کے مؤثر نہ ہونے یا ان کے غلط استعمال کے بارے میں یہ تاثرات ان حضرات کے ہیں جو عدالتی سسٹم کا حصہ ہیں، مقدمات سنتے اور فیصلے کرتے آرہے ہیں اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ

حدود آرڈیننس کے بارے میں جو شکایات کسی درجے میں جائز بھی ہیں، ان کی ذمہ داری قوانین پر نہیں، بلکہ سسٹم اور پروسیجر پر عائد ہوتی ہے لیکن ہم اس پر توجہ دینے کی بجائے حدود آرڈیننس کے پیچھے لٹھ لیے پھر رہے ہیں۔"[378]

5.3 عدالتی امور میں قومی زبان کا فروغ

انصاف رسانی کے حوالے سے یہ ضروری ہے کہ عوام اور اہل معاملہ خود قانون پڑھ اور سمجھ سکیں اور عدالتی کارروائی فریقین اور حاضرین سب سمجھ سکیں اور مطمن ہوں کہ انصاف کا تقاضا پورا ہو رہا ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور عدالتی زبان بھی لازمی طور پر اردو ہی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ تمام قوانین کے مستند اردو تراجم کرائے جائیں اور قوانین کے معیاری ایڈیشن حکومت کی نگرانی میں اور حکومت کی جانب سے شائع کیے جائیں اور آئندہ قانون سازی بھی اردو میں کی جائے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے مقتدرہ قومی زبان کے نام سے ایک ادارہ اسلام آباد میں قائم کیا ہے جو کتب کے معیاری اردو تراجم فراہم کرنے میں کوشاں ہے، تاہم اس ادارے کی مزید سرپرستی اور سب سے بڑھ کر عملی اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ نیز مقتدرہ قومی زبان کی طرف سے قانون کے جو تراجم سامنے آئے ہیں وہ عام فہم نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ ان تراجم کے مقابلے میں انگریزی قوانین نسبتاً عام فہم، سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔ موجودہ نصاب تعلیم عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ زبان شستہ اور عام فہم ہے۔ مشکل اور پیچیدہ عبارات سے حتی المقدور اجتناب کیا جاتا ہے لیکن ہماری عدالتوں میں مستعمل اردو زبان انتہائی پیچیدہ اور متروک ہے۔ اصحاب الرائے کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے اور تراجم میں سادہ الفاظ اور عبارات کا ستعمال کرنا چاہیے۔

5.4 التوا کی درخواستیں

انصاف کی فراہمی میں تاخیر کی وجہ سے عوام کا عدالتوں پر سے اعتماد کم ہوتا جا رہا ہے اور اس تاخیر کی ایک اہم وجہ التوا کی درخواستیں ہیں۔ فریقین جب التوا کی درخواستیں دیتے ہیں تو عدالتیں معمول کے مطابق التوا دے دیتی ہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ التوا کی درخواستوں کا سختی سے جائزہ لیا جائے، اگر کوئی معقول عذر ہو تو التوا دینا چاہیے ورنہ نہیں۔ وکلا صاحبان اور جج حضرات باہمی تعاون سے التوا روک سکتے ہیں۔

---

[378] زاہد الراشدی، ابو عمار، حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، 2007ء، ص:80-79

5.5 عدم تعمیل سمن

سمن کی عدم تعمیل فصل خصومات میں تاخیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ مدعاعلیہ پر سمن کی تعمیل میں تاخیر فصل خصومات کی تاخیر پر منتج ہوتی ہے۔ اس حوالے سے آج کل موجودہ صورت حال یہ سامنے آرہی ہے کہ سمن کی عدم تعمیل کی صورت میں بیلف حکم نامہ سمن کی پشت پر اپنا حلفیہ بیان عدالت میں اپنی اس تصریح کے ساتھ پیش کر دیتا ہے کہ مدعاعلیہ پر سمن کی تعمیل نہ ہو سکی یا مدعاعلیہ لاپتا ہے یا تعمیل سمن سے انکاری ہے، جب کہ صورت حال کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کے بعد عدالت یک طرفہ کارروائی شروع کر سکتی ہے۔ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ بیلف کا بیان محض رسمی ہوتا ہے اور یہ بیان دیتے ہوئے اسے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بیان حلفی کی تصدیق حاکم عدالت کے رو برو ہوا کرے، تاکہ بیلف کو اپنے بیان کی صداقت، اس کے شرعی تقاضوں اور ذمہ داریوں کا احساس بوقت حلف مستحضر رہے اور یہ محض رسمی ضابطے کی کارروائی بن کر نہ رہ جائے، نیز یہ کہ مدعاعلیہ اگر حاضر نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں عموماً فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ عدالت میں اس کی حاضری کے لیے اشتہار جاری کرنے کے موجودہ طریق کار کو بدل کر عدالتوں کو جدید ذرائع بھی استعمال کرنا چاہییں، مثلاً ایس ایم ایس، ای میل، واٹس ایپ اور مقامی ایف ایم ریڈیو کا استعمال وغیرہ۔

5.6 ماہرین کی آراء کا حصول

عدالتی معاملات میں تاخیر کی ایک وجہ قرائن کی جانچ پڑتال مثلاً فنگر پرنٹس، خون کے دھبے اور تحریروں کی شناخت کے لیے تجربہ گاہوں کی شدید کمی ہے۔ ان کی رپورٹس میں تاخیر فیصلے میں تاخیر پر منتج ہوتی ہے۔ ہر تحصیل کی سطح پر نہ سہی، کم از کم ہر ضلع کی سطح پر ایسی تجربہ گاہیں موجود ہوں جو ان مقاصد کے لیے استعمال کی جاسکیں، نیز متعلقہ افسر اپنی رپورٹ مقررہ مدت میں لازماً عدالت میں پیش کرنے کا پابند ہو۔

فصل سوم: حدود و قصاص کے اسلامی اور بین الممالک قوانین کے طرقِ نفاذ کا باہمی ربط

دنیا اس وقت گلوبل وِلج بن چکی ہے۔ ایک دوسرے سے آزادانہ تجارت، دفاع، تعلیم، ٹیکنالوجی، توانائی اور ماہرین کے تبادلوں کے معاہدے ہو رہے ہیں۔ کوئی بھی ملک معاشرتی، معاشی، تجارتی اور سیاسی طور پر ایک دوسرے کے رابطے اور تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا اور یہ وقت کی ضرورت بھی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے جائیں۔ دفاع، توانائی، تعلیم، جدید ٹیکنالوجی، تجارت، ماہرین اور قرضوں کی وجہ سے مسلمان ممالک عالمی برادری کے ساتھ تعاون پر مجبور ہیں حالانکہ سب سے زیادہ وسائل مسلمانوں کے پاس ہیں لیکن ان وسائل کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے اور آپس میں اتفاق و اتحاد نہ ہونے اور صحیح منصوبہ بندی نہ کرنے کی وجہ سے عالمی ادارے اور عالمی برادری مسلمانوں سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرواتی ہے، پالیسیاں تبدیل کرواتی ہے اور ان کی ہدایات پر عمل کرنا ہماری حکومتوں و مقتدر شخصیات کی مجبوری ہے۔ حدود و قصاص سے متعلق قانون سازی اور ان قوانین پر عمل درآمد کے سلسلے میں مسلم دنیا کو بین الاقوامی طور پر عالمی برادری کے رویوں کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہے۔ یہ مشکلات اور مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ شرعی اور وضعی قوانین کی باہمی مطابقت

حدود و قصاص کے قوانین پر عمل درآمد کے سلسلے میں ایک بہت بڑا مسئلہ اسلامی قوانین حدود و قصاص کا بین الاقوامی قوانین کے ساتھ باہمی مطابقت نہ ہونا ہے۔ اسلامی ممالک میں جو حدود و قصاص کے قوانین نافذ العمل ہیں وہ یا تو شریعت محمدی ﷺ کے عین مطابق ہیں یا اگر یہ غیر اسلامی ہیں تو انہیں اسلامی قوانین سے بدلنے کی کوششیں جاری ہیں اور جو عالمی و بین الاقوامی قوانین ہیں۔ وہ انسانوں کے وضعی قوانین ہیں اور ان میں تبدیلی کی گنجائش بہر حال موجود ہے اور یہ شرعی قوانین کی طرح مکمل نہیں ہیں۔ ان میں بہت سی خامیاں ہیں اور یہ غریب اور کمزور ممالک پر حکومت کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔

بین الاقوامی کردار کے حوالے سے جب قوانین حدود و قصاص کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان قوانین کی عام طور پر مخالفت ہوتی رہتی ہے اور ان کی منسوخی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ سامنے آتا ہے کہ یہ قوانین آج کے مروجہ بین الاقوامی قوانین سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور عالمگیریت کے جدید ماحول میں عالمی قوانین اور نظام سے مطابقت نہیں رکھتے۔ جہاں تک حدود قوانین کے آج کے مروجہ بین

الاقوامی قوانین کے ساتھ باہمی مطابقت کا تعلق ہے۔ یہ امر واقع ہے کہ ان میں باہمی مطابقت موجود نہیں ہے، نہ تو ضروری ہے اور نہ یہ ممکن ہے۔ اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مروجہ بین الاقوامی قوانین اور اسلامی فوجداری قوانین کے ماخذ اور سرچشمے الگ الگ ہیں۔ اسلامی قوانین کا ماخذ وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات ہیں کیونکہ فوجداری قوانین یا حدود کی جو عملی صورتیں اسلامی شریعت میں بیان کی جاتی ہیں ان کی بنیاد الہامی تعلیمات (تورات اور قرآن مجید کی تعلیمات) پر ہے جب کہ مروجہ بین الاقوامی قوانین کی بنیاد سوسائٹی کی اجتماعی عقل اور خواہش پر ہے اور ان کا فکری سرچشمہ وحی الٰہی سے بے زاری یا کم از کم لاتعلقی کا فلسفہ ہے۔ اس لیے ان کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوششوں پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن اور قابل عمل بات نہیں ہے اور اسے ضروری قرار دے کر اسلامی حدود وقصاص قوانین کو مروجہ بین الاقوامی قوانین یا ان کے قانونی نظام کے ساتھ مطابقت دینے کی کوئی صورت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ہم خود بھی وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات سے خدانخواستہ دست بردار ہو کر اپنے قانون کے ماخذ کو تبدیل نہیں کر لیتے۔ اس کی مثال حدود وقصاص قوانین پر عمل درآمد کے وقت سزا کے نفاذ سے ہے جو نص سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خود حدود وقصاص قوانین کی عملی تنفیذ کر کے دکھائی اور رسول اللہ ﷺ کے خلفاء نے بھی انہی قوانین کو نافذ کیا۔ لیکن عالمی برادری کا جرم و سزا کا فلسفہ، سزا کے قوانین اور پھر ان سزاؤں کے نفاذ کے اصول اسلامی اصولوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ملاحظہ ہوں عالمی قوانین کے سزا کے قوانین اور اصول، جیسا کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کی دفعہ نمبر 5 میں کہا گیا ہے

"کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔"379

گویا کسی بھی جرم کی سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان تینوں باتوں سے خالی ہو اور اگر کسی سزا میں ان میں سے کوئی بات پائی گئی تو وہ انسانی حقوق کے منافی تصور ہو گی۔ اسی بنیاد پر اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی اور انسانی حقوق کے منافی قرار دیا جاتا ہے کہ سنگسار کرنا، کوڑے مارنا، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سر عام سزا دینا بہر حال جسمانی تشدد اور تذلیل پر مشتمل ہے اور اگر اقوام متحدہ کے چارٹر میں طے کردہ اصول کو تسلیم کر

---

379 United Nations Universal Declaration of Human Rights, Section 5.

لیا جائے تو حدود شرعیہ کی کم و بیش سبھی سزائیں انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار پاتی ہیں۔

بعض مسلم دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ اگر قانون کے نفاذ کا طریقہ کار تبدیل کر لیا جائے اور عدالتی نظام میں مغربی سسٹم کو اپنا کر اسلامی قوانین کی جزئیات میں کچھ ردوبدل کر لیا جائے تو بین الاقوامی قوانین اور اسلامی حدود کے درمیان مفاہمت اور مطابقت کا ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ اس عملی مثال سے اس بات کی وضاحت ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بیان کیا گیا ہے اور یہ صریح حکم ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے اسی طرح عمل کیا ہے اور اس سختی کے ساتھ عمل کیا ہے کہ ایک موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اگر! میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ یہ سزا قرآن مجید کے علاوہ تورات اور دیگر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ اس لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ چور کا جرم ثابت ہونے پر اسلام کی رو سے جو سزا ملے گی، وہ ہاتھ کاٹنے کی صورت میں ہی ہو گی، البتہ اس بات پر بحث و تمحیص کی گنجائش موجود ہے کہ چور کا اطلاق کس شخص پر ہوتا ہے اور کم از کم کتنی مالیت کی چوری پر یہ سزا نافذ ہو گی۔ چوری کے جرم کا ثبوت کیسے ہو گا اور اس کی دیگر تفصیلات کیا ہوں گی۔ ان سب امور پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ فقہاء نے ہر دور میں اس پر بات کی ہے اور ایک دوسرے سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن کسی بھی فارمولے کے مطابق چوری ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چور کا ہاتھ کٹے گا اور آج کے بین الاقوامی قوانین کا اصل اعتراض ہاتھ کاٹنے پر ہے۔ چور کی تعریف یا چوری کے ثبوت کے طریقہ کار پر نہیں ہے۔ یہ ہماری غلط فہمی ہے کہ چور کی تعریف بدل دینے یا چوری کے ثبوت کا طریقہ کار تبدیل کر دینے سے مغرب کا اعتراض ختم ہو جائے گا اور قوانین حدود و قصاص کی بین الاقوامی قانونی نظام سے باہمی مطابقت ہو جائے گی۔ ایک لمحہ کے لئے آپ یہ تصور کر لیں کہ ہم نے عدالتی طریقہ کار کو مکمل طور پر مغرب کے نظام قانون سے ہم آہنگ کر لیا ہے۔ چور کی تعریف بدل دی ہے، شہادت اور ثبوت کے تمام طریقے مغرب کے لے لیے ہیں لیکن بین الاقوامی قانون کے تحت قرار پانے والے چور کو مغربی نظام اور عدالتوں کے طریقہ کار کے مطابق جرم ثابت ہونے کے بعد سزا وہی دے رہے ہیں جو قرآن مجید نے بیان کی ہے تو اس سے مغرب کا اعتراض ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کا اصل اعتراض چور کی تعریف یا چوری کے ثبوت کے طریقہ کار پر نہیں بلکہ چور ثابت ہو جانے والے شخص کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دینے پر ہے اور یہ اعتراض اس وقت تک

باقی رہے گا جب تک ہم قرآن مجید کے موجودہ حکم سے دست بردار نہیں ہو جاتے یا اسے وہ معنی نہیں پہنا دیتے جو مغرب کی منشاء کے مطابق ہیں خواہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اپنے فیصلوں، خلفائے راشدین کے طرز عمل اور امت کے چودہ سو سالہ اجماعی تعامل کی نفی کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

اس کی دوسری مثال زانی کی سزا کا مسئلہ دیکھ لیجیے۔ ہمارے ہاں اسلامی قوانین کو آج کے ماحول میں قابل قبول صورت میں پیش کرنے کے لیے اس مسئلہ پر بحث ہوتی ہے کہ رجم شرعی حد ہے یا نہیں۔ شہادت میں عورت کا درجہ کیا ہے اور جرم کے ثبوت کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ ہمارے بعض دانشوروں کا خیال ہے کی رجم کو شرعی حد کے زمرہ سے خارج کر دیں گے یا عورت کی گواہی کو آج کے مروجہ عالم معیار پر لے آئیں گے یا جرم کے ثبوت کے لیے مغرب کے عدالتی نظام کو اپنا لیں گے تو زنا کی قرآنی سزا پر مغرب کا اعتراض ختم ہو جائے گا۔ یہ خوش فہمی کی بات ہے اس لئے کہ مغرب کا اصل اعتراض ان باتوں پر نہیں بلکہ سرے سے زنا کے جرم قرار دیئے جانے پر ہے۔ اس لیے کہ زنا بالرضا مغرب کے نزدیک سرے سے جرم ہی نہیں ہے۔ مغرب کے ہاں زنا میں صرف جبر کا پہلو جرم کے ذیل میں آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جرم کا تعلق زنا سے نہیں، صرف جبر سے ہے۔ اب اگر ہم ایک لمحہ کے لیے رجم کو حدود کی فہرست سے نکال دیتے ہیں اور جرم کے ثبوت کے لیے تمام طریقہ کار بدل لیتے ہیں، لیکن باہمی رضامندی کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے والے غیر شادی شدہ جوڑے کو قرآن مجید کے حکم کے مطابق سو کوڑے مارتے ہیں تو مغرب کا اعتراض پھر بھی باقی رہے گا اور بین الاقوامی قوانین سے باہمی مطابقت نہ ہونے کا سوال پھر بھی قائم رہے گا۔ اس حوالے سے مولانا زاہد الراشدی لکھتے ہیں

"ہمیں حدود قوانین کی موجوہ ہیئت پر اصرار نہیں ہے ہم قرآن مجید کی بیان کردہ حدود اور ان پر عمل درآمد کے لیے بنائے جانے والے قوانین کے درمیان فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں اور انسانی ذہنوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط میں غلطی کے امکان اور ردوبدل کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں، مگر یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ اس سے مسئلہ حل نہیں ہو گا اور یہ ساری ورزش کرنے کے بعد بھی مغرب کے اعتراضات اور بین الاقوامی قوانین سے ہم آہنگ نہ ہونے کا مسئلہ جوں کا توں موجود رہے گا۔ اس لیے اس حوالے سے اصل ضرورت بنیادی سوچ میں تبدیلی لانے کی ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور مغرب کے ساتھ افہام و تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں، لیکن اس کے لیے اسلامی قوانین میں ردوبدل کر کے اسے مغرب کے قوانین کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی نہیں بلکہ مغرب کو اس کے قانونی نظام کی خامیوں سے آگاہ کرنے اور

بین الاقوامی قوانین کو وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی طرف واپس لانے کی محنت کی ضرورت ہے۔"[380]

اسلام میں حدود اللہ کی سزائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور ان میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور ہم نے ہر صورت میں انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے قوانین کی ہی پیروی کرنی ہے، نہ کہ بین الاقوامی قانونی نظام کی، کیونکہ اس طرح کا حکم ہمیں قرآن مجید سے ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾[381]

"یہ اللہ کی حدیں ہیں پس ان کے قریب نہ جانا۔"

اللہ عالم الغیب کو معلوم تھا کہ مسلمانوں پر بین الاقوامی قانونی نظام کے حوالے سے یہ اعتراضات اٹھائیں جائیں گے اس لیے آپ ﷺ کی زبانی پہلے سے حکم دے دیا گیا

"أَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ، وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ "۔"[382]

"اللہ کی حدود کو قریب و بعید سب میں قائم کرو اور اللہ کے حکم بجا لانے میں ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے۔"

2۔اسلامی و غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کا باہمی تعلق

شرعی قوانین پر مغربی دنیا اور بین الاقوامی حلقوں کے اعتراضات کی اصل وجہ اسلامی اور غیر اسلامی نظریہ حیات، فلسفہ حیات، تہذیب و تمدن اور ثقافت میں تضاد ہے۔ اسلامی طرز فکر، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات سب الہامی ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مغرب نے اپنے سیکولر فلسفہ حیات، نظام زندگی اور تہذیب، تمدن و ثقافت کو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کی شکل دے کر اور اس پر دنیا کے کم و بیش تمام ممالک سے دستخط لے کر عالمی قوانین کی حیثیت دے رکھی ہے اور اب وہ انسانی حقوق کے نام پر اپنے فلسفہ و تہذیب کو اقوام متحدہ کی چھتری تلے قوت اور دباؤ کے ساتھ دنیا بھر

---

380 زاہد الراشدی، مولانا، حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، 2007ء، ص:59

381 البقرہ، 2 : 187

382 ابن ماجه ، السنن ابن ماجه ، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود، دار الفكر ، بيروت، رقم الحديث: 2540

سے منوانے کی کوشش کر رہا ہے اور چونکہ اس مغربی فلسفہ و ثقافت کی راہ میں صرف اور صرف اسلامی فلسفہ حیات اور شرعی قوانین ایک مضبوط رکاوٹ ہیں اس لیے نہ صرف ان کی مخالفت کی جا رہی ہے بلکہ مغرب اور ان کے ہم نواؤں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں کسی اسلامی قانون کو عملاً نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا اور نہ ہی کسی خطے میں کوئی اسلامی، فلاحی و نظریاتی حکومت قائم ہونے دی جائے گی۔ آج کی اصل تہذیبی جنگ یہی ہے اور حدود آرڈیننس کے خلاف سیکولر حلقوں کی مہم اسی عالمی جنگ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔

اقوام متحدہ کے چارٹر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بین الاقوامی معاہدہ ہے اور چونکہ ہم اس معاہدہ میں شریک ہیں اور ہم نے اس پر دستخط کر رکھے ہیں اور ہم اقوام متحدہ کے نظام کا بھی حصہ ہیں، اس لیے ہمیں اس معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیے۔ ہمارے ہاں سپریم کورٹ میں ایک کیس کے حوالے سے اس پر بحث ہو چکی ہے اور عدالت عظمیٰ نے اسی اصول پر اس کیس کا فیصلہ کیا تھا کہ انسانی حقوق کا یہ منشور بین الاقوامی معاہدہ ہے اور اس معاہدہ کی پابندی ہم پر لازم ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی اس موقع پر کہا گیا تھا کہ انسانی حقوق کا یہ چارٹر آج کا عالمی عرف ہے اور قرآن مجید ہمیں معروفات کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے بھی اس عالمی عرف کی پابندی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس لیے آج اگر ہم سے امریکہ، اقوام متحدہ یا ایمنسٹی انٹرنیشنل ان قوانین پر نظر ثانی یا ان کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ بلاوجہ نہیں ہے اور اس اعتراض، دباؤ یا مطالبہ کی جڑیں اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ نمبر 5 میں پیوست ہیں۔ اس کے لیے عالمی سطح پر کوئی مضبوط مؤقف اختیار کیے بغیر ہم اس مخمصے سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلم دنیا کے مسلمان حکمرانوں یا اداروں میں سے کوئی بھی بین الاقوامی سطح پر یہ مسئلہ اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہے اور ہم جزئیات پر اپنا وقت، وسائل اور توانائی صرف کر رہے ہیں۔

عالمی برادری، عالمی اداروں اور مقتدر مغربی حکمرانوں کو امت مسلمہ کے اس مسئلہ کا ادراک کرنا چاہیے۔ ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کو یہ بات عالمی برادری کو باور کرانی چاہیے کہ یہ قوانین کیونکہ قرآن و حدیث، عمل صحابہ و تابعین سے ثابت ہیں اور امت کا ان قوانین حدود و قصاص پر اجماع ہے۔ اس لیے ان قوانین کو ہم بالکل نہ تو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ان میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ اس وقت ستاون اسلامی ممالک ہیں اور ان اسلامی ممالک کے پاس ہزاروں حاکم و دانشور اور قانونی دماغ ہیں، مگر معاملہ وہی ہے کہ بلی کے

گلے میں گھنٹی کون باندھے۔اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے زاہد الراشدی تحریر کرتے ہیں

"میری یادداشت کے مطابق ماضی قریب میں یہ مسئلہ مسلمان حکمرانوں میں سے صرف ملائیشیاء کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد نے اٹھایا تھا اور اقوام متحدہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر انہوں نے عالم اسلام کے حکمرانوں پر زور دیا تھا کہ وہ متحد ہو کر دو مسئلوں کے لیے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالیں: ایک یہ کہ سلامتی کونسل میں ویٹو پاور کے سلسلے میں عالم اسلام کو بھی شریک کیا جائے اور دوسرا یہ کہ انسانی حقوق کے چارٹر پر نظر ثانی کی جائے۔ یہ دونوں باتیں درست اور ضروری ہیں۔ ایک بات سے اقوام متحدہ میں اختیارات کا عدم توازن ختم ہو گا اور عالم اسلام کو اس کا صحیح مقام ملے گا، جب کہ دوسری بات نظریاتی اور تہذیبی توازن کا باعث بنے گی۔"[383]

مگر آج تک کسی مسلم حکمران نے مہاتیر محمد کی اس بات کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ آج بھی اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ عالم اسلام کو نہ اقوام متحدہ کے اختیارات اور انتظامی نظام میں نمائندگی حاصل ہے اور نہ ہی نظریاتی اور ثقافتی حوالے سے اسلام اور عالم اسلام کی کسی بات کو اہمیت دی جاتی ہے۔سوائے اس کے ،اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے کہ اقوام متحدہ کی سطح پر اسے پوری قوت کے ساتھ اٹھایا جائے اور مسلم ممالک کے حکمران متحد ہو کر اپنے یہ دونوں حق حاصل کرنے کے لیے سنجیدہ جدوجہد کریں۔

3۔ قوانینِ حدود و قصاص بین الاقوامی رویوں کے تناظر میں

وضعی قوانین کی جگہ شرعی قوانین بدرجہا بہتر اور قابل عمل ہیں۔ ان میں غلطی کا احتمال بھی نہیں اور ان کا مقصد نہ صرف مجرموں کو سزا دینا ہے، بلکہ یہ مجرم اور معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ، انسانوں کو برائیوں سے بچانا، معاصی سے روکنا، آمادہ اطاعت کرنا، اخلاقی اقدار کا تحفظ اور انسداد جرم کے لیے نہایت مؤثر ہیں، جب کہ وضعی قوانین میں مجرموں کو سزا دے کر صرف جرم سے روکنا مقصود ہوتا ہے، معاشرے کی اصلاح اور دوسری چیزیں مقصود نہیں ہوتیں۔ اس حوالے سے عبدالقادر عودہ شہید لکھتے ہیں

"شرعی قوانین میں سزا کا مقصد افراد کی اصلاح، اجتماعی تحفظ اور معاشرتی بہبود ہے۔ اس لیے سزا کو ان اصولوں پر قائم ہونا چاہیے جس سے یہ مقاصد حاصل ہو سکیں۔ اصول مندرجہ ذیل ہیں:

---

383 زاہد الراشدی، حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل، ص:17

1. سزا ایسی ہو جس کی وجہ سے لوگ ارتکاب جرم سے باز رہیں۔
2. سزا کی تحدید میں اجتماعی ضرورت اور معاشرتی مفاد کو پیشِ نظر رکھا جائے۔
3. مجرم کی تادیب کا مقصد اس سے انتقام لینا نہیں، بلکہ اس کی اصلاح ہے۔"[384]

چاہیے تو یہ تھا کہ اقوام عالم ان قوانین کا نفاذ کرتیں لیکن مذہبی تعصب، اسلام سے عناد، دنیا پر حکومت کرنے کا خواب، طاقت کا نشہ اور مسلمانوں کا خود ان قوانین پر عمل نہ کرنا آڑے آئے۔اب صورتحال یہ ہے کہ ان قوانین پر عمل درآمد نہ کرنے کے حوالے سے بین الاقوامی برادری کا مسلمانوں پر دباؤ ہے کہ کسی طرح مسلمان ان قوانین پر عمل درآمد نہ کرکے اللہ تعالیٰ کے نافرمان بن کر اس کی رحمت سے دور ہو جائیں۔پاکستان میں حدود آرڈیننس میں تبدیلی و ترمیم کے وقت بین الاقوامی اداروں اور حکومتوں کے اعتراضات مندرجہ ذیل تھے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی تحریر کرتے ہیں

"حدود آرڈیننس پر اعتراضات کیا تھے اور کن حوالے سے ان کو ختم کرنے یا ان میں ردوبدل کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔اس کے پس منظر کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم اس تنازعہ کی اصل نوعیت کو نہیں سمجھ سکیں گے اور اس کشمکش کی ماہیت کا ادراک نہیں کر سکیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بین الاقوامی حلقوں کو ہمارے اس قانون پر اعتراض کیا ہے اور کیوں ہے؟۔ سادہ سی بات ہے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے یہاں کے مسلمان اگر اپنی مرضی سے اپنے معاشرے کے لیے کوئی قانون اختیار کرتے ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق کسی قانون کا نفاذ کرتے ہیں تو اس پر امریکہ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور کسی بھی بیرونی ملک یا ادارہ کو پاکستانی عوام کے اس حق میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے لیکن اس کے باوجود امریکہ اس میں مداخلت کر رہاہے، اقوام متحدہ کو اس قانون کے خاتمہ میں دلچسپی ہے، یورپی یونین اس قانون کو ختم کرنے پر زور دے رہی ہے یا ایمنسٹی انٹرنیشنل حدود قوانین کے خلاف ہے تو ہمیں اس کی وجہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس اختلاف کے اصل سرچشمہ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس کے بغیر ہم اس مداخلت کا راستہ نہیں روک سکیں گے اور اس نوعیت کے اگلے اقدامات کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکیں گے۔ یہاں یہ بات بھی ہمارے علم میں ہونی چاہیے کہ معاملہ صرف حدود آرڈیننس میں چند ترامیم تک محدود نہیں ہے بلکہ اصل ایجنڈا بڑا طویل ہے اور اس کے اہم مراحل آگے آرہے ہیں۔ بین الاقوامی حلقوں کا مطالبہ حدود قوانین کے حوالہ سے ان

---

[384] عبد القادر عودہ، شہید، مترجم ساجد الرحمٰن کاندھلوی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1988ء، جلد2، ص:6-5

ترامیم کا نہیں ہے، بلکہ حدود آرڈیننس کو مکمل طور پر ختم کرنے کا ہے اور صرف ان قوانین کو ختم کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سے قوانین ان مطالبات کی زد میں ہیں۔"[385]

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شرعی قوانین کے خاتمہ کے لیے امریکہ مسلمان ممالک سے رابطے میں رہتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ کسی طرح ان حدود و قصاص اور دوسرے اسلامی قوانین سے جان چھوٹ جائے۔ اس حوالے سے روزنامہ پاکستان لاہور میں یہ خبر چھپی

"امریکی وزارت خارجہ نے پاکستان کے بارے میں 2006ء کی رپورٹ میں صاف طور پر کہا ہے کہ امریکہ پاکستان میں تحفظ ختمِ نبوت سے متعلقہ قوانین، تحفظ ناموسِ رسالت کے قانون اور حدود آرڈیننس کے قوانین کو ختم کروانے کے لیے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے اور اسلام آباد کا امریکی سفارت خانہ اس سلسلے میں پاکستان کے ارکانِ پارلیمنٹ سے مسلسل رابطہ میں ہے"[386]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں ابھی مزید ترامیم ہوں گی، گستاخِ رسول ﷺ کے لیے موت کی سزا کا قانون ختم کرنے کی بات ہو گی اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے فیصلے پر بھی نظر ثانی ہو گی اس لیے یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر تحفظ حقوقِ نسواں ایکٹ کو آسانی سے ہضم کر لیا گیا اور اس کے خلاف بھرپور قومی احتجاج منظم نہ کیا جا سکا تو ان دوسرے مراحل کو نہیں روکا جا سکے گا اور دینی حلقے اس مہم میں پسپائی کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کر پائیں گے۔

اسی بین الاقوامی برادری کے دباؤ کی وجہ سے حکومت پاکستان نے سزائے موت کی سزا کو مؤخر کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ملک عزیز میں دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے اور کسی بھی دہشت گرد کو یا بڑے مجرم کو عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ قاتل دس سال میں عمر قید کی سزا پوری کرنے کے بعد معاشرے میں سرِعام دندناتے پھرتے ہیں۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور 18 ستمبر 2014ء کے مطابق

"عدالت نے سزائے موت کے قیدی کو آج دی جانے والی پھانسی کو 13 اکتوبر تک ملتوی کر دیا ہے۔ ملک میں 2008ء سے سزائے موت کے قیدیوں کو پھانسی دینے پر پابندی عائد ہے اور چھ سال میں پہلی مرتبہ کسی سول قیدی کو عدالتی حکم کے تحت تختہ دار پر لٹکایا جانا تھا لیکن اچانک پھانسی کو 17 اکتوبر تک ملتوی کر دیا گیا، کیونکہ پاکستان کو یورپی یونین نے جی ایس پی پلس کا درجہ دے رکھا ہے جس کی شرائط میں سے ایک

---

385 زاہد الراشدی، حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل، ص:15

386 روزنامہ پاکستان لاہور، 17 ستمبر 2006ء، بحوالہ این این آئی

شرط سزائے موت کو ختم کرنا ہے اس کے علاوہ بھی انسانی حقوق کی بہت سی تنظیمیں سزائے موت کو ختم کرنے پر زور دے رہی ہیں لیکن اگر سزائے موت کا عمل رک جاتا ہے تو پھر قانون کی حکمرانی قائم کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت 480 کے قریب ایسے دہشت گرد جیلوں میں قید ہیں جنہیں عدالت کی طرف سے سزائے موت سنائی جاچکی ہے اگر ان کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا جاتا ہے تو پھر قید کی سزا پوری کر کے رہا ہونے پر یہ لوگ پھر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے ہتھیار اٹھا کر افراتفری پھیلائیں گے۔"[387]

اصل میں عالمی اداروں اور بین الاقوامی قوتوں کی ہمارے ساتھ منافقانہ اور دوغلی پالیسی ہے جس کی وجہ سے ملک میں انتشار اور بدامنی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اور ملک کو عالمی سطح پر ناکام بنانے سازش کی جارہی ہے۔ اس کی مثال اگر ہم حدود قوانین کا نفاذ کرتے ہیں تو انہیں انسانی حقوق یاد آجاتے ہیں اور جو خود وہ پاکستان پر ڈرون حملے کرتے ہیں یا افغانستان، عراق، شام اور فلسطین میں عسکری کاروائیاں کرتے ہیں جن میں بے گناہ بچے اور عورتیں شہید ہوتے ہیں وہاں انہیں انسانیت یاد نہیں رہتی۔ 16 دسمبر کے سانحہ پشاور کے بعد ملک میں وزیر اعظم نواز شریف نے پاکستان کے سزا یافتہ تمام قاتلوں اور دہشت گردوں کو پھانسی لگانے کی اجازت دے دی ہے اس پر بھی عالمی برادری متحرک ہوگئی ہے۔ اس حوالے سے رمیزہ مجید نے نوائے وقت میں لکھتی ہیں

"اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے وزیر اعظم نواز شریف پر زور دیا ہے کہ پھانسیوں پر عمل درآمد بند کر کے اس پر عائد پابندی بحال کر دی جائے۔ قبل ازیں یورپی یونین کے اسلام آباد مشن نے بھی زور دیا تھا کہ وہ موت کی سزاؤں پر عمل درآمد روک دے۔"[388]

یورپی یونین، یواین سیکرٹری جنرل اور انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں کی جانب سے جس پس منظر میں مخالفت کی جارہی ہے وہ آئین و قانون کی عمل داری سے بھی متضاد ہے اور معاشرے کو قبیح جرائم سے پاک کرنے کے لیے بھی ممد و معاون نہیں ہوسکتا۔ اس سوچ میں اس سے بڑا تضاد اور کیا ہوسکتا ہے کہ خود متعدد یورپی ممالک میں بھی قتل اور دوسرے قبیح جرائم کی سزا موت مقرر کی گئی ہے جس پر عمل درآمد بھی ہو رہا ہے مگر ہم پر انسانی حقوق کے تحفظ کے نام پر دباؤ ڈالا جاتا ہے جو کسی بھی حوالے سے دانشمندانہ

---

387 رمیزہ مجید نظامی، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 18 ستمبر 2014ء

388 ایضاً، 28 دسمبر 2014ء

نہیں، جب کہ مغربی یورپی دنیا ہم سے دہشت گردی کے تدارک کے لیے سخت سے سخت اقدامات اٹھانے کی متقاضی رہتی ہے۔ اس تناظر میں موت کی سزاؤں کا مقصد بھی معاشرے کو قبیح جرائم سے پاک کرنا ہوتا ہے جس کے لیے یو این سیکرٹری جنرل کو تو ہمارے موقف اور سزائے موت کے مروجہ قوانین کی تائید کرنی چاہیے، چہ جائیکہ ہم پر دہشت گردوں کی پھانسیاں رکوانے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا ہے ۔ ویسے بھی پاکستان ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے جس کا اپنا آئین اور اپنے قوانین ہیں جب کہ ان قوانین کا اطلاق پاکستان کے اندر جرائم پر پاکستان کے شہریوں کے خلاف ہی ہوتا ہے جس میں کسی بیرونی ملک یا تنظیم کو فکر مند ہونا چاہیے، نہ ان کا اس معاملے سے کوئی سروکار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قوانین کے مؤثر نفاذ کے بغیر ملک میں آئین و قانون کی حکمرانی اور نہ ہی انصاف کی عمل داری قائم کی جاسکتی ہے جب کہ معاشرے کو آئین و قانون کے تابع کر کے ہی اس میں موجود خرابیوں کو دور اور جرائم پیشہ افراد کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔ اگر دہشت گردی کے پھیلتے ناسور کے دوران بھی آئین و قانون کی حکمرانی اور انصاف کی عمل داری کا تصور مفقود رہے گا تو لامحالہ اس سے دہشت گردوں اور قاتلوں کی حوصلہ افزائی ہی ہو گی، جیسا کہ ماضی میں سزائے موت پر عمل درآمد روکنے کے نتیجے میں دہشت گردوں اور قاتلوں کے حوصلے بلند ہوتے رہے ہیں۔ اس صورتحال میں اگر سانحہ پشاور نے پوری قوم اور عالمی برادری کو دہشت گردوں کی سرکوبی کے لیے یکسو کیا ہے ، تو دنیا کو دہشت گردوں کو پھانسی سمیت پاکستان کے اٹھائے جانے والے تمام اقدامات پر بھی متفق ہونا چاہیے۔ اس لیے موجودہ نازک صورتحال کا احساس وادراک کرتے ہوئے انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں، یورپی یونین اور یو این سیکرٹری جنرل کو پاکستان میں پھانسیاں روکنے کے لیے دباؤ ڈالنے کا سلسلہ ترک کر دینا چاہیے اور سزائے موت اور دوسری حدود میں متعین سزاؤں پر عمل درآمد کے حوالے سے اپنی سوچ سے رجوع کر لینا چاہیے۔ انہیں اس حقیقت کو بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ پاکستان کی کوششوں سے اس خطے میں دہشت گردی کا تدارک علاقائی ہی نہیں، عالمی امن کی ضمانت بھی بن سکتا ہے۔

آج 20 نومبر 2023 کو فلسطین کی موجودہ صورتحال بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ اسرائیلی جارحیت کو اس وقت شہ بھی یہی عالمی برادری اور امریکہ بہادر دے رہا ہے، ورنہ پوری دنیا میں اتنی زیادہ تعداد میں بچوں کا قتلِ عام ، ہسپتالوں پر بمباری اور لوگوں کو ہزاروں کی تعداد میں ان کے گھروں سے بے دخل کرنا

کیسے عمل میں لایا جاسکتا ہے، یہ عالمی برادری کا دوغلاپن ہے جو ان کے قول اور فعل میں تضاد اور اسلامی دشمنی کو عملاً ثابت کرتا ہے۔ یہ عالمی برادری ہماری قرآن نص کے مطابق خیر خواہ اور دوست نہیں ہو سکتی۔ آج نہیں تو کل۔ بالآخر ہم نے ان سے راستے جدا تو کرنا ہی ہیں۔ آج فلسطین کے مسئلہ پر امت محمدیہ ﷺ کے حکمران تمام مشترکہ سیاسی پلیٹ فارم پر عالمی برادری، اقوام متحدہ سے خوف کو بالائے خاطر رکھ کر اخلاص کے ساتھ مشترکہ طور پر بات کریں، تو لازماً اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور سامنے آئے گا۔ دکھ اس بات پر ہے کہ امت مسلمہ کے حکمران خاموش ہے۔ پتہ نہیں انہوں نے مرنے کے حوالے سے کبھی سوچا ہی نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلامی قوانین شرعی ہیں اور بین الاقوامی قوانین وضعی ہیں۔ ان قوانین میں ہم اہنگی اور باہمی مطابقت نہیں ہے۔ دوسرا ہمارا طرز فکر، نظریہ حیات، تہذیب وتمدن اور ثقافت بھی مغرب سے مختلف ہے جس کی وجہ سے ہماری ان کے ساتھ کشمکش چلی آرہی ہے۔ تیسرا مغرب کا حدود قوانین کی تبدیلی کے حوالے سے ہمیشہ دباؤ رہا ہے کہ ان حدود قوانین کو ہر حال میں تبدیل کیا جائے۔ چوتھا وہ ہمارے قوانین کو زبردستی ہم سے بدلوانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے ہمیں بین الاقوامی طور پر اس تصادم کو رکوانا ہوگا اور ایسی حکمت عملی تیار کرنی ہوگی کہ اس کا مناسب حل سامنے آسکے۔

فصل چہارم: حدود و قصاص کے نفاذ میں معاون سماجی اداروں کا کردار

معاشرے کی بنیادی اکائی فرد ہے اور معاشرہ مختلف افراد کے میل جول، رہن سہن، مشترکہ مفادات اور روحانی و مادی ضروریات کے تحفظ کے لئے وجود میں آتا ہے۔ جب معاشرے کا ہر فرد اپنی تمام ضروریات کی انجام دہی خود نہیں کر سکتا، تو ریاست تمام ذمہ داریوں کو مشترکہ طور پر لوگوں کی صلاحیت، قابلیت اور تعلیم کے مطابق تقسیم کر دیتا ہے، جس سے معاشرے کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ سب لوگ اجتماعی طور پر معاشرے کے تمام امور انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ اب اکیلا فرد تو اتنے سارے کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح معاشرے کے مقتدر، بااختیار اور تعلیم یافتہ اہل افراد اکٹھے مل کر اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے پورے معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا بھی فریضہ ادا کرتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ اسلامی معاشرے کا قیام، اسلامی قوانین کا نفاذ، امن وامان کا قیام، ذرائع ابلاغ کا درست استعمال اور علمائے کرام و خانقاہی نظام کا کردار وغیرہ۔ قوانین حدود و قصاص کے نفاذ کے حوالے سے معاشرہ ریاست کے بغیر یہ قوانین خود نافذ نہیں کر سکتا، البتہ معاشرہ اسلامی حکومت کے قیام اور معاشرتی اصلاح کے حوالے سے جدوجہد کر سکتا ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داریوں کی بجا آوری امت کے تمام افراد کے لئے فرض کفایہ ہے۔ در حقیقت حدود کا نفاذ اسلامی حکومت کے قیام سے مشروط ہے اور حاکم وقت یا اس کا نمائندہ ہی حد کا نفاذ کر سکتا ہے، جیسا کہ سورۃ النور کی آیت نمبر دو کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں

"الْخِطَابُ لِلْمُسْلِمِينَ، لِأَنَّ إِقَامَةَ مَرَاسِمِ الدِّينِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ الْإِمَامُ يَنُوبُ عَنْهُمْ، إِذْ لَا يُمْكِنُهُمُ الِاجْتِمَاعُ عَلَى إِقَامَةِ الْحُدُودِ."[389]

"یہ خطاب تمام مسلمانوں سے ہے اس لیے کہ دین کے احکام کو قائم کرنا مسلمانوں کی مجموعی ذمہ داری ہے، حکومت کی حیثیت صرف ان کے نائب کی ہے اس لئے کہ سب مسلمان مل کر (براہ راست) حدود کا نفاذ نہیں کر سکتے۔"

حدود و قصاص کے نفاذ میں معاون سماجی اداروں کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا کام

---

[389] القرطبی، محمد بن أحمد بن أبي بكر ،ابو عبدالله، الجامع لأحكام القرآن ،دار الكتب المصرية، القاهرة ،الطبعة الثانية، 1384هـ- 1964 م، جلد12 ، ص:161

سرانجام دیں، اسلامی حکومت کے قیام اور اصلاح معاشرہ کے لیے کاوشیں جاری رکھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا ماحول اور فضا اس قدر پاکیزہ ہونی چاہیئے کہ وہاں نیکیاں کرنا آسان ترین کام اور برائی کرنا ناممکن کی حد تک مشکل بن جائے۔ بالفاظ دیگر معاشرہ اپنی روح اور مزاج میں ایک اسلامی معاشرہ ہو تاکہ مجرم برائی کی اجتماعی فضا کا بہانہ تراش کر جرم کا ارتکاب نہ کرپائے۔ جب ایک معاشرہ اندونی طور پر غالب حد تک اچھا ہو گا۔ اس وقت حدود کے اجرا اوران کی تنفیذ کا مرحلہ آئے گا لیکن اگر معاشرہ ابھی تک اپنے غالب اکثریت کی رو سے اس قدر پاکیزہ نہیں ہے تو اس وقت اصلاح احوال کیلئے تنفیذ حدود و تعزیرات قطعاً کارگر نہیں ہوں گی بلکہ اس مرحلے تک پہنچنے کیلئے دیگر ممکنہ اقدامات بھی کرنے ہوں گے۔ مندرجہ ذیل سماجی ادارے حدود قوانین کے نفاذ میں معاونت کرتے ہیں:

1۔ اصلاح معاشرہ میں شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کردار

قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ کیلئے فضا ساز گار بنانے میں اہم فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کا ہے۔ یہ فرد کا بھی فرض ہے، معاشرے کا بھی اور ریاست کا بھی فرض ہے۔ ریاست اگر اس فریضہ کو ادا کرے تو یہ فریضہ "حسبہ" کا ادارہ سرانجام دیتا ہے۔ ریاست، معاشرہ اور فرد کے اسی فرض کو قرآن مجید نے مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔﴾[390]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں

"اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں جنہیں خلافت راشدہ قرون اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انہوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سر فہرست رکھا تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن و سکون بھی رہا اور رفاہیت و خوش حالی بھی رہی اور جب تک مسلمان مملکتیں قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلوۃ و زکوٰۃ اور امر بالمعروف

---

390 الحج، 41:22

اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سر فہرست نہیں رکھیں گی۔ وہ فلاحی مملکت کے قیام میں بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔"[391]

سورۃ حج کی اس آیت مبارکہ کی مخاطب اسلامی حکومت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے، بالخصوص قوت نافذہ کے ذریعے ہاتھ سے روکنے کا فرض، بہر حال حکومت پر ہی عائد ہوتا ہے، اسی لیے تو ارشاد ربانی ہے

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[392]

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔"

سورۃ آل عمران کی اس آیت مبارکہ کے مخاطب اسلامی معاشرے کے تمام افراد ہیں اور یہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام معاشرتی سطح پر انجام دیں۔ حدیث رسول ﷺ ہے

"مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ-"[393]

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔"

اس حدیث کا روئے سخن معاشرے کے ہر فرد اور ریاست کے ہر اہلکار کی طرف ہے کہ اگر ایک ریاست اپنے فرائض سے غفلت کا شکار ہے، یا معاشرتی فضا نہایت مکدر ہے اور اس میں دعوت الی الخیر کا کام نہیں ہو رہا تو یہ ہر اس شخص کا انفرادی فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض اپنی حد تک ادا کرتا رہے، دوسرا ان کو احساس ہو کہ آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے اور ان سے اس بارے میں سوال ہو گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے

391 صلاح الدین یوسف، حافظ، تفسیر احسن البیان، دار السلام، الریاض، س۔ن، ص:171

392 آل عمران ، 110:3

393 المسلم ، الجامع الصحيح، كتاب الايمان، باب بَيَانِ كَوْنِ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ ، رقم الحديث: 186

"كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ۔"[394]

"تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے سوال ہو گا"

معاشرتی فضا کو ساز گار بنانے اور اس کے ماحول کو پاکیزگی عطا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ نیکی کا کام کر رہے ہیں ان کے ساتھ حتی المقدور تعاون کیا جائے اور جو قوتیں برائی پھیلا رہی ہیں ان سے مقدور بھر بائیکاٹ کیا جائے، کیونکہ بے شمار برائیاں عدم تعاون ہی سے ختم ہو کر رہ جاتی ہیں اور بے شمار نیکیاں، تعاون کے ساتھ فروغ پاتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔﴾[395]

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔"

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے ہر ایک فرد کی ذمہ داری ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرے اور برائی، ظلم اور تعدی کے کاموں میں تعاون نہ کرے بلکہ برائی سے روکنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

"انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا۔"[396]

"اپنے بھائی کی مدد کرو وہ خواہ ظالم ہو مظلوم۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے نبی ﷺ! ظالم کی کس طرح مدد کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ظلم سے روک کر۔ یہ ہے وہ اسلامی معاشرہ جس میں ظلم اور جرم پر قدم قدم قدغن لگائی جاتی ہے۔ گناہ اور جرم کی نہ صرف حوصلہ شکنی کی جاتی ہے بلکہ اس کے تمام راستے مسدود کر دیئے جاتے ہیں۔ ان تمام اقدامات کے بعد بھی اگر کوئی معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتا ہے تو ایسے لوگوں کیلئے اسلام نے حدود و تعزیرات کی صورت میں کڑی سزائیں مقرر کی ہیں۔

اسلامی حکومت کے تحت ایک صالح معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہے کہ معاشرے میں گناہ اور بدی سے اجتناب ہی پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ عملاً اس کو ختم کرنے کی جدوجہد بھی کی جائے اور اس کے سوتوں کو

394 البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب المراة راعیة فی بیت زوجها، رقم الحدیث: 4904

395 المائدہ، 2:5

396 البخاری، صحیح البخاری ، كِتَاب المَظَالِمِ وَالغَصْبِ ،بَابٌ أَعِنْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَو،رقم الحدیث:2443

بند کرنے کا انتظام بھی کیا جائے، مثلاً ریاست میں شراب نوشی پر حکومتی پابندی ضروری ہے۔ سرِ عام مخلوط مجالس اور محافل رقص و سرود کا انعقاد بھی ممنوع ہونا چاہیئے۔

مولانا مودودیؒ کے نزدیک حدود و قصاص کی تنفیذ کے لیے ماحول ساز گار ہونا چاہیے، وہ لکھتے ہیں

"اسلامی قانون تعزیرات، زنا کی سزا اس معاشرے میں دیتا ہے جس میں پورے نظام تمدن کو شہوت انگیز اسباب سے خالی کیا گیا ہو، جس میں عورتوں اور مردوں کی مخلوط معاشرت نہ ہو، جس میں بنی سنوری عورتوں کا منظر عام پر آنا بند ہو، جس میں نکاح کو نہایت آسان کر دیا گیا ہو، جس میں نیکی، تقوٰی اور پاکیزگی اخلاق کا چرچا ہو اور جس کے ماحول میں خدا کی یاد ہر وقت تازہ ہوتی رہتی ہو۔ یہ حکم اس گندی سوسائٹی کے لیے نہیں ہے جس میں ہر طرف جنسی جذبات کو بھڑکانے کے اسباب پھیلے ہوئے ہیں، گلی گلی اور گھر گھر فحش گیت بج رہے ہیں، جگہ جگہ فلم اسٹاروں کی تصویریں لٹکی ہوئی ہیں، شہر شہر اور قصبے قصبے سینما درس عشق دے رہے ہیں، نہایت گندا لٹریچر آزادی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، بنی سنوری خواتین کھلے بندوں پھر رہی ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں جنسی اختلاط کے مواقع بڑھ رہے ہیں اور نظام معاشرت نے اپنے بے ہودہ رواجوں سے نکاح کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے ایسی سوسائٹی میں تو زنا کرنے والے کو سزا دینے کی بجائے زنا سے پرہیز کرنے والے کو انعام یا کم از کم خان بہادری کا خطاب ملنا چاہیے۔"[397]

گویا معاشرتی ماحول کو ساز گار بنانے اور جرائم سے روک تھام کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی جماعت کو ہر وقت کام کرتے رہنا چاہیے۔ لہذا ان تمام اقدامات کے بعد بھی کسی شخص کو نتائج کی پرواہ نہیں ہوتی، تو اس شخص کا علاج یہ ہے کہ اس پر قوانین حدود و تعزیرات کی تنفیذ ہو، تاکہ یہ معاشرے کے باقی ماندہ افراد کو غلط کاریوں سے محفوظ رکھ سکے۔

2۔ اصلاح معاشرہ میں حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشروں کے اتار چڑھاؤ میں حقوق العباد کا بہت زیادہ عمل دخل ہے، اگر آپس کے حقوق و فرائض افراد پورے کرتے رہیں تو کوئی بگاڑ اور فساد پیدا ہی نہ ہو۔ فساد اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی کے حقوق دبائے جائیں۔ اسی وجہ سے قرآن و حدیث میں بڑی تاکید کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست میں تمام شہری حقوق و فرائض کی ادائیگی میں برابر ہیں۔ حقوق و فرائض لازم و ملزوم

---

[397] مودودی، اسلامی قانون، ص:25

ہیں۔ایک شخص کے جو فرائض ہوتے ہیں، وہی دوسرے کے حقوق ہوتے ہیں، جیسا کہ شادی شدہ عورت کو نان و نفقہ، لباس اور رہائش دینا اس کے خاوند کے ذمہ ہے اور یہ عورت کا حق ہے۔ اس کے بدلے میں عورت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کا خیال رکھے اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دے۔ بالکل اسی طرح ریاست اور اس کے افراد کے بھی آپس میں حقوق و فرائض متعین ہیں۔ ریاست ٹیکس وصول کر کے اور قوانین و آئین پر عمل پیرا کروا کے معاشرے کو لوگوں کو تعلیم، صحت اور آزادی کی سہولت مہیا کرتی ہے۔ اسلام کا یہ خاصہ ہے کہ اس نے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا ہے اور اسی کے ضمن میں حقوق خود بخود آجاتے ہیں۔ دینِ اسلام چونکہ عدل و انصاف اور مساوات کا دین ہے، اس لیے اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کو سماجی، سیاسی اور اقتصادی حقوق برابری کی بنیاد پر حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست ملک سے جرائم کا خاتمہ کر کے شہریوں کو عدل و انصاف فراہم کرتی ہے، ہر فرد کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا بھی ریاست کا فرض ہوتا ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال پہلے فلاح و بہبود کو حکومت کے فرائض میں شامل کر کے شہریوں کی رفاہ کے لیے مجلسِ شوریٰ، صدقات، زکوٰۃ، بیت المال، مفت تعلیم، امن و امان کا قیام، صحت کی سہولیات، وقف کا نظام، حقِ شفع، خوراک کی فراہمی، عدل و انصاف، اخوت، صبر، شکر، اقربا پروری اور صلہ رحمی جیسے بہترین اور عمدہ اصول دیئے، تاکہ ایک بہترین اسلامی ریاست قائم ہو۔

قوانین حدود و تعزیرات کے نفاذ کے حوالے سے اسلامی ریاست سے متعلقہ ایک اصول، بنیادی حقوق کی فراہمی کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے عوام کو، اسلامی حکومت جب تک ان کے بنیادی حقوق باہم نہیں پہنچا دیتی۔ اس کو مجرموں پر حدود و قصاص کے قوانین کے نفاذ کا حق ہے اور نہ ہی ان پر تعزیرات کے اجراء کا اختیار۔ رعایا کے بنیادی حقوق کی فراہمی کا سوال اس وجہ سے نہایت اہم ہے کہ اس کا تعلق خود انسان کے ابنائے جنس کے ساتھ ہے۔ انہی کی بنیاد پر حقوق و فرائض متعین ہوتے ہیں۔ انہی کی بنا پر اصول و قانون تشکیل پاتے ہیں۔ انہی کے مدار پر شرائط و آداب مقرر ہوتے ہیں۔ اگر بنیادی حقوق کا سوال ہی بے معنی بنا دیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی فعل کو جرم قرار دیا جائے یا اس جرم کی پاداش میں مجرم کو قید و بند کی صعوبتیں سہنا اور حدود و تعزیرات کی مشقیں برداشت کرنا پڑیں، گویا بنیادی حقوق کے سوال کے بے معنی ہونے کا مطلب جرم کی سزا کے لایعنی ہونے کے مترادف ہے۔

اسلامی ریاست کا یہ منصبی فرض ہے کہ وہ اپنے عوام کے بنیادی حقوق کا خیال رکھے۔ بنیادی حقوق سے مراد دراصل عوام کی وہ بنیادی ضرورت ہیں، جن پر انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ اگر ان ضروریات کو پورا نہ کیا جائے تو انسانی زندگی کا قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہو کر رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اگر اپنے عوام کی ضروریات کا معقول بندوبست کر دیتی ہے اور کسی کے لیے غیر قانونی راہ اختیار کرنے کا کوئی عقلی جواز نہیں رہتا تو اس صورت میں کسی غیر قانونی اقدام پر سزا کا نفاذ یا کسی جرم پر تعزیر کا اجرا واقعتاً حکومت کا حق ہے۔ جس پر کسی بھی شخص کو چیں بہ جبیں نہیں ہونا چاہیے اور اگر اسلامی حکومت باشندگان ریاست کی ضروریات زندگی کی تکمیل اور بنیادی حقوق کی فراہمی میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہی تو ظاہر بات ہے اس ہنگامی صورت حال میں مجرم کی جانب سے اٹھایا جانے والا غیر قانونی اقدام ایک حد تک اس کو مستوجب سزا قرار دینے میں مانع رہے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کی انسان کے بنیادی حقوق کون کون سے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حق کا تعین خود باری تعالیٰ فرمائے گا کیونکہ انسان نے آج تک اپنے ابنائے جنس پر جس قدر ظلم روا رکھا ہے یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کو فی الواقع دوسرے انسانوں کے بنیادی حقوق کی تمیز نہیں ہے۔ اگر وہ اس امتیاز کو ملحوظ رکھتا تو قوی امید ہے کہ وہ ان کی پامالی کا قصد نہ کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے بنیادی حقوق کو متعین کرنے والا بھی خود خالق کائنات ہے جس نے انسانوں کو پیغمبروں کی وساطت سے ان بنیادی حقوق کی رہنمائی بہم پہنچائی ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات مبارکہ میں ان حقوق کا اشارہ پایا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا۔﴾[398]

"اور جو شخص بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو، یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔"

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔﴾[399]

---

398 المائدہ ، 32:5

399 البقرہ، 188:2

"اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔"

زنا سے دوسرے انسان کا حق مارا جاتا ہے اور دوسرے کی عزت خراب ہوتی ہے۔ لہذا یہ کام حرام قرار دیا گیا، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔﴾[400]

"اور زنا کے قریب بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

قرآن مجید میں خواتین کو بھی علیحدہ سے اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ﴾[401]

"اے نبی! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو۔"

اس کے علاوہ معاشرتی آداب سکھانے کے لیے قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے

﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾[402]

"اور کسی کو بُرے القاب نہ دو۔"

اس کے علاوہ غیبت کرنے سے روکا گیا۔ کسی کے بارے میں ٹوہ لگانے سے منع فرمایا گیا، کسی کو گالی دینا فسق کہا گیا۔ اسی طرح حدود اللہ کے جرائم پر سزا بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ عبرت دینے کے لیے سزا دی جارہی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ

---

400 بنی اسرائیل، 17 :32

401 الممتحنہ، 12:60

402 الحجرات ، 11:49

اللّٰہ[403]

"اور چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت ان دونوں کا ہاتھ کاٹ دو۔ یہ سزا ان کے فعل کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔"

مساواتِ انسانی پر زور دے کر بتایا گیا کہ قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ آپ ﷺ تمام معاملات میں بھی مساوات کو مدِ نظر رکھتے تھے اور امت کو بھی مساوات کو اختیار کرنے کی سختی سے تاکید فرمائی۔ اسی طرح فطری اخلاقی اقدار کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں آپ ﷺ کا خطبہ حجتہ الوداع مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے اور اسے انسانی حقوق کا عالمگیر منشور مانا جاتا ہے۔ امت مسلمہ تو امت مسلمہ، یورپی اور مغربی اقوام بھی اسے انسانی حقوق کا چارٹر تسلیم کرتی ہیں۔ خطبہ حجتہ الوداع کے نکات مندرجہ ذیل ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا!

"اے لوگو! میری بات غور سے سنو شاید کہ میں آئندہ تم سے اس جگہ کبھی ملاقات نہ کر سکوں۔ اے لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے جاملو، مثل تمہارے اس دن کی حرمت کے اور اس مہینے کی حرمت سے اور بے شک تم اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گے اور تم سے تمہارے اعمال کا سوال کرے گا اور میں سب باتیں تمہیں بتا چکا ہوں۔ پس جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اس کی امانت ادا کر دے اور کوئی شخص اپنے قرض دار سے بجز اس راس المال کے سود نہ لے کیونکہ سود حرام کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور حضرت عباس بن عبد المطلب (م:32ھ) کا سود بھی باطل کر دیا گیا ہے اور جس قدر خون زمانہء جاہلیت کے تھے، سب معاف ہیں اور سب سے پہلے جو خون زمانہء جاہلیت کا میں معاف کرتا ہوں۔ وہ خون ابن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا ہے جس کو بنی ہذیل نے قتل کیا تھا۔ پس میں اس سے زمانہء جاہلیت کے خون معاف کرنے کی ابتداء کرتا ہوں۔"

"اور اے لوگو! تمہارے ملک میں شیطان اپنی پرستش کیے جانے سے ناامید ہو گیا ہے، یعنی ملک عرب میں اب اس کی پرستش نہ ہو گی، مگر ہاں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ راضی ہو گیا ہے جنہیں تم بڑے بڑے گناہوں میں شمار نہ کرو گے۔ پس تمہیں اپنے دین کی حفاظت، شیطان سے کرنی لازمی ہے۔"

"اے لوگو! حرمت والے مہینوں کو حلال کر لینا اور اس کے بدلے حلال مہینوں کو حرام کر لینا کفر ہے۔ لوگ کسی مہینے کو کسی سال (اپنی نفسانی اغراض کے لیے) حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال (جب کوئی

[403] المائدہ، 5: 38

ذاتی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں اور وہ لوگ یہ ردوبدل اس بناء پر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کیے ہیں ان کی گنتی پوری کرلیں۔ اسی طرح کفار اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور اس کے حلال کیے ہوئے مہینے کو حرام۔"

"ابتداء میں جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ زمانہ اپنی گردش پوری کر کے پھر اسی نقطہ پر آگیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں سے چار قابل احترام ہیں: ان میں سے تین تو متواتر ہیں یعنی ذیقعد، ذی الحج اور محرم اور ایک مہینہ اکیلا ہے یعنی رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔"

"اے لوگو! تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو اپنے قریب نہ آنے دیں اور بے حیائی کی باتوں سے بچیں۔ پس اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم انہیں اپنے سے علیحدہ سلاؤ اور ایسی سزا دو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو پھر اگر وہ ان باتوں سے باز آجائیں تو ان کا کھانا، کپڑا حسبِ حیثیت تمہارے ذمہ ہے۔"

"اے لوگو! عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو۔ وہ تمہاری مددگار ہیں، وہ اپنے واسطے کچھ اختیار نہیں رکھتیں اور تم نے خدا کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے اور خدا کے کلام کے ساتھ انہیں حلال کیا ہے۔ پس ائے لوگو! میرے ان احکامات کو خوب سمجھو اور میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔"

"اے لوگو! میری ان باتوں کو سنو اور خوب سمجھ لو اور جان لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں پس مسلمان کے مال میں سے دوسرے مسلمان کو کوئی چیز حلال نہیں ہے، سوائے اس چیز کے جو وہ اپنی خوشی سے دے اور تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ائے اللہ! کیا میں نے تیرے احکامات تیرے بندوں تک پہنچادیئے ہیں۔ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر جواب دیا: بے شک آپ ﷺ نے احکامات الہیٰ ہم تک پہنچا دیئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ائے اللہ! تو گواہ ہو جا۔"[404]

اس تفصیلی خطبہ سے واضح ہوا کہ قرآن وحدیث میں انسان کے بنیادی حقوق کی ہدایت پائی جاتی ہے۔ جس میں اس کی جان، مال، عزت، آزادی اور معاش جیسے حقوق کا ذکر ہے۔ ایک ریاست کو اپنی ہئیت

---

404 ہشام، عبد الملک، ابو محمد، مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی، سیرت النبی ﷺ (کامل) ابن ہشام، باب خطبہ حجتہ الوداع، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1992، جلد2، ص:389-388

حاکمہ میں اور معاشرے کو اپنی حیثیت اجتماعیہ میں ان حقوق کی ادائیگی اور ان ضروریات کی فراہمی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حق کی دستیابی سے ایک حد تک جرم کا ممکنہ راستہ بند ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے باوجود بھی کوئی شخص جرائم سے باز نہیں آتا تو اس پر قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ اتمام حجت کی ایک دلیل ہے۔ بنیادی حقوق کے متعلق چند نکات مد نظر رہیں:

تنفیذ قوانین حدود و تعزیرات کے حوالے سے عدل و انصاف کی فراہمی ایک اہم اصول ہے۔ اگر کسی شخص کو انصاف نہیں مل رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے بنیادی حقوق کے حصول سے معذور ہے یا حکومت اس کا حق ادا نہیں کر رہی۔ ظاہر بات ہے بے انصافی کی اس فضا سے بے شمار جرائم جنم لیں گے اور کوئی حکومت اخلاقاً یا قانوناً یہ استحقاق نہیں رکھتی کہ بے انصافی کی کوکھ سے پیدا ہونے والے ان جرائم پر مجرموں کو قرار واقعی سزا دے سکے۔ اگر کسی فرد کی ہتک عزت کی گئی ہے یا اس کا مال چھینا گیا ہے یا اس کے موروث کو قتل کر دیا گیا ہے یا اس سے جبراً زناکاری کی گئی ہے یا اس کی آزادی کو سلب کیا گیا ہے اور وہ عدالت سے انصاف کے لیے رجوع کرتا ہے لیکن عدالت اس کو کماحقہ انصاف فراہم نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خود عدالت اپنے طرز عمل سے، مدعی کو قانون ہاتھ میں لینے کا موقع فراہم کر رہی ہے اور جب مدعی مدعا علیہ سے حساب بے باق کرنے پر آئے گا تو انتقام کا جذبہ ہر قسم کے اعتدال کو خس و خاشاک کی مانند بہالے جائے گا اور عدل و انصاف کا طالب یہ مدعی خود ایک ظالم بن کر سامنے آئے گا لیکن اس ظلم پر حکومت بہر حال کوئی قانونی چارہ جوئی نہ کر سکے گی کیونکہ: اولاً جب حکومت نے انصاف کی فراہمی میں غفلت دکھائی تھی تو اب آخر اس کی رگِ عدل کیوں پھڑک اٹھی ہے۔ ایسی صورت میں مجرم کو قطعاً حدود و تعزیرات کا مستحق قرار نہیں دیا جائے گا۔ قرآن مجید نے عدل و انصاف پر اس قدر زور دیا ہے کہ دوست دشمن تمام کو ایک ہی قانون کی لاٹھی سے ہانکنے کی ترغیب دی، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا۔﴾[405]

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پہ نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کر سکو۔"

اسلام کے فوجداری قانون کی رو سے ہر وہ شخص مجرم قرار پائے گا جس نے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کے باوجود قابل مواخذہ فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی

---

[405] المائدہ، 8:5

معاشی کفالت کی عمومی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اسلام ایک ایساماحول فراہم کرتا ہے جس میں کوئی جرم ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ اسلامی حکومت روزگار کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ افراد معاشرہ رضاکارانہ طور پر ضرورت مندوں کے کام آئیں۔ محتاجوں کی دست گیری کا پوراپورا نظام موجود ہو۔ اس کے بعد جو شخص چوری کرتا ہے، تو اسلام اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ ایسا شخص کسی عادل معاشرے میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں

"چوری پر ہاتھ کاٹنے کا قانون اسلام ہی کی اس سوسائٹی میں جاری کرنا مقصود ہے جس کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جارہی ہو، جس کا بیت المال حاجت مند کی اعانت کے لیے کھلا ہو، جس کی ہر بستی پر مسافروں کی تین دن کی ضیافت لازم کی گئی ہو، جس کے نظام شریعت میں تمام لوگوں کے لیے یکساں مواقع ہوں۔ جس کے معاشی نظام میں طبقوں کی اجارہ داری کے لیے کوئی جگہ نہ ہو اور جائز کسب معاش کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوں، جس کے اخلاقی ماحول میں فیاضی، دست گیری، حاجت مندوں کی اعانت اور گرتوں کو سہارا دینے کا چرچا عام ہو اور جس کے بچے بچے کو یہ سبق دیا گیا ہو کہ تو مومن نہیں ہے اگر تیرا ہمسایہ بھوکا ہو اور تو خود پیٹ بھر کر کھانا کھا بیٹھے۔"[406]

اگر کسی معاشرے کی قدریں اس قدر پامال ہو چکی ہیں کہ بھوک سے مجبور ہاتھ پھیلانے والے فقیروں کو دھتکار دیا جاتا ہے کسی ضرورت مند کو سود کے بغیر قرض حسنہ نہیں دیا جاتا، معاشرے میں کوئی بھوکا ہو اور کسی کو پرواہ نہ ہو! کوئی پیاسا ہو اور کسی کو غرض نہ ہو اور کوئی بیمار ہو، کسی کو فکر نہ ہو۔ جب خون سفید ہو جائے اور ہر شخص اپنی کفالت کا ذمہ دار خود قرار پائے ایسی حالت میں چور کا ہاتھ کاٹنا، ایک قابل مواخذہ جرم نہیں کیونکہ ان حالات میں چور کو سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ خود غرض اور مادہ پرست افراد کے مال کی حفاظت کی جائے، خواہ اس کے نتیجے میں کتنے ہی ضرورت مند اور مفلس لوگ اپنے علاج اور خوراک کا بندوبست نہ کر پاتے ہوں۔

3۔ معاشرتی اصلاح میں ذرائع ابلاغ کا کردار

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے سب سے پہلا ابلاغ کا تصور پیش کیا۔ تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہونے والا مکالمہ یہ ہے

---

406 مودودی، اسلامی قانون، ص:23

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ ﴾ [407]

"اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

عمل ابلاغ کی پہلی صورت تھی، پھر جب حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب اشیاء کے نام بتائے تو گویا یہ حضرت آدمؑ کی طرف سے پہلے انسانی عمل ابلاغ کا آغاز تھا، جس کا تذکرہ قرآن نے یوں کیا

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ۔﴾ [408]

"اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر آدمؑ نے ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔"

حضرت آدمؑ کے بعد جو سلسلہ نبوت جاری ہوا تو ہر نبی علیہ السلام نے حق و صداقت کے ابلاغ اور دین فرقان کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا اور اس فریضہ کی ادائیگی میں اپنے عہد کے تمام ممکنہ ذرائع ابلاغ (تحریر اور تقریر) استعمال کیے۔ مقاصد نبوت، مقاصد انسانیت اور مقاصد ربانی ابلاغ کی بدولت ہی انسان تک پہنچے۔ احسن اختر ناز اس حوالے سے لکھتے ہیں

"خدا نے جب حضرت آدمؑ کو تخلیق کیا تو اس کے نزدیک مقصد یہ تھا کہ یہ میری بندگی کرے گا اور میرا پیغام دوسری مخلوق تک پہنچائے گا۔ اسی طرح دنیا کے پہلے انسان کو سب سے پہلے ابلاغ کا فریضہ ہی سپرد کیا گیا۔ بعد میں آنے والے تمام انبیائے کرام اور پھر نبی آخر الزمان پیغمبر اعظم ﷺ کی بھی ذمہ داری خدا کی طرف سے یہی تھی کہ وہ اس کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو اسلام کا نظریہ ابلاغ، سب سے پہلا نظریہ ابلاغ ہے اور یہ ابلاغ ہی مقصد انسانیت ہے۔" [409]

اسلام نے جو نظریہ ابلاغ فراہم کیا ہے وہ تاریخی، علمی اور اخلاقی لحاظ سے مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ اس نظریے میں احترام آدمیت کی تلقین، خبر رسانی میں خیر و صداقت کے فروغ، جھوٹ و بد دیانتی کی ممانعت، نجی زندگی کا تحفظ، نیکی کی تبلیغ اور برائی کی روک تھام اور آزادی اظہار رائے کی نہ صرف ضمانت دی گئی ہے بلکہ اس حق کو فریضہ کے طور پر استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے

---

407 البقرہ، 30:2

408 البقرہ، 31:2

409 احسن اختر ناز، صحافتی ذمہ داریاں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1990ء، ص:24

کہ طلوع اسلام کے وقت ذرائع ابلاغ موجود نہ تھے تو اب اسلام ذرائع ابلاغ کو کیسے رہنمائی فراہم کر سکتا ہے ؟ در حقیقت یہ سوال سطحی سوچ کا نتیجہ ہے جہاں تک موجود ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے اور جدید وسائل وسہولیات کی بات ہے تو یہ سب صنعتی ترقی اور مادی خوشحالی کی بدولت ہے ورنہ ماضی کے غیر ترقی یافتہ دور میں یہی جیپ وکار، اونٹ و بیل گاڑی کی صورت میں، اونچی عمارات، کچے گھروندوں کی صورت میں اور صنعتی ترقی، گھریلو دستکاری کی صورت میں موجود تھے۔ ماضی میں بھی جنگیں لڑی جاتی تھیں، صرف اسلحہ اور طریقہ جنگ بدلا ہے، ماضی میں بھی تجارت کی جاتی تھی صرف انداز واسلوب بدل گئے ہیں۔ انسان کی سہولیات میں اضافہ ہوا ہے۔ انسانی بنیادی ضروریات نہیں بدلیں، زریں انسانی اصول اور اعلیٰ اخلاقی اقدار نہیں بدلے، انسان کی فطرت، کائناتی ضوابط، زندگی اور موت کا قانون، ہدایت وگمراہی کے قواعد ایک جیسے ہی رہے ہیں۔ افراد پیدا ہوئے، مر گئے، قومیں ابھریں اور ختم ہو گئیں، سلطنتیں بن کر بگڑ گئیں مگر قدرت کے قوانین اور اخلاقی اقدار وہی ہیں۔ تغیر، تبدیلی اور پھیلاؤ درخت کی شاخوں میں ہوتا ہے تنے میں نہیں، یہ فطرت کا قانون ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں جاری ہے۔ گویا قدیم وجدید کا جھگڑا کوتاہ نظری کے سوا کچھ نہیں۔

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ کے الفاظ زبان پر آتے ہی ریڈیو، ٹی۔ وی، اور اخبارات کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ قدیم زمانے میں یہی حیثیت مشاعرے، ڈھول، چوپال، جلسے اور منادی کے اونٹ کو حاصل تھی۔ اس حوالے سے پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں

"انسان کی اجتماعی زندگی میں جو تبدیلی آرہی ہے وہ ذرائع اور وسائل کی دنیا میں ہے۔ مقاصد، اصول اور اخلاق کی دنیا میں نہیں، فنی ایجادات اور تکنیکی انکشافات انسان کے وسائل اور فطری قوتوں پر اس کے اختیار کو برابر بڑھا رہے ہیں۔ زمان ومکان کی رکاوٹیں دور ہو رہی ہیں اور انسان کا اقتدار بڑھ رہا ہے، لیکن یہ ساری تبدیلی ذرائع و وسائل کی حد تک ہو رہی ہے۔ اس تبدیلی کا یہ تقاضا ہرگز نہیں کہ مقاصد زندگی، اصول اخلاق اور اقدار حیات کو بھی تبدیل کر دیا جائے۔ اگر ہوائی جہاز، جیٹ اور راکٹ کے استعمال سے زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں تو اس کے یہ معنی کب ہیں کہ زنا جو کل تک حرام تھا آج حلال ہو جائے؟ اگر برقی قوت کے ذریعے سے انسان کے پاس وہ طاقتیں آگئی ہیں جو پہلے صرف جنوں اور فرشتوں کو حاصل تھیں تو خیر وشر کے اصولوں کی صداقت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ میزائل اور اسپنک کے استعمال کا آخر یہ تقاضا کب ہے کہ جھوٹ، سود، سٹہ، شراب اور دوسرے منکرات کو جائز قرار دے دیا جائے؟ صنعتی ترقی کا آخر

یہ تقاضا کب ہے کہ اصول انصاف کو بھی بدل دیا جائے؟ تمام مادی ترقیات اسی وقت مفید ہو سکتی ہیں جب وہ انسان کی بھلائی کے لیے استعمال ہوں، خود بھلائی اور برائی کے اصول ان کی خاطر نہ بدل جائیں، یہ قوتیں جو انسان کو حاصل ہوئی ہیں اسی وقت نافع ہیں جب وہ اعلیٰ مقاصد حیات کے تابع ہوں۔ اپنے ریلے میں انہیں بہا کر نہ لے جائیں، مقاصد و اصول کو ان کے مطابق نہیں بلکہ ان کو مقاصد و اصول کے مطابق بدلنا چاہیے۔"[410]

اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ کا مطالعہ جب آمرانہ نظام حکومت، اشتراکی نظام حکومت اور جمہوری نظام حکومت کے تناظر میں کیا جا سکتا ہے تو اسلامی نظام حکومت میں کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ جب کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح اور فطری رہنمائی فراہم کرتا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ اور مذہب ابلاغ کی مستند روایات (قرآن و سنت) پیش کرتے ہیں، جیسا کہ پروفیسر مہدی حسن لکھتے ہیں

"دعوت اور تبلیغ اسلامی نظریے کا طرہ امتیاز رہا ہے اور اسلام کے ظہور کے بعد قلیل مدت میں اس نظریے کا تمام دنیا میں پھیل جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان مؤثر ابلاغ کے طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔"[411]

اسلام کا نظریہ ابلاغ ایک عالمگیر نظریہ ابلاغ ہے جس میں فرد کی آزادی، معاشرے کی اصلاح و تربیت اور ریاست کے اچھے کاموں پر تحسین اور غلط کاموں پر احتساب و گرفت کی ضمانت دی گئی ہے یہ آفاقی نظریہ درحقیقت قرآنی تعلیمات اور احادیث مبارکہ کی اساس پر قائم کیا گیا ہے۔ میڈیا پر اخلاق باختہ مواد اور حیا سوز مناظر کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس کے حامی افراد کی سخت سرزنش کی جائے۔ قرآن مجید نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے، جیسا کہ ارشاد بانی ہے

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾[412]

"جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیل جائے یقیناً ان کیلئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

---

410 خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی، 1982ء، ص:109

411 مہدی حسن، جدید ابلاغ عام، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1990ء، ص:224

412 النور، 19:24

معلوم ہوا کہ اسلام فحاشی اور بے حیائی کے دلدادہ لوگوں اور اسے رواج دینے والوں کو بھی سخت ترین عذاب کی وعید سنا رہا ہے۔ لہٰذا ایسے اقدامات کی ضرورت ہے کہ اسلامی معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔

اسلام نے فرد، ریاست، اداروں اور ذرائع ابلاغ کو جو ذمہ داریاں اور فرائض سونپے ہیں انہیں ایک مخصوص دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے پورا کرنا ذرائع ابلاغ کا فرض ہے۔ اسلامی تعلیمات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں آزادی ذرائع ابلاغ نیکی وپاکیزگی کے فروغ کے لیے ہے، شر انگیزی اور فتنہ و فساد پھیلانے کے لیے نہیں یعنی صالح معاشرے کا قیام ذرائع ابلاغ کا مقصد ہے۔ اس لیے ریاست اور ذرائع ابلاغ کے درمیان کسی قسم کی کشمکش کی گنجائش نہیں رہتی اور یہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ اسلامی نظریہ ابلاغ کی وضاحت کرتے ہوئے احسن اختر ناز لکھتے ہیں

> " اسلامی ریاست میں ذرائع ابلاغ کا اصل کام یہ ہے کہ اللہ کی سرزمین میں اس کے عطا کردہ اختیارات وسائل سے اسی قدر اصول، عقیدے، روایت اور طرز عمل کو فروغ دیں جسے خدا نے خیر اور سچائی قرار دیا ہے اور ہر برائی کو مٹانے پر تل جائیں جسے وہ شر اور جھوٹ قرار دیتا ہے۔ لہٰذا مسلم پریس کے تعاون اور اختلاف کی بنیاد یہی اصول ہے۔"[413]

گویا ذرائع ابلاغ انہی اصولوں پر کاربند رہیں گے جن پر ریاست عمل پیرا ہو گی اور تمام ذرائع ابلاغ رائے عامہ کی استواری، اسلامی عقائد وروایات کی پاسداری، فحاشی وعریانی سے پرہیز، حدود وقصاص قوانین پر عمل درآمد اور اخلاقی اقدار کے تحفظ میں اسلامی ریاست کے معاون اور مددگار ہوں گے۔ ایک اسلامی ریاست کے ذرائع ابلاغ ریاست کے اچھے کاموں کی اشاعت اور برے کاموں کی مذمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں لیکن عمومی طور پر ملک میں قرآن و سنت کی تعلیمات کے فروغ، دینی شعور کی بیداری، حدود وقصاص کے قوانین سے آگاہی، جدید معاشرتی ومعاشی مسائل کے حل اور اسلامی ذہن و کردار کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ذرائع ابلاغ کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی میں مثبت کردار، احترام انسانیت کی تلقین، آزادی اور ذمہ داری کا تصور، آزادی فقط نیکی کی ترویج کے لیے، برائی کی اشاعت کے لیے نہیں، فحاشی وعریانی کی ممانعت،

---

413 احسن اختر ناز، صحافتی ذمہ داریاں، ص:27

فریضہ حق گوئی کی ادائیگی اور وعظ و نصیحت کے لیے، نجی معاملات میں تجسس سے گریز، جھوٹ اور افواہوں سے گریز، اظہار خیال میں شائستگی، دل آزاری سے گریز، خواتین کے معاملے میں خصوصی احتیاط، امت مسلمہ میں اخوت و یکجہتی کے قیام کے لیے اور صالح معاشرے کے قیام میں ریاست کی معاونت کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہ ادا کرے۔ اگر کسی جگہ ریاستی، معاشرتی، تعلیمی اور عدالتی معاملات غلط ہوں تو بھی ذرائع ابلاغ ان غلط کاموں پر احتساب و گرفت میں بھی پیش پیش ہوتے ہیں۔

4۔ معاشرتی اصلاح میں علماء کا کردار

امت محمدیہ ﷺ میں علمائے کرام کا کردار وہی ہے، جو سابقہ امتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کا رہا ہے، اسی بنیاد پر علماء کو انبیاء کے علوم اور منبر کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کے بنیادی اور اہم مقاصد میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ عالم انسانیت سے ظلم و تشدد کو دور کیا جائے۔ عدل و انصاف کا بول بالا ہو، جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ، امن و توازن کا مظہر بن سکے۔ یہی حضرت آدمؑ کی آرزو بھی تھی، جو ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾[414] کی صورت میں پوری ہوئی۔

معاشی فراوانی اور معاشرتی امن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں شامل تھا۔ رزق کی فراوانی اور امن و امان کا حصول قرآنی تعلیمات کے مطابق خیر و بھلائی کے پھیلاؤ اور برائی کے خاتمہ اور انسداد کے ذریعہ ممکن ہے، جسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہا جاتا ہے، یہ فریضہ یوں تو اپنے اپنے دائرہ کار میں امت کے ہر فرد پر عائد ہوتا ہے اور اسی ذمہ داری کے سپرد ہونے کی بناء پر، امت محمدیہ "خیر امت" کہلاتی ہے ۔اس حوالے سے قرآن مجید یوں فرماتا ہے

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ...الآية﴾[415]

"تم بہترین امت ہو جس کو نکالا گیا ہے لوگوں کے لیے۔۔۔"

تاہم اس امت کے علماء از روئے حدیث، انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، اس لیے ان کے فرائض منصبی میں انبیاء کرام علیہم السلام کے کردار کی تبلیغ اور خیر امت کی صحیح اور بر وقت راہنمائی شامل ہے، جسے علماءئے کرام الحمد للہ اپنے اپنے دائرہ میں بجالا رہے ہیں، مگر موجودہ قومی اور بین الاقوامی صورت

---

[414] البقرہ، 125:2
[415] آل عمران، 110:3

حال کا شدید تقاضا ہے کہ علماء اصلاح معاشرہ کی انفرادی کوششوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر بھی اپنے کردار کو اجاگر کریں، تاکہ علماء کے سود مند وجود سے امت مسلمہ کی پریشانیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

عرفان الٰہی کی وہ میراث جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑی ہے، وہ علما کا سرمایۂ حیات ہے۔ چنانچہ انبیا علیہ السلام کی نیابت میں اب یہ انھی کا منصب ہے کہ اپنے ہم قوموں کو جہنم کے عذاب سے خبر دار کریں اور جنت کے انعام کی خوش خبری سنائیں۔ یہ انہی اہل علم کا کام ہے کہ علوم دینیہ پر غور کریں اور ان کی روشنی میں زمانے کے لیے لائحۂ عمل تشکیل دیں۔ یہ ان ہی لوگوں کا فریضہ ہے کہ دینی تعلیم کو ہر آمیزش سے پاک کریں اور اسے دنیا کے قریے قریے تک پہنچائیں اور یہ انہی کی ذمہ داری ہے کہ امت مسلمہ کو انداز زندگی سکھائیں، ان کی تعمیر و ترقی کے لیے صحیح راستوں کا تعین کریں اور ان کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیں۔ یہ انہی کا فریضہ ہے کہ حدود و قصاص کے قوانین پر عمل درآمد کروائیں، اب کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اسی لیے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"إِنَّ الْعُلَمَاءَ هم وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ ـ"[416]

"بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑتے بلکہ وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں جس نے علم حاصل کر لیا اس نے وراثت کا بڑا حصہ حاصل کر لیا۔"

امام بخاری و مسلم، امام مالک و احمد، امام ابو حنیفہ و شافعی، امام غزالی و ابن تیمیہ نے دین و ملت کی خدمت کا جو فریضہ انفرادی و اجتماعی حوالے سے سرانجام دیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اس طائفۂ علماء کے سرخیل تھے۔ ان کے پیروؤں نے عزم واستقامت اور حکمت و دانش کے ساتھ امت مسلمہ کی رہنمائی کی اور انھیں مدت تک جسد واحد میں پروئے رکھا۔ انھوں نے ارباب اقتدار کو ان کے فرائض سے منحرف نہیں ہونے دیا۔ عامۃ الناس کے اخلاق و کردار کو مجروح ہونے سے بچایا اور انھیں خوابوں میں جینے کے بجائے حقیقت پسندی کا درس دیا۔ اس راہنمائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اخلاق و کردار، عدل و انصاف، علم و ہنر اور نظم و ترتیب میں اوج کمال پر فائز ہوئے۔ اسی بنا پر صدیوں تک علم کی مسند اقتدار پر فائز رہے اور دنیا

---

[416] ابن ماجه، السنن، كتاب في الإيمان وفضائل الصحابة، باب فضل العلماء، رقم الحديث: 223

ان کے علم سے مستفید ہو کر سرخرو ہوئی۔

قرآن و سنت کی تشریع و تشریح صرف علماء کا حق ہے۔ انہی کا یہ فرض ہے کہ شریعت کو جمود سے بچائیں اور نئے حالات میں اجتہاد کریں، کیونکہ معاملہ احکام کے استنباط کا ہے۔ عوام الناس کو ایک ڈاکٹر یا ایک عالم دین پر جو اعتماد ہوتا ہے وہ اس کی علمی وفنی مہارت اور اخلاص کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ علمائے کرام کو صرف قرآن و حدیث اور عقائد بیان نہیں کرنے بلکہ انہوں نے پوری شریعت مطہرہ ﷺ کو بیان کرنا ہے۔ عوام کو ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کا عملی درس دیناہے۔ دہشت گردی سے اور فرقہ پرستی سے بچاناہے۔ آج فرقہ پرستی اور مسلک پرستی عام ہے کسی دوسرے مسلک کے آدمی کو مسلمان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ علمائے کرام کو مسالک کی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر سر جوڑ کے بیٹھنا چاہیے۔ ملّی یکجہتی کونسل کے انداز میں پھر سے متحد ہو کر چیلنج کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ منافرتوں کی جگہ پھر سے ہم آہنگی اور دشمنی کی جگہ، اخوت کو فروغ دینے کی امید انہی علمائے کرام سے وابستہ ہے

دعوتی و تبلیغی بنیادوں پر علمائے کرام اپنے اپنے حلقوں میں امن و امان کا درس دیں۔ فساد پیدا کرنے والی دونوں قوتوں قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ کی اصلاح کو بطور خاص موضوع بنائیں۔ رواداری کا درس حقیقی معنوں میں دیں۔ اختلافات کو ہوا نہ دیں، نیز اپنے حلقے کو یہ درس دیں کہ اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسرے کا چھیڑو نہیں، ورنہ لادین طبقہ ہر برائی اور بدامنی کا ذمہ دار صرف مذہبی طبقہ کو ٹھہراتا رہے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر طبقہ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اصلاح معاشرہ کے حوالے سے کوشاں ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام کے طبقہ میں بھی اہل دل حضرات اپنے اس فریضہ کی انجام دہی سے غافل نہیں ہیں۔ اگر ایک طرف وہ خالص دینی اور اسلامی عصبیت لئے ہوئے عقائد اور مسائل کے تحفظ کی خاطر دین کے دشمنوں سے برسرپیکار ہیں تو دوسری طرف معاشرے کی خرابیوں اور مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کے لئے وہ مصروف جہاد ہیں، لیکن اس فریضہ میں دوسرے گروہ بھی علماء کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے جب تک پوری مشینری کام نہ کرے اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

علمائے کرام کا یہ اولین فریضہ ہے کہ وہ وسعت قلبی کو مدنظر رکھتے ہوئے دینِ اسلام کی وسعتوں کو اپنے سامنے رکھ کر کتاب و سنت کی پوری تعلیمات کو پیش نظر رکھیں۔ دنیا کے مخصوص حالات، علوم وفنون، جدید ٹیکنالوجی اور لوگوں کے مسائل و وسائل سے باخبر ہو کر معاشرے کی خرابیوں اور ان کے اسباب و

علل کا ناقدانہ جائزہ لیں اور اپنے دائرہ عمل کو وسیع کریں۔ اپنے طرز تعلیم اور انداز تقریر و تحریر کو بدلیں اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر فراخدلی اور رواداری سے معاشرہ کی اصلاح کی سعی کریں۔ اس طرح وہ خود اور تمام معاشرہ بھی بدلے گا اور یہ اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہریں گے۔

5۔ معاشرتی اصلاح میں خانقاہوں کا کردار

جرائم کے انسداد اور ماحول کی پاکیزگی کے لئے ایک نہایت ہی مناسب تدبیر، تزکیہ نفس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سیدھے راستے پر چلانے کے لیے انبیائے کرام کا جو سلسلہ درجہ بدرجہ چلایا۔ اس کی بڑی وجہ بھی انسانی ذات کی اصلاح، اس کے قلب و دماغ کی صفائی اور زندگی گزارنے کی بنیادی مہارتوں سے اسے آراستہ کرنا تھا۔ ہر پیغمبر کا یہ بنیادی فرض رہا ہے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کرے، ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کی سعی کرے اور انھیں معاشرے کا مفید شہری بناتے ہوئے اپنے اللہ کا تابع فرمان بنائے تاکہ انسان دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تزکیہ کی ذمہ داری کسی اور پر نہیں بلکہ خود اس کے اپنے اوپر عائد ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نہ صرف خیر و شر کی تمیز دی ہے، بلکہ انبیاء و رسل کا فریضہ بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بیان فرمایا۔ قرآن مجید میں تزکیہ نفس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾[417]

"وہ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ نفس کرے۔"

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد قرآن نے جو بیان کئے ہیں ان میں تلاوت آیات اور تعلی کتاب کے بعد تزکیہ نفوس کا ذکر ہے۔ تزکیہ نفس میں جہاں دلوں کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو درست کرلیں وہاں ان کے تزکیہ کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ ایک آدمی کو جن جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے یا جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، وہ اپنے اندر ان کے حق کی ادائیگی اور ان سے درست تعلقات کی تڑپ پیدا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں کام تکمیلی شان میں ادا فرمائے۔ اگر ایک طرف انہوں نے بندگی رب کے مقصد کو بہ کمال و تمام پورا فرمایا اور انسان کو صرف اس کے آستانے پر جھکنا ہی نہیں سکھایا، بلکہ اپنے مالک و خالق کی لگن اور محبت میں تڑپنا اور پھڑکنا بھی سکھایا، اسی طرح انسانوں میں

---

417 البقرہ، 129:2

ابنائے جنس اور دوسری تمام چیزوں کے تعلقات کے حوالے سے ذمہ داری اور حقوق کی ادائیگی کا جذبہ پیدا فرمایا اور انہیں حقوق اور فضائل کے حوالے سے انسانوں میں بے پناہ لگن پیدا کر دی۔ اس کا نام تکمیل اخلاق ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔"[418]

"مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کر دوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنی جماعت کی اتنی عمدہ اخلاقی تربیت فرمائی کہ وہ امن تو کجا، حالت جنگ میں بھی اخلاقی اقدار کو مد نظر رکھتے۔ حسن اخلاق کی تکمیل کے حوالے سے محمد ہارون معاویہ تحریر کرتے ہیں

"اس مقصد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ابتدائی دعوت میں ہم دیکھتے ہیں کہ صرف اللہ سے بندوں کے راست تعلق پر زور دیا جاتا ہے اور انسانی قلوب میں اللہ کے تعلق کو اسی طرح پیوست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جس میں کسی اور تعلق کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ شاید اسی وجہ سے مکی زندگی میں بہت کم احکام نازل ہوئے ہیں۔ سارا زور اسی بنیادی ہدف پر صرف کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہی دیکھتے ہیں کہ احکام تو ایسے نازل ہوئے حتی کہ ارکان دین کی فرضیت بھی بہت دیر بعد اپنے اپنے مقام پر نازل ہوئی لیکن ابتدائی دعوت سے ہی حسن اخلاق پیدا کرنے اور اس کی تکمیل کے لیے آنحضرت ﷺ نے مسلسل کام کیا۔"[419]

خانقاہی کردار پر گفتگو کرتے ہوئے نذیر احمد رانجھا لکھتے ہیں

"تصوف کے آغاز و ارتقا پر بحث کرنا یہاں مقصود نہیں، مگر یہ چیز بتانا ضروری ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ)، سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۸ ھ)، سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ)، محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱)، خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۹۱ھ)، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۴۲ھ) اور خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۵۵ھ) اور ان کے سلاسل عرفانی کے پیروکار سینکڑوں صوفیائے عظام اور اولیائے کرام کی متصوفانہ زندگیاں نہ صرف ان کے مبارک عہد میں مسلمانوں کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنیں اور ہزاروں غیر مسلم بھی ان کی راست بازی پاک طینتی کے معترف ہوئے اور وہ ان برگزیدہ

---

418 البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي ،السنن الكبرى، دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الثالثة، 1424 هـ - 2003 م،رقم الحديث:20782

419 محمد ہارون معاویہ، مولانا، اصلاح معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت، کراچی، 2006ء، ص:128

ہستیوں کے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور خصائل و فضائل کے گرویدہ ہو کر کفر و شرک کی تاریک وادیوں سے نکل کر ایمان وایقان کے جہان روشن میں وارد ہو گئے بلکہ آج تک لاکھوں کروڑوں انسان ان اولیاو صوفیا کی محبت و عقیدت میں مستغرق ہیں اور ان کی تعلیمات و فرمودات سے مستفید ہو کر اپنے اخلاق واعمال کو بنا اور سنوار رہے ہیں اور یوں ان نفوس قدسیہ کے فیوض و برکات کا یہ سلسلہ تا ابد جاری و ساری رہے گا۔[420]

یہ بات ایک اٹل حقیقت ہے کہ اسلامی تصوف کا سرچشمہ و منبع قرآن و سنت ہے جو نبی آخر الزماں سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دین مبین کے اعلائے حق کے ساتھ ہی اپنی حسین و جمیل شکل اور مبارک صورت میں جلوہ گر ہوا، جس کا آغاز رحمت عالم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ہوا اور آپ ﷺ کے مبارک عہد کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اسی پاکیزہ اور پسندیدہ طریقہ کے پیروکار رہے ہیں اور ان شاء اللہ مردان حق اور طالب صفا ہمیشہ اس جادہ مستقیم پر گامزن رہیں گے۔

اصلاح معاشرہ میں خانقاہوں کا کردار اتنا عظیم اور روشن ہے کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اصلاح امت کی کوئی بھی تاریخ خانقاہ کے بوریہ نشینوں اور صوفیاے کرام کے تذکرہ کے بغیر ادھوری ہے، بالخصوص بر صغیر ہندو پاک میں آج جو توحید و کلمہ کی صدائیں گونج رہی ہیں یہ انہیں خانقاہوں کی دعوتی اور تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہیں۔ تصوف اور اہل تصوف کے سخت ترین مخالف بھی دبی زبان ہی سے سہی مگر اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

ابو الحسن ندوی خانقاہی نظام کے معاشرتی کردار و اثرات کے حوالے سے لکھتے ہیں

"دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس پر یکے بعد دیگرے دو شیخ اجل حضرت خواجہ نظام الدین اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی متمکن رہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوۃ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ برھان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور اور مانک پور میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں۔ جنہوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علوہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطاء، فقر و زہد اور علم و معرفت کی شمع روشن رکھی۔ ان میں سے ہر خانقاہ اور اس کی دینی اور اصلاحی کارناموں کے لیے ایک مستقل عظیم کتاب درکار ہے۔"[421]

---

420 رانجھا، محمد نذیر، ڈاکٹر، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، لاہور، 2003ء، ص:56-55

421 ندوی، ابو الحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، لکھنو، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، 2006ء، جلد 3، ص:152

درج بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہندوستانی معاشرے میں صوفیاء کرام کی مقبولیت، تبلیغ اسلام اور اصلاح نفس و معاشرہ کے مثبت اثرات کی سب سے بڑی وجہ ان کی انسان دوستی، مساوات، تکریم انسانیت اور محبت رواداری کے اعلی اخلاقی اصولوں کی پیروی تھی اور یہی وہ بنیادی چیز تھی جس کی ہندوستانی معاشرے کے مظلوم طبقات کو ضرورت تھی۔ صوفیاء کرام نے اپنے خانقاہی نظام کے ذریعے ان مظلوموں کی داورسی کی، ان کو عزت دی اوران کی دنیوی ضرورتوں کو گوناگوں پورا کیا۔ یوں یہ لوگ صوفیاء کرام کے ان اعلی اخلاقی اصولوں کی بدولت بت پرستی چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صوفیاء کرام نے برصغیر کے خطے میں اشاعتِ اسلام امن و امان کے قیام اور معاشرتی اصلاح کے حوالے سے بڑی جاندار اور مثبت کوششیں کی ہیں اور ان کوششوں کا بنیادی مرکز ان کی قائم کردہ خانقاہیں ہی تھیں۔ صوفیاء کرام اور خانقاہی نظام کی انہی کی کوششوں سے ہزاروں لوگوں نے دینِ اسلام کو قبول کر کے اس کے مطابق زندگی گزاری۔

موجودہ زمانے میں دعوت و تبلیغ کے پس منظر میں خانقاہی نظام کی افادیت مفقود نہیں ہوئی ہے بلکہ اور اجاگر ہوئی ہے۔ آج ہمیں اس نظام کی اتنی سخت ضرورت ہے جتنی شاید اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ ہاں خانقاہی نظام کا وہ کردار مفقود ہو گیا جو ماضی میں اس کا امتیاز رہا ہے، ورنہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر آج تک دعوت و تبلیغ اور اصلاح احوال کا اس سے بہتر اور موئثر طریقہ پیش نہیں کیا جا سکا۔

باب چہارم: پاکستان میں قوانینِ حدود و قصاص کا نفاذ اور اس میں حائل رکاوٹیں

فصل اول: پاکستان میں قوانین حدود و قصاص کے نفاذ کی تاریخ

14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا ایک ایسا ملک ہے، جو اس عہد و پیمان کے ساتھ وجود میں آیا کہ یہاں اسلامی نظریات کو عملی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ اس حوالے سے ہر دور میں کاوشیں کی گئی۔ 9 مارچ 1948ء کو پیش کی جانے والی قرار داد مقاصد اسی کاوش کا پیش خیمہ ہے۔ اسلامی قانون سازی کے لیے پاکستان کی تاریخ میں جنوری 1951ء میں غیر سرکاری سطح پر مختلف مذہبی اور فقہی پس منظر کے حامل علمائے کرام نے بائیس نکاتی فارمولا پیش کیا۔ 1956ء کے آئین کے تحت رائج شدہ قوانین کا جائزہ لے کر اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے لیے اسلامک لاء کمیشن تشکیل دیا گیا۔ 1962ء کے آئین کے تحت اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کا تصور سامنے آیا، جس کی عملی شکل 1963ء میں پیش ہوئی۔ سقوط ڈھاکہ دسمبر 1971ء کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت سنبھالی اور اگست 1973ء میں ملک کو ایک مستقل آئین ملا۔ اس آئین کے تناظر میں اسلامی نظریاتی کونسل جیسا ادارہ وجود میں لایا گیا تاکہ موجودہ قوانین پر نظر ثانی کر کے انہیں اسلامی احکام سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔

حدود آرڈیننس

5 جولائی 1977ء کو ضیاء الحق نے وطن عزیز میں مارشل لاء نافذ کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس مارشل لاء کو عوامی حمایت حاصل تھی۔ ضیاء دور میں اسلامائزیشن کے لیے بہت ٹھوس اقدامات کیے گئے۔ اس عہد کا ایک بڑا کارنامہ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں حدود قوانین کا نفاذ ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے تقریباً ڈیڑھ سال کی جہد مسلسل کے بعد پانچ مسودات کی صورت میں پیش کیا۔ ان مسودات پر عمل درآمد کا مقصد براہ راست معاشرے کی اخلاقی اقدار کے تحفظ اور جائیداد کی حفاظت سے تھا، یعنی ان کی تنفیذ سے مقاصد شریعت کا تحفظ ممکن تھا۔ ان سفارشات کے ذریعے چوری، ڈاکہ، زنا، قذف اور شراب نوشی وغیرہ جرائم سے متعلق مروجہ قوانین کو بدل کر اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا اور ان جرائم کے ارتکاب پر قرآن وسنت کی مقرر کردہ سزائیں نافذ کر دی گئیں۔ 12 ربیع الاول 1399ھ کو رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن بمطابق مورخہ 10 فروری 1979ء کو ضیاء الحق نے ایک صدارتی حکم نامہ کے ذریعے مندرجہ ذیل حدود قوانین کا اجراء کیا:

1. جائیداد (منقولہ) سے متعلق جرائم (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء

Offences against Property (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979, VI of 1979.

اس قانون کو نافذ کرنے کا بنیادی مقصد جائیداد (منقولہ) سے متعلق ہونے والے کچھ خاص جرائم کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالنا ہے اور اس سے مال کی حفاظت مقصود ہے۔ یہ قوانین چوری یا ڈکیتی وغیرہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس آرڈیننس کے تحت کل چھبیس دفعات ہیں، پہلی دفعہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ قانون 10 فروری 1979ء بمطابق 12 ربیع الاول 1399 ہجری سے پورے پاکستان میں قافذ العمل ہو گا۔[422] دوسری دفعہ مختلف تعریفات پر مشتمل ہے جو اس قانون کے لیے انتہائی ضروری ہیں جیسا کہ "Adult, Medical Officer, Hadd, Hirz, Imprisonment for life, Tazeer" کی تعریفات وغیرہ۔ اس میں Adult سے مراد ایسا شخص ہے جو اٹھارہ سال کی عمر کو یا سن بلوغت کو پہنچ گیا ہو، حد سے مراد قرآن و سنت سے ماخوذ سزا اور عمر قید سے مراد موت تک قید رکھا جائے گا[423]۔ دفعہ تین یہ بیان کرتی ہے کہ قانون زیر بحث کو موجودہ وقت میں دیگر رائج الوقت قوانین پر فوقیت حاصل ہو گی[424]۔ دفعہ پانچ چوری قابل نفاذ حد کی تعریف بیان کرتی ہے کہ عاقل بالغ یہ جانتے ہوئے کہ جائیداد چوری شدہ نہ ہے اور نصاب یا اس سے زیادہ مالیت کی ہے، خفیہ طریقے سے چوری کرے تو وہ اس قانون کے مطابق چوری قابل نفاذ حد کا مرتکب ہو گا[425]۔ دفعہ چھ مال کے نصاب کو ظاہر کرتی ہے جو 4.457 گرام سونا یا اس کے برابر کی مالیت بوقت چوری قابل حد قرار دی گئی ہے[426]۔ دفعہ سات میں چوری قابل نفاذ حد کے ثبوت کا معیار بیان کرتی ہے[427]۔ دفعہ نو چوری کی سزا کو سات شرائط کے تحت بیان کرتی ہے کہ چور نے

---

422 Offences against Property (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979, VI of 1979, Section 1.

423 Ibid, VI of 1979, Section 2.

424 Ibid, VI of 1979, Section 3.

425 Ibid, *VI* of 1979, Section 5.

426 Ibid, *VI* of 1979, Section 6.

427 Ibid, *VI* of 1979, Section 7.

اگر پہلی دفعہ چوری کی ہو تو دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا[428]۔ دفعہ دس میں حد کے نافذ نہ ہونے والی صورتوں کا ذکر ہے[429] اور دفعہ بارہ میں مال مسروقہ کی واپسی کا ذکر ہے[430]۔

دفعہ پندرہ میں حرابہ کی تعریف بیان کی گئی ہے، جس کی رو سے ایک یا زیادہ اشخاص چاہے وہ مسلح ہوں یا نہ ہوں، کسی دوسرے شخص پر زبردستی یا طاقت کا استعمال کرتے ہوئے زبردستی کوئی چیز دوسرے سے لیں یا لینے کی کوشش کریں، کسی دوسرے پر حملہ آور ہوں، یا اسے محدود یا مقید کر لیں یا اسے موت کے یا زخمی کرنے خوف میں مبتلا کر دیں ایک یا یا زیادہ اشخاص کو[431] اور دفعہ سولہ میں حرابہ کے لیے معیار ثبوت کو دفعہ سات میں بیان کردہ لوازمات ثبوت کے مطابق مناسب تبدیلیوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔[432]

دفعہ سترہ میں حرابہ کی سزا کو بیان کیا گیا ہے جو کہ جرم کی نوعیت کے مطابق مختلف ہو سکتی ہے اور یہ چھ صورتیں بیان ہوئی ہیں: سزا کی پہلی صورت کے مطابق جو کوئی شخص حرابہ کا ارتکاب کرنے کی کوشش کرے اور نہ کسی کو قتل کرے اور نہ ہی کوئی چیز چرائے، کو تیس کوڑے جو اس سے زائد نہ ہوں اور قید سخت میں اس وقت تک رکھا جائے گا جب تک عدالت مطمئن نہ ہو کہ اس نے اخلاص نیت کے ساتھ توبہ کر لی ہے، بشرطیکہ متذکرہ سزائے قید تین سال سے کم نہ ہو۔ سزا کی دوسری صورت کے مطابق محارب یا محاربین نے اگر کسی کو زخمی کیا ہو، نہ مال لوٹا اور نہ کسی کو قتل کیا، تو اس صورت میں اسے زخم والی سزاؤں میں کوئی بھی سزا دی جائے گی۔ سزا کی تیسری صورت کے مطابق اگر حرابہ کے دوران مال سرقہ جو نصاب کو پہنچے، زبردستی لیا گیا، تو محارب کا دایاں ہاتھ کلائی سے اور بایاں پاؤں ٹخنہ سے کاٹا جائے گا، بشرطیکہ جب حرابہ ایک سے زیادہ افراد نے کیا ہو اور ان کو ملنے والی رقم بھی نصاب کو پہنچے۔ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں نہ ہونے کی صورت میں سزا نہیں دی جائے گی، بلکہ اسے سزائے سخت جو کہ زیادہ سے زیادہ چودہ سال اور تیس کوڑے ہو گی، دی جائے گی۔ حرابہ کی چوتھی سزا کے مطابق اگر محاربین نے حرابہ کے دوران کسی ایک شخص کو یا زیادہ اشخاص کو قتل کیا اور مال چوری نہیں کیا، تو قتل کی صورت میں

---

428 Offences against Property (Enforcement of Hudood), *VI* of 1979, Section 9.

429 Ibid, *VI* of 1979, Section 10.

430 Ibid, *VI* of 1979, Section 12.

431 Ibid, *VI* of 1979, Section 15.

432 Ibid, *VI* of 1979, Section 17.

محاربین کو سزائے موت بطور حد لگائی جائے گی۔ حرابہ کی سزا کی پانچویں صورت کے مطابق محاربین کا ہاتھ یا پاؤں کا کاٹنا اور سزائے موت بطور حد اس وقت تک نہیں دے جائے گی جب تک کہ عدالت اپیل اسے کنفرم نہ کر دے اور اس دوران ملزم عام قید میں رہے گا۔ حرابہ کی سزا کی آخری صورت یہ ہے کہ اس میں محاربین کا ہاتھ یا پاؤں کاٹنا اور سزائے موت بطور حد اس وقت تک نافذ نہیں ہو گی جب تک کہ عدالت اپیل اسے کنفرم نہ کر دے اور اس دوران ملزم عام قید میں رہے گا اور دفعہ پچیس میں یہ بیان ہوا ہے کہ سرقہ اور حرابہ کے کیس کی سماعت صرف مسلمان جج ہی کر سکتا ہے۔[433]

2. جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء

Offence Of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance VII of 1979.

اس قانون کے ذریعے عزت و آبرو کی حفاظت مقصود ہے۔ اس آرڈیننس کے تحت کل بائیس دفعات ہیں، دوسری دفعہ میں عاقل مرد کی عمر اٹھارہ سال اور عورت کی عمر سولہ سال یا بلوغت متعین کی گئی ہے[434]۔ دفعہ چار میں زنا کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت جانتے ہوئے بغیر شادی (نکاح) کے مباشرت کرے تو وہ زانی قرار پائیں گے۔[435] دفعہ پانچ کے تحت زنا ان صورتوں میں قابل حد ہو گا، کہ عاقل و بالغ مرد یا عورت جو یہ بھی سمجھتے ہوں کہ وہ اس عورت یا مرد سے شادی شدہ نہ ہیں، زنا قابل حد کے مرتکب ہوں گے۔ اگر وہ محصن ہو تو اسے مجمع عام میں رجم کیا جائے گا اور غیر محصن کی صورت میں سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ سزا پر عمل درآمد اس وقت تک نہ ہو گا، جب تک عدالت اپیل سے اس کی سزا کنفرم نہ ہو جائے، اس وقت تک مجرم کو جیل میں رکھا جائے گا۔[436]

3. حکم امتناع (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء

Prohibition (Enforcement of Hadd) Order, 1979, IV of 1979.

یہ قانون عقل کی حفاظت کی خاطر نشہ اور اس سے متعلقہ چیزوں کی امتناع کی غرض سے جاری کیا گیا۔ اس

---

433 Offences against Property (Enforcement of Hudood), *VI* of 1979, Section 25.

434 Offence Of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance *VII* of 1979, Section 2.

435 Ibid, *VII* of 1979, Section 4.

436 Ibid, *VII* of 1979, Section 5.

آرڈیننس کے تحت کل تینتیس دفعات ہیں۔ دوسری دفعہ میں ملزم یا مجرم کی عمر اٹھارہ سال یا بلوغت مقرر کی گئی ہے۔[437] دفعہ تین میں نشہ آور اشیاء کی تیاری کو بھی زیر دفعہ تین جرم ٹھہرایا گیا ہے اور اس کی سزا بیان کی گئی ہے۔[438] دفعہ چار کے تحت منشیات کو اپنے ملکیت یا قبضہ میں رکھنا جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی تعزیری سزا مقرر کی گئ ہے۔[439] دفعہ چھ میں شراب نوشی کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ جو کوئی بھی اقرار اور اضطرار کے بغیر کسی بھی طرح سے منشیات کا جانتے بوجھتے ہوئے استعمال کرتا ہے، چاہے اس سے نشہ ہو یا نہ ہو، تو وہ شراب نوشی کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔[440] دفعہ آٹھ کے تحت شراب نوشی قابل نفاذ حد کی تعریف و سزا بیان کی گئی ہے جس کے مطابق کوئی عاقل، بالغ مسلمان منہ کے ذریعے شراب نوشی (مئے نوشی) کرتا ہے، تو وہ شراب نوشی قابل نفاذ حد کا مرتکب قرار پائے گا اور اسے اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی، جب تک عدالت اپیل اس کی سزا کنفرم نہ کر دے، تب تک وہ جیل میں رہے گا۔[441] نویں دفعہ میں معیار ثبوت بیان کیا گیا ہے۔ دفعہ دس میں وہ صورتیں بیان ہوئی ہیں کہ جن میں حد کا نفاذ نہ ہو گا۔[442] اسی طرح دفعہ تیس کے تحت عدالت کے جج کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے۔[443]

4. حکم قذف (نفاذ حدود) آرڈیننس 1979ء

Offence Of Qazf)Enforcement of Hadd) Ordinance VIII of 1979.

یہ قانون قذف کے حوالے سے ہے۔ اس آرڈیننس کے تحت کل بیس دفعات ہیں، دفعہ دو میں Adult, "Hadd, Tazir", , Zina and Zina bil Jabr کی وہی تعریفات مستعمل ہوں گی جو "Offence Of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance VII of 1979, " میں بیان کی گئی ہیں۔[444] دفعہ تین میں قذف کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے کہ جو کوئی زبانی الفاظ یا جن کے بارے

437 Prohibition (Enforcement of Hadd) Order, 1979, IV of 1979, Section 2.

438 Ibid, IV of 1979, Section 3.

439 Ibid, *IV* of 1979, Section 4.

440 Ibid, *IV* of 1979, Section 6.

441 Ibid, *IV* of 1979, Section 8.

442 Ibid, *IV* of 1979, Section 9.

443 Ibid, *IV* of 1979, Section 30.

444 Offence Of Qazf (Enforcement of Hadd) Ordinance *VIII* of 1979, Section 2.

میں پڑے جانے کا گمان ہو یا اشاروں کے ذریعے یا ظاہر کی جانے والی حرکات کے ذریعے الزام زنا کسی خاص شخص کے خلاف اس نیت سے لگاتا ہے یا وہ یہ باور کرتا ہے کہ اس طرح کا الزام اس کی شہرت یا اس کے جذبات کو مجروح کرے گا تو وہ قذف کا مرتکب قرار پائے گا۔[445] (متاثرہ شخص میں مرحوم شخص کے خلاف لگائے گئے الزام کی صورت میں کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کے خاندان اور قریبی رشتہ دار کی شہرت و جذبات مجروح ہوتے ہ، کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اس طرح کا الزام متبادل یا طنز کی صورت میں بھی قذف شمار کیا جائے گا)۔ دفعہ پانچ میں قذف قابل نفاذ حد کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے جو کوئی عاقل بالغ ہوتے ہوئے نیتاً اور بلا ابہام کسی خاص شخص کے خلاف جو کہ محصن ہو فعل مباشرت کی صلاحیت رکھتا ہو، اس آرڈیننس کے قانونی نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے قذف قابل نفاذ حد کا مرتکب کہلائے گا۔ (اس دفعہ میں محصن سے مراد عاقل بالغ مسلمان، جس نے کبھی کوئی فعل مباشرت نہ کیا ہو، یا کیا ہو تو صرف اپنی جائز زوج سے)۔ (اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی نسبت سے یہ الزام لگائے کہ وہ دوسرا شخص حرامی بچہ ہے یا اسے حلالی بچہ ماننے سے انکار کرے تو وہ ایسے دوسرے شخص کی ماں کی نسبت قذف قابل نفاذ حد کا مرتکب قرار پائے گا)۔[446] دفعہ چھ میں معیار ثبوت قابل نفاذ حد بیان کیا گیا ہے۔ دفعہ سات میں قاذف کی سزا اسی کوڑے بیان ہوئی ہے۔ دفعہ آٹھ میں قذف قابل نفاذ کا استغاثہ کون لا سکتا ہے، اگر وہ شخص جس کے خلاف قذف کا الزام لگایا گیا ہے، زندہ ہے تو وہ خود یا اس کی جانب سے مختیار اور اگر فوت شدہ شخص کے اجداد و اولاد میں سے کوئی بھی استغاثہ دائر کر سکتا ہے۔ دفعہ نو میں وہ صورتیں بیان کی گئی ہیں کہ جن میں الزام قذف میں نفاذ حد نہ ہو گی۔[447] دفعہ چودہ میں لعان، جو کہ قذف کی ایک اور صورت ہے، اس کے تحت آنے والے تمام مراحل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔[448] دفعہ پندرہ میں اس قانون کے تحت قابل سزا جرائم کے ارتکاب کی کوشش کے لیے سزا بیان کی گئی ہے۔[449] دفعہ اٹھارہ میں بیان

---

445 Offence Of Qazf (Enforcement of Hadd) Ordinance *VIII* of 1979, Section 3.

446 Ibid, *VIII* of 1979, Section 5.

447 Ibid, *VIII* of 1979, Section 9.

448 Ibid, *VIII* of 1979, Section 14.

449 Ibid, *VIII* of 1979, Section 15.

ہوا ہے کہ قذف کے جرم کی سزا کی سماعت کرنے والے جج کا مسلمان ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔[450]

5. سزائے تازیانہ آرڈیننس 1979ء

Execution of the Punishment of Whipping Ordinnance, 1979, IX of 1979.

بنیادی طور پر اس قانون میں کوڑوں کی سزا کے طریقہ کار پر اور کوڑے کی جسامت پر بحث کی گئی ہے۔ اس آرڈیننس کے تحت کل سات دفعات ہیں۔ دفعہ چار میں کوڑے کی ہیئت بیان کی گئی ہے، جس کے مطابق کوڑا دستے کے علاوہ صرف ایک حصے پر مشتمل ہو اور ترجیحاً چمڑے کا بنا ہوا ہو یا بانس یا درخت کی شاخ، جس پر کوئی نوک نہ ہو اور نہ ہی اس پر کوئی جوڑ ہو اور اس کی لمبائی اور موٹائی بالترتیب 1.22 meter اور 1.25 Centi meter ہو۔[451] دفعہ پانچ میں موقع پر سزائے تازیانہ کا طریقہ کار جز a تا m میں بیان کیا گیا ہے۔ دفعہ چھ کے مطابق سزائے تازیانہ کے مجرم کو تا نفاذ سزا تازیانہ قید میں رکھا جا سکتا ہے اور کوڑے میڈیکل آفیسر کی رائے کے مطابق مکمل کوڑے یا اس کا کوئی حصہ قابل نفاذ نہ ہو، تو اس کا مقدمہ عدالت کو ارسال کیا جائے گا، جو مناسب سزا تجویز کرے گی۔[452] دفعہ سات کے مطابق قانون ہذا کے نفاذ کی خاطر کسی بھی قسم کے قواعد بنانے کا اختیار صوبائی حکومت کو دیا گیا ہے۔[453] اب کوڑے صرف حدود کی سزا میں لگ سکتے ہیں۔ کسی اور سزا میں نہیں لگائے جا سکتے۔

مذکورہ بالا حدود آرڈیننس کو 1985ء میں کی گئی آٹھویں ترمیم کے ذریعے آئینی تحفظ حاصل ہو گیا اور اب یہ تمام قوانین تعزیرات پاکستان کا حصہ ہیں۔

قصاص و دیت کا قانون

Qisas and Diyat Act 1997

حدود قوانین کے علاوہ ایک اور اہم قانون جس نے پاکستان میں فوجداری قانون کی حد تک نفاذ اسلام کے ہدف کی سمت میں ایک بڑی پیش رفت کو یقینی بنایا ہے۔ وہ قصاص و دیت کا قانون ہے۔ قصاص و دیت کے

---

450 Offence Of Qazf (Enforcement of Hadd) Ordinance *VIII* of 1979, Sec.18.

451 Execution of the Punishment of Whipping Ordinnance, 1979, IX of 1979, Section4.

452 Ibid, *IX* of 1979, Section 6.

453 Ibid, *IX* of 1979, Section 7.

شرعی احکام پر مشتمل باقاعدہ ایکٹ 17 مارچ 1997ء کو نافذ کیا گیا۔ اس قانون کے باقاعدہ ایکٹ بننے کی کہانی دلچسپ بھی ہے اور عبرت آموز بھی۔ اکتوبر 1980ء میں وفاقی شرعی عدالت کے جناب جسٹس آفتاب حسین مرحوم نے اپنے ایک فیصلہ میں تعزیرات پاکستان کی کچھ دفعات کو خلاف شریعت قرار دیا، اس لئے کہ ان میں قتل کے مقدمات میں قصاص، دیت اور راضی نامہ کی گنجائش نہیں تھی۔ زخم وغیرہ کے مقدمات میں بھی شریعت کے احکام کے مطابق تاوان دینے کی گنجائش نہیں تھی۔ حکومت پاکستان نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت بنچ میں اپیل دائر کر دی۔

جون 1990ء میں اس کی پہلی بار سماعت ہوئی۔ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے اس فیصلہ کو بر قرار رکھا اور تعزیرات پاکستان کی 55 دفعات کو شریعت سے متعارض قرار دے کر کالعدم کر دیا۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد مقررہ تاریخ سے تعزیرات پاکستان کی وہ پچپن دفعات کالعدم ہو گئیں۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لیے حکومت پاکستان نے اکتوبر 1990ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی مشاورت سے آرڈیننس جاری کیا جو قصاص و دیت آرڈیننس کہلاتا ہے۔ 1997ء تک یہ آرڈر ایکسٹینشن پر ہی چلتا رہا اور کسی اسمبلی نے اسے ایکٹ بنا کر قانون کا درجہ نہیں دیا، بالآخر The Criminal Law (Amendment)Act 1997 کے ذریعے اسے باقاعدہ اور مستقل قانون کا درجہ حاصل ہو گیا۔

یہ قانون انسانی جان کے تحفظ کے لیے رائج فوجداری قوانین کو قرآن وسنت کے قوانین کے مطابق ڈھالنے کے لیے نافذ کیا گیا۔ اس قانون کے ذریعے The Pakistan Penal Code, (XLV OF 1860) کی دفعات 53،54, 55, 55-A اور دفعہ 109 میں ترامیم کرنے کے ساتھ ساتھ دفعات 299 تا 338 کو نئی جاری شدہ دفعات 299 تا 338 سے تبدیل کر دیا گیا اور یہ دفعات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلے اس قانون کی دفعہ 1 میں اس کا نام The Criminal Law (Amendment)Act 1997 بیان کیا گیا ہے۔[454] دفعہ 53 میں دس قسم کی سزاؤں کو بیان کیا گیا ہے جس میں I تا VI نمبر I قصاص نمبر II دیت نمبر III ارش نمبر IV تاوان نمبر V تعزیر نمبر VI موت، سزائیں بطور خاص شامل ہیں، جو قرآن و سنت کے مطابق سزائیں دینے کا جواز پیدا کرتی ہیں۔[455] دفعہ 54 میں پہلے سے موجود دفعہ کے آخر میں

---

[454] The Criminal Law (Amendment)Act 1997, Section 1.

[455] Ibid, Sec.2.

فل سٹاپ کو ختم کر کے ایک نئے قانونی جملہ کا اضافہ کیا گیا، جس کے مطابق قتل کے جرم میں دی گئی سزا ئے موت میں کسی قسم کی تخفیف کو وارثان مقتول کی مرضی سے مشروط کیا گیا ہے۔[456] دفعہ نمبر 55 میں پہلے سے موجود دفعہ کے آخر میں فل سٹاپ کو ختم کر کے ایک نئے قانونی جملہ کا اضافہ کیا گیا، جس کے مطابق باب نمبر XVI(PPC) میں دی گئی عمر قید کی سزا میں کسی قسم کی تخفیف کو متضرر یا وارثان متضرر کی مرضی سے مشروط کیا گیا ہے[457] اور دفعہ 55-A میں پہلے سے موجود دفعہ کے آخر میں فل سٹاپ کو ختم کر کے ایک نئے قانونی جملہ کا اضافہ کیا گیا، جس کے مطابق باب نمبر XVI(PPC) میں دی گئی سزا میں کسی بھی قسم کی تخفیف کے صدارتی اختیار کو مقتول یا مظلوم کے ورثاء کی مرضی سے مشروط کر دیا گیا ہے۔[458] دفعہ 109 میں پہلے سے موجود دفعہ کے آخر میں فل سٹاپ کو ختم کر کے ایک نئے قانونی جملہ کا اضافہ کیا گیا، جس کے مطابق ماسوائے اکراہِ تام کی صورتحال، باب نمبر XVI(PPC) میں دی گئی سزا میں معاونِ جرم، بشمول سزائے موت بیان کی گئی سزائے تعزیر کا مستوجب ہو گا۔[459] دفعہ 7 کے تحت دفعہ 299 تا 338 تعزیرات پاکستان میں متبادل دفعات لائی گئیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:[460]

دفعہ 299 مختلف تعریفات پر مشتمل ہے ،جو اس قانون کے مقاصد کے لیے بہت ضروری ہیں، جیسا کہ "Adult, Arsh, Authorized Medical Officer, Daman, Diyat, Government, Ikrah e Tam, Ikrah e Naqis, Minor, Qatal, Tazeer, Wali." کی تعریفات، اس میں Adult سے مراد ایسا شخص ہے جو اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو، ارش سے مراد باب ہذا میں مذکور وہ معاوضہ ہے جو مجرم کی طرف سے متضرر یا اس کے ورثاء کو دیا جاتا ہو، ضمان عدالت کا مقرر کردہ وہ معاوضہ ہے جو مجرم کی طرف سے متضرر کو ایسا ضرر جو مستوجب ارش نہ ہو، پہنچانے کی پاداش میں ادا کیا جائے، دیت سے مراد دفعہ 323 میں بیان کردہ وہ معاوضہ ہے جو مجرم کی طرف سے شخص متضرر کے ورثاء کو واجب الادا ہو، حکومت سے مراد صوبائی حکومت ہے۔ اکراہ تام سے مراد کسی

456 The Criminal Law (Amendment)Act 1997, Sec.3.

457 Ibid, Sec.4.

458 Ibid, Sec.5.

459 Ibid, Sec.6.

460 Ibid, Sec.7.

شخص، اس کے زوج یا اس کے محارم میں سے کسی کی فوری ہلاکت یا اس کے جسم کے کسی عضو کو فوری یا مستقل طور پر ناکارہ کر دینے کے خوف میں یا خلاف وضع فطری فعل یا زنا بالجبر کا نشانہ بنائے جانے کے خوف میں مبتلا کرنا ہے، اکراہ ناقص سے مراد جبر کی کوئی ایسی شکل ہے جو اکراہ تام کی حد تک نہ پہنچتی ہو، قتل سے مراد کسی شخص کی ہلاکت عمل میں لانا ہے، قصاص سے مراد متضرر یا اس کے ولی کا اختیار کہ وہ اس طرح کی جرح اور اسی طرح کے جسمانی حصے پر، جیسا کہ متضرر کو پہنچائی گئی ہو ملزم کو دے یا اس کی ہلاکت کی اس صورت میں کہ وہ قتل عمد کا مرتکب ہوا ہو تو مجرم کی ہلاکت اس کا ولی انجام دے، تعزیر سے مراد قصاص، دیت، ارش یا ضمان کے علاوہ کوئی اور سزا ہے اور ولی سے مراد وہ شخص ہے، جو قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق دار ہو۔[461]

دفعہ 300 میں قتل عمد کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ جو کوئی دوسرے کو ہلاک کرنے کی نیت سے یا جسمانی ضرب پہنچانے کی نیت سے کسی ایسے فعل کے ذریعے جس سے عام قدرتی حالات میں موت واقع ہو سکتی ہے یا اس علم کے ساتھ کہ اس کا فعل صریحاً اس قدر خطرناک ہے کہ اس سے موت کا گمان غالب ہے، ایسے شخص کی موت کا باعث ہو تو کہا جائے گا کہ وہ قتل عمد کا مرتکب ہوا۔[462] جب کوئی شخص اپنے کسی فعل سے جس کے ذریعے وہ ہلاک کرنے کی نیت رکھتا ہو یا جانتا ہو کہ اس سے ہلاکت وقوع پذیر ہو سکتی ہے، کسی ایسے شخص کو ہلاک کر دے جسے ہلاک کرنے کی نہ تو اس نے نیت کی ہو اور نہ جانتا ہو کہ اس سے ہلاکت واقع ہو سکتی ہے تو مجرم کا ایسا فعل قتل عمد کا مستوجب ہو گا۔[463] دفعہ 302 کے مطابق جو کوئی قتل عمد کا مرتکب ہوا سے باب ہذا کے احکام کے تابع: الف) بطور قصاص سزائے موت دی جائے گی۔ ب) مقدمہ کے حالات وواقعات کے پیش نظر سزائے موت یا سزائے عمر قید بطور تعزیر دی جائے گی اگر دفعہ 304 میں مصرحہ صورتوں میں سے کوئی ثبوت نہ مل سکے یا ج) کسی ایسی مدت کے سزا دی جائے گی جو پچیس سال تک ہو سکتی ہے جب اسلامی قانون کے تحت قصاص کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ

---

461 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, (Section 299, PPC.)

462 Ibid, Section 300.

463 Ibid, Section 301.

مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ ناقابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن ہو گی۔[464]
دفعہ 304 میں قتل عمد مستوجب قصاص وغیرہ کا ثبوت بیان ہوا ہے کہ اس کا ثبوت حسب ذیل صورتوں میں سے کسی میں ہو گا یعنی الف) ملزم ایسے جرم کی سماعت کی مجاز کسی عدالت کے روبرو یا ارادہ اور سچا اقبال جرم کرے یا ب) ایسی شہادت کے ذریعے جس کے بارے میں آرٹیکل سترہ قانون شہادت بابت سال 1984 (صدارتی حکم نمبر دس) میں احکام واضح ہوئے ہیں۔[465]
دفعہ 305 کے مطابق قتل کی صورت میں ولی حسب ذیل ہوں گے۔ الف) ضرر رسیدہ کے ورثان اس کے شخصی قانون کے مطابق۔ ب) وارث نہ ہونے کی صورت میں حکومت[466]، دفعہ 306 میں قتل عمد جو مستوجب قصاص نہ ہو کی صورتوں کو بیان کرتا ہے اور دفعہ 307 میں وہ صورتیں جن میں میں قتل عمد کا قصاص نافذ نہیں کیا جاتا، کو بیان کیا گیا ہے۔[467] دفعہ 314 میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قتل عمد میں قصاص کا نفاذ حکومت کے کسی منصب دار کے ذریعے عدالت کی ہدایت کے مطابق مجرم کی موت وقوع میں لانے سے ہو گا اور قصاص پر اس وقت تک عمل درآمد نہیں کیا جائے گا جب تک کہ نفاذ قصاص کے وقت تمام اولیاء اصالتاً یا ان نمائندگان کے ذریعے جن کو انہوں نے اس بارے میں تحریری طور پر اختیار دیا ہو، حاضر نہ ہو۔ اگر مجرم کوئی ایسی حاملہ عورت ہو تو عدالت مجاز ہو گی کہ کسی میڈیکل آفیسر مجاز کے ساتھ مشورہ کرکے نفاذ قصاص کو بچے کی پیدائش کے بعد دو سال کے عرصے تک ملتوی کر دے اور اس عرصہ کے دوران اسے عدالت کے اطمینان کی حد تک ضمانت مہیا کرنے پر رہا کیا جاسکے گا یا اگر اسے رہا نہ کیا جائے تو اس سے ایسا سلوک کیا جائے گا، گویا اسے قید محض کی سزا دی گئی ہو۔[468]
جو کوئی کسی شخص کو جسمانی یا ذہنی ضرر پہنچانے کی نیت سے کسی ایسے ہتھیار یا فعل کے ذریعے جس سے عام حالات میں موت واقع ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ اس کی یا کسی دوسرے شخص کی موت کا باعث ہو جائے

---

464 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Sec. 302.
465 Ibid, Section 304.
466 Ibid, Section 305.
467 Ibid, Section 307.
468 Ibid, Section 314.

تو کہا جائے گا کہ اس نے قتل شبہ عمد کا ارتکاب کیا ہے۔[469] دفعہ 316 کے مطابق جو کوئی شخص قتل شبہ عمد کا مرتکب ہو تو وہ دیت کا مستوجب ہو گا اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی اتنی مدت کے لیے سزائے قید دی جا سکتی ہے جو چودہ سال تک ہو سکتی ہے۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ ناقابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن ہو گی۔[470] اگر قتل عمد یا شبہ وقت عمد کا مرتکب کوئی شخص کسی وصیت کے تحت وارث یا منفعت دار ہو تو وہ بطور وارث یا منفعت دار متضرر کی جائیداد سے محروم ہو جائے گا۔[471]

جو کوئی شخص کسی کی موت وقوع میں لانے یا اسے نقصان پہنچانے کی نیت کے بغیر غلطی فعل یا غلطی واقعہ سے ویسے شخص کی موت کا باعث ہو تو وہ قتل خطا کا مرتکب ہے[472] اور اس کی سزا یہ ہے کہ وہ دیت کا مستوجب ہو گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر قتل خطاء کا ارتکاب کسی بے احتیاطی یا غفلت کے عمل سے کیا گیا ہو تو مجرم کو دیت کے علاوہ بطور تعزیر کسی قسم کی ایسی سزائے قید بھی دی جائے گی جس کی میعاد پانچ سال تک ہو سکتی ہے۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ ناقابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن ہو گی۔[473]

جو کوئی شخص کسی شخص کو ہلاک کرنے یا نقصان پہنچانے کی نیت کے بغیر کوئی ایسا غیر قانونی فعل کرنے جو کسی دوسرے شخص کی ہلاکت کا سبب بن جائے تو وہ قتل بالسبب کا مرتکب کہلائے گا۔[474] اس کی سزا یہ ہے کہ وہ دیت کا مستوجب ہو گا۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ ناقابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن ہو گی۔[475] دفعہ 323 میں دیت کی مالیت کی رقم وہ معاوضہ ہے جو مجرم کی طرف سے شخص متضرر کے ورثاء کو واجب الادا ہو۔ عدالت اسلام کے احکامات

---

469 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Section 315.

470 Ibid, Section 316.

471 Ibid, Section 317.

472 Ibid, Section 318.

473 Ibid, Section 319.

474 Ibid, Section 321.

475 Ibid, Section 322.

کے تابع (جس طرح قرآن و سنت میں منضبط کیے گئے ہیں) سزایاب اور شخص متضرر کے ورثاء کی مالی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیت کی مالیت مقرر کرے گی جو ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے سے کم نہیں ہو گی جو 30630 گرام چاندی کی قیمت ہے۔ تحتی دفعہ (1) کی اغراض کے لیے وفاقی حکومت سرکاری جریدے میں ہر سال یکم جولائی کو چاندی کی قیمت کا اعلان کرے گی۔[476]

جو کوئی شخص کسی بچے کی لاش کو چپکے سے دفن کر دینے سے یا اور طرح ٹھکانے لگانے سے قصداً اس بچے کی ولادت کو چھپائے یا اخفاء کی کوشش کرے، خواہ وہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے یا بعد یا پیدا ہونے کے دوران مر گیا ہو تو شخص مذکور کو کسی بھی قسم کی سزائے قید دو سال کے لیے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ قابل ضمانت، نا قابل راضی نامہ اور عدالت مجسٹریٹ با اختیارات دفعہ 30 ضابطہ فوجداری ہو گی۔[477] دفعہ 330 کے مطابق دیت متضرر شخص کے وارثان کے مابین وراثت میں ان کے الگ الگ حصوں کے مطابق ادا کی جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ جب کوئی وارث اپنا حصہ ترک کر دے تو اس کے حصہ کی حد تک دیت وصول نہیں کی جائے گی۔[478] دفعہ 331 یہ بیان کیا گیا ہے کہ دیت یک مشت رقم یا قطعی فیصلے کی تاریخ سے تین سال کے عرصہ پر محیط اقساط میں واجب الادا ہو گی۔[479] دفعہ 332 میں ضرر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو درد نقصان، مرض، ضعف یا زخم پہنچائے یا کسی شخص کی ہلاکت کا باعث بنے بغیر جسم کے کسی حصے کو کمزور کرے یا ناکارہ کر دے یا کاٹ ڈالے تو کہا جائے گا کہ اس نے ضرر پہنچایا اور ضرر کی حسب ذیل اقسام ہیں: (الف) اتلاف عضو، ب) اتلاف صلاحیت عضو، ج) شجہ، د) جرح اور ہ) دیگر تمام اقسام کے ضرر۔[480] دفعہ 333 کے مطابق جو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جسم کے کسی جزو یا عضو کو کاٹ دے یا جدا کرے تو کہا جائے گا کہ وہ اتلاف عضو کو وقوع میں لایا۔[481]

---

476 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Section 323.

477 Ibid, Section 329.

478 Ibid, Section 330.

479 Ibid, Section 331.

480 Ibid, Section 332.

481 Ibid, Section 333.

دفعہ 334 کے مطابق جو کوئی شخص کوئی ایسا فعل کرے جس کے نتیجے میں کسی شخص کو ضرر پہنچانے کی نیت ہو یا یہ جانتے ہوئے کہ اس سے کسی شخص کو ضرر پہنچنے کا امکان ہے، کسی شخص کے اتلاف عضو کا سبب بنے تو اسے کسی مجاز میڈیکل افسر کے مشورے سے قصاص کی سزا دی جائے گی اور اگر اسلام کے احکامات کے مطابق مساوات کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قصاص پر عمل درآمد ممکن نہ ہو تو مجرم ارش کا مستوجب ہو گا اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جو دس سال تک ہو سکتی ہے۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ ناقابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن ہو گی۔[482] دفعہ 335 میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو کوئی شخص کسی شخص کے جسم کے کسی عضو کی کارکردگی یا صلاحیت کو زائل کر دے یا مستقل طور پر نقصان پہنچائے یا عضو کی ہیت کو مستقل طور پر بگاڑ دے تو کہا جائے گا کہ وہ اتلاف صلاحیت عضو کا باعث ہوا۔[483]

دفعہ 336 کے مطابق جو کوئی شخص کسی شخص کو ضرر پہنچانے کی نیت سے یا یہ جانتے ہوئے کہ اس کا کسی کو ضرر پہنچانے کا امکان ہے کوئی فعل کر کے کسی شخص کے اتلاف صلاحیت عضو کا باعث ہو، تو اسے مجاز میڈیکل افسر کے مشورے سے قصاص کی سزا دی جائے گی اور اگر اسلامی احکام کے مطابق مساوات کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قصاص کی تعمیل ممکن نہ ہو تو مجرم ارش کا مستوجب ہو گا اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جو دس سال تک ہو سکتی ہے۔[484] دفعہ 337 میں یہ بیان ہوا کہ جو کوئی شخص کسی شخص کے سر یا چہرے پر کوئی ایسا ضرر پہنچائے جو اتلاف عضو یا اتلاف صلاحیت عضو کی حد تک نہیں پہنچا تو کہا جائے گا کہ اس نے شجہ لگایا۔ شجہ کی حسب ذیل اقسام ہیں:

الف)شجہ خفیفہ، ب)شجہ موضحہ، ج)شجہ ہاشمہ، د)شجہ منقلہ، ہ)شجہ آمہ اور و)شجہ دامغہ۔[485]

دفعہ A-337 یہ بیان کرتی ہے کہ جو کوئی شخص اس نیت سے کوئی فصل کرے کہ وہ اس کے ذریعے سے کسی شخص کو ضرر پہنچائے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اس فعل سے وہ کسی شخص کو ضرر

---

482 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Section 334.

483 Ibid, Section 335.

484 Ibid, Section 336.

485 Ibid, Section 337.

پہنچائے گا۔ اول) کسی شخص کو شجہ خفیفہ پہنچائے تو وہ ضمان کا مستوجب ہو گا اور اسے بطور تعبیر کسی ایک قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے۔ دوم) کسی شخص کو شجہ موضحہ پہنچائے تو اسے مجاز میڈیکل افسر کے مشورے سے قصاص کی سزا دی جائے گی اور اگر احکام اسلامی کے مطابق مساوات کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قصاص قابل نفاذ نہ ہو تو مجرم ارش کا مستوجب ہو گا جو دیت کی پانچ فیصد ہو گی اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو پانچ سال تک ہو سکتی ہے۔

سوم) کسی شخص کو شجہ ہاشمہ پہنچائے وہ ارش کا مستوجب ہو گا جو دیت کی دس فیصد ہو گی اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جس کی میعاد سات سال تک ہو سکتی ہے۔

چہارم) کسی شخص کو شجہ منقلہ پہنچائے وہ ارش کا مستوجب ہو گا جو دیت کی پندرہ فیصد ہو گی اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے تعزیر بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جو دس سال ہو سکتی ہے۔ پنجم) کسی شخص کو شجہ عامہ پہنچائے وہ ارش کا مستوجب ہو گا جو دیت کی ایک تہائی ہو گی اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جس کی میعاد دس سال تک ہو سکتی ہے۔ ششم) کسی شخص کو شجہ دامغہ پہنچائے وہ ارش کا مستوجب ہو گا جو دیت کا نصف ہو گی اور اسے بطور تعزیر کسی بھی قسم کی سزائے قید بھی اتنی مدت کے لئے دی جاسکے گی جس کی میعاد چودہ سال تک ہو سکتی ہے۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، ماسوائے شجہ خفیفہ، وارنٹ نا قابل ضمانت سوائے شجہ خفیفہ، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن یا مجسٹریٹ با اختیارات دفعہ 30 ضابطہ فوجداری ہو گی۔[486]

دفعہ 337-B جو کوئی کسی شخص کے جسم کے کسی حصہ پر ماسوائے سر یا چہرہ کے کوئی ایسا زخم لگائے جو عارضی یا مستقل طور پر اپنا نشان چھوڑ جائے تو کہا جائے گا کہ وہ جرح کا باعث ہوا ہے۔[487] جرح کی دو قسمیں ہیں :الف) جائفہ اور ب) غیر جائفہ۔ جو کوئی ایسے جرح کا باعث ہو جس میں رقم جسم کے دھڑ کے جوف تک پہنچ جائے تو کہا جائے گا کہ وہ جائفہ کا باعث ہوا ہے اور جو کوئی ایسے جرح کا باعث ہو جو

486 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Sec. 337-A.

487 Ibid, Section 337-B.

جائفہ نہ ہو تو کہا جائے گا کہ وہ غیر جائفہ کا باعث ہوا ہے۔[488] دفعہ Q-337 جو عضو انسانی جسم میں ایک ہوتا ہے اسے تلف کرنے کا ارش دیت کی مالیت کے مساوی ہو گا۔[489]
دفعہ R-337 جو اعضاء انسانی جسم میں دو دو پائے جاتے ہیں ان کا ارش دیت کی مالیت کے برابر ہو گا اور اگر ویسے اعضاء میں سے ایک عضو کو تلف کیا جائے تو ارش کی مقدار دیت کا نصف ہو گی، مگر شرط یہ ہے کہ اگر متضرر کا ایسا ایک ہی عضو ہو یا اس کا دوسرا عضو غائب ہو یا پہلے ہی ناکارہ ہو چکا ہو تو موجود یا کار آمد عضو کو تلف کرنے کا ارش دیت کی مالیت کے مساوی ہو گا۔[490]
دفعہ S-337 جو اعضاء انسانی جسم میں چار چار پائے جاتے ہیں۔ان کا اتلاف وقوع میں لانے کا ارش۔الف) دیت کی ایک چوتھائی کے برابر ہو گا اگر اتلاف ویسے اعضاء میں سے ایک کا ہو۔ب) دیت کے نصف کے مساوی ہو گا، اگر اتلاف ویسے اعضاء میں سے دو کا ہو۔ج) دیت کے تین چوتھائی کے برابر ہو گا اگر اتلاف ویسے اعضا میں سے تین کا ہو اور د) پوری دیت کے برابر ہو گا اگر اتلاف ان چاروں اعضاء کا ہو[491] اور دفعہ T-337 میں بیان ہوا ہے کہ ہاتھ یا پاؤں کی کسی انگلی کا اتلاف وقوع میں لانے کا ارش دیت کا دسواں حصہ ہو گا۔ کسی کی انگلی کے جوڑ کو اتلاف پہنچانے کا ارش دیت کا تیسواں حصہ ہو گا، مگر شرط یہ ہے کہ اگر اتلاف کسی انگوٹھے کے جوڑ کا ہو تو ارش دیت کا بیسواں حصہ ہو گا۔[492]
دفعہ X-337. میں بیان ہوا ہے کہ ارش کی ادائیگی کو یک مشت یا ایسی اقساط میں واجب الادا قرار دیا جا سکے گا جو قطعی فیصلے کی تاریخ سے تین سال کی مدت پر پھیلی ہوئی ہو۔ جبکہ کوئی سزایاب مجرم تحتی دفعہ (1) میں مصرحہ مدت کے اندر ارش یا اس کا کوئی حصہ ادا کرنے میں ناکام رہے تو سزایاب مجرم کو جیل میں رکھا جائے گا اور اس سے اس طرح سلوک کیا جائے گا گویا اسے قید محض کی سزا دی گئی ہو تاوقتیکہ ارش پورا ادا نہ ہو جائے یا اسے ضمانت پر رہا کیا جا سکے گا اگر وہ ارش کی ادائیگی کے لئے عدالت کے اطمینان کی حد

---

488 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Sec,337-E.

489 Ibid, Sec. 337-Q.

490 Ibid, Section 337-R.

491 Ibid, Section 337-S.

492 Ibid, Section 337-T.

تک ارش کی مالیت کے مساوی ضمانت مہیا کر دے۔ جبکہ کوئی سزا یاب مجرم ارش یا اس کے کسی حصہ کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ اس کی جائیداد سے وصول کیا جائے گا۔[493]

دفعہ 338 کے مطابق جو کوئی شخص کسی ایسے بچے کی حاملہ عورت کا اسقاط حمل وقوع میں لائے جس کے اعضا ابھی تشکیل نہ پائے ہوں تو اگر اسقاط حمل عورت کی جان بچانے یا اسے ضروری علاج مہیا کرنے کی غرض سے نیک نیتی سے وقوع میں نہ لایا گیا تو کہا جائے گا کہ وہ اسقاط حمل وقوع میں لایا۔[494]

دفعہ A-338 میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی اسقاط حمل کا باعث ہو تو وہ بطور تعزیر حسب ذیل تعزیر کا مستوجب ہو گا: الف) کسی بھی قسم کی سزائے قید جو تین سال تک کی مدت کے لئے ہو سکتی ہے۔ اگر اسقاط حمل عورت کی رضامندی سے کیا گیا ہو یا ب) کسی بھی قسم کی سزائے قید جو دس سال تک کے لئے ہو سکتی ہے اگر اسقاط حمل عورت کی رضامندی کے خلاف کیا گیا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ اگر اسقاط حمل کے نتیجہ میں عورت کو کوئی ضرر پہنچے یا وہ مر جائے تو مجرم مذکورہ ضرر یا موت کے لئے جیسی بھی صورت ہو مقرر کردہ سزا کا مستوجب ہو گا۔ ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ نا قابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن یا مجسٹریٹ با اختیارات دفعہ 30 ضابطہ فوجداری ہو گی۔[495]

دفعہ B-338 جو کوئی کسی حاملہ عورت کے ایسے جنین کے اسقاط کا باعث بنے جس کے کچھ جوڑ یا اعضاء بن چکے ہوں تو اگر مذکورہ اسقاط عورت کی جان بچانے کی خاطر نیک نیتی سے نہ کیا گیا ہو تو کہا جائے گا کہ اس نے اسقاط جنین کیا۔[496] دفعہ C-338 کے مطابق جو کوئی شخص اسقاط جنین کا باعث بنے وہ۔ الف) دیت کے بیسویں حصہ کا مستوجب ہو گا اگر بچہ مردہ پیدا ہو۔ ب) پوری دیت کا مستوجب ہو گا اگر بچہ زندہ پیدا ہو لیکن مجرم کے کسی فعل کے نتیجہ میں ہلاک ہو جائے یا ج) بطور تعزیر کسی ایک قسم کی سزا کا مستوجب ہو گا جس کی سزا سات سال تک ہو سکتی ہے اگر بچہ زندہ پیدا ہو لیکن مجرم کے کسی فعل کی بجائے کسی اور وجہ سے ہلاک ہو جائے، مگر شرط یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے رحم میں ایک سے زائد بچے ہوں تو مجرم

---

493 The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Sec. 337-X.

494 Ibid, Section 338.

495 Ibid, Section 338-A.

496 Ibid, Section 338-B.

ویسے ہر بچے کے لئے الگ الگ دیت یا جیسی کہ صورت ہو تعزیر کا مستوجب ہو گا۔ مزید شرط یہ ہے کہ اگر اسقاط جنین کے نتیجے میں عورت کو کوئی ضرر پہنچے یا وہ ہلاک ہو جائے تو مجرم اس سزا کا بھی مستوجب ہو گا جو ویسی ضرر یا جیسی کہ صورت ہو مدت کے لئے مقرر ہے۔۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مقدمہ قابل دست اندازی پولیس، وارنٹ نا قابل ضمانت، قابل راضی نامہ اور عدالت سیشن یا مجسٹریٹ با اختیارات دفعہ 30 ضابطہ فوجداری ہو گی[497] دفعہ D-338 کے مطابق قصاص یا تعزیر کے طور پر دی گئی سزائے موت یا ضرر کا باعث ہونے کے لئے دی گئی قصاص کی سزا کی تعمیل نہیں کی جائے گی تاوقتیکہ عدالت عالیہ اس کی توثیق نہ کر دے۔[498]

قوانین حدود و قصاص میں ہونے والی ترامیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عوام الناس کا رجحان زیادہ تر مذہب کی طرف ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس مملکت خداداد میں اسلامی قوانین کا نفاذ اور عمل درآمد ہو لیکن اندرونی و بیرونی مداخلت کی بنا پر حدود و قصاص آرڈیننس میں مندرجہ ذیل ترامیم کی گئی ہیں:

قصاص و دیت ایکٹ میں ہونے والی ترامیم

قصاص اور دیت ایکٹ سے قبل صدر پاکستان اپنے اختیار کے ذریعے سے کسی بھی مجرم کی قصاص و دیت کے تحت سزا میں کمی یا تخفیف یا ختم کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ اس قانون کے ذریعے قصاص و دیت سے متعلق جرائم کی سزا میں کسی بھی قسم کی تخفیف کے صدارتی اختیار کو مقتول کے ورثاء کی مرضی سے مشروط کر دیا گیا ہے جس کے پیش نظر قصاص و دیت ایکٹ 1997 کے تحت دفعات 53 تا 55 تعزیرات پاکستان میں ترامیم کی گئیں، جو کہ اوپر تفصیلی طور پر The Criminal Law (Amendment) Act 1997 دفعات 2 سے 6 میں بیان ہو چکے ہیں۔

حدود آرڈیننس میں کی جانے والی ترامیم

حدود آرڈیننس میں بھی وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں،۔ یہ تبدیلیاں زیادہ تر زنا کے حوالے سے ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلیاں مندرجہ ذیل ہیں:

---

[497] The Criminal Law (Amendment) Act 1997, Act No. II Of 1997, Sec. 338-C.

[498] Ibid, Section 338-D.

تحفظ نسواں بل 2006ء

1979ء سے حدود قوانین نافذ العمل رہے۔ بعد ازاں یہ محسوس کیا گیا کہ زنا قابل نفاذ حدود کے قانون میں مختلف دفعات وہ بھی شامل کر دی گئیں جو ملک کے قانونی فقہاء کے نزدیک وہ اس قانون میں ڈالی جانے والی اضافی اور موضوع سے ہٹ کر دفعات تھیں، جس میں مرکزی حیثیت زنا کی تعریف کو حاصل تھی جس میں قبل ازیں متذکرہ دفعہ میں شادی / نکاح کا کسی بھی اشتباہ والتباس سے مبرا ہونا بھی لازمی امر تھا اور تحفظ نسواں آرڈیننس 2006 کے تحت valid Marriage سے لفظ Valildly کو حذف کر دیا گیا [499]۔ قانون زیر بحث میں جرم زنا قابل نفاذ حد باقی ہے، جب کہ اس میں شامل الفاظ "بالجبر یا زنا بالجبر" و دیگر دفعات، جو زنا کی غرض سے خریدنے، بیچنے سے متعلق تھیں کو بھی حذف کر دیا گیا[500]، کیونکہ قانونی فقہا کے نزدیک اکثر خواتین غلط تعبیر و تشریح کے باعث ناجائز طور پر اس قانون کا شکار ہو رہی تھیں۔ یہ جو ترامیم ہوئی ہیں، یہ Substantive Law میں ہوئی ہیں یعنی قانون کے متن میں کی گئی تبدیلیاں ہیں۔

اس کے علاوہ بیان کردہ یہ ترامیم حد زنا کے حوالے سے Procedural Law میں کی گئی ہیں۔ حدود آرڈیننس میں مجوزہ ترامیم سے حدود قوانین غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ حدود کے مقدمہ کے اخراج پر بلا ٹرائیل قذف کی سزا غیر قانونی ہے۔ اس ترمیم سے سچا مقدمہ درج کروانے والے مدعی کے دل میں بھی خوف وہراس پیدا ہو گا جس سے مقدمہ درج کروانے کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ زنا بالرضا کے جرم کو نا قابل دست اندازی پولیس قرار دینے سے قانون غیر مؤثر ہو جائیگا اور معاشرے میں قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا غیر قانونی رجحان پیدا ہو گا، جس سے غیرت کی بناء پر لڑائی جھگڑوں میں اضافہ ہو گا۔ زنا بالرضا کے جرم کو نا قابل دست اندازی پولیس قرار دینے کی بجائے پولیس کے تفتیشی نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ زنا بالجبر کی دفعات کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں شامل کرنے کی مجوزہ ترامیم غیر ضروری ہیں کیونکہ حدود آرڈیننس میں تعزیری سزائیں بھی شامل ہیں۔ اگر نفاذ حد کے معیار کی مکمل شہادت میسر نہ آئے مگر کسی بھی درجہ کی شہادت میسر آ جائے تو ملزم کو تعزیر کی دفعات کے تحت سزا ہو جاتی ہے۔

---

499 The Protection of Women (Criminal Laws Amendment) Act, 2006, Sec. 12.

500 Ibid, Section 14.

متذکرہ بالا اعتراضات کا جائزہ نظر عمیق سے لیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ اس قانون میں کی گئی ترامیم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حد زنا کے قانون میں دی گئی سکیم کے مطابق ڈھالا گیا ہے، تاکہ کوئی بھی یہ جرات نہ کرے کہ کسی شریف شہری پر زنا کا بہتان باندھے اور ناقابل دست اندازی پولیس ٹھہرا کر لوگوں کی خانگی زندگی سے کھیلنے سے مانع قرار دیا گیا ہے۔

فصل دوم: حدود قوانین کے عدم نفاذ کی وجوہات

پاکستان میں اسلامی قوانین کی عملی تنفیذ کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس حوالے سے سب سے زیادہ کوششیں محمد ضیاء الحق کے دور میں ہوئی ہیں۔ اس گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلامی قانون سازی کے لیے کئی اقدامات کیے گئے۔ ضیاء الحق کا سیاسی کردار اور قانون سازی کے سلسلے میں کیے گئے اقدامات کے اسباب و محرکات اپنی جگہ، لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ انہوں نے فی الواقع اسلامی قوانین کے لیے جو اقدامات کیے ان کے مثبت نتائج بر آمد ہوئے ہیں، تاہم اس حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اگر غیر جانبداری اور معروضیت سے جائزہ لیا جائے تو قانون سازی کے سلسلے میں ان کے قابل قدر اقدامات کے باوجود معاشرے پر نمایاں اثرات نظر نہیں آئے۔ اس کی مندرجہ ذیل چند وجوہات ہو سکتی ہیں:

الف) ضیاء الحق قوانین کو اسلامیانے کے پروگرام کے حق میں عوام کو فعال طریقے سے متحرک نہ کر سکے۔ اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں، جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق فوج سے تھا اور وہ عوامی مینڈیٹ لے کر نہیں آئے تھے، نہ انہوں نے سیاسی جماعت بنانے یا کسی سیاسی جماعت کو اپنانے یا عوام سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ ایک ریفرنڈم انہوں نے اس مقصد کے لیے ضرور کرایا لیکن وہ اتنا مصنوعی تھا کہ وہ اپنا وزن منوا نہ سکا۔

ب) انہیں فعال اور مؤثر دینی عناصر کی حمایت بھی حاصل نہ تھی۔ اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس ملک میں دینی حوالے سے کوئی کام اس وقت تک نہ معتبر ہو سکتا ہے اور نہ مؤثر ہو سکتا ہے جب تک اس کو تمام مسالک و دینی عناصر کی حمایت حاصل نہ ہو۔

ج) ہماری بیوروکریسی "خواہ سول ہو یا فوجی، حاضر سروس ہو یا ریٹائرڈ" کا مزاج اور اس کی تربیت بنیادی طور پر سیکولر ہے۔ اس کے فعال تعاون کے بغیر ملک میں کوئی بھی دینی پروگرام نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

د) محمد ضیاء الحق مرحومؒ نے قوانین کو اسلامیانے کے حوالے سے جو ادارے قائم کیے وہ فعال طریقے سے اپنا کام نہ کر سکے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا کردار مشاورتی ہے۔ اس کونسل کو اپنی رپورٹیں شائع کرنے تک کا اختیار نہ تھا، اس کی فائلیں مختلف وزارتوں کی درازوں میں پڑی رہتیں۔ وفاقی شرعی عدالت بنائی گئی لیکن اس کا دائرہ کار محدود رکھا گیا اور مارشل لاء ریگولیشن، مالی معاملات، پروسیجرل لاء اور شخصی قوانین کو

ان کی حد سے باہر رکھا گیا۔ انٹر نیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد بنائی گئی لیکن اس کے فارغ التحصیل نوجوانوں کی کھپت کے لیے کوئی راستہ نہ نکالا گیا، تاکہ وہ معمار ملت بن کر مثالی معاشرہ قائم کر سکیں۔ لاء کمیشن بنایا گیا لیکن اس کے فعال اسلامی کردار کے انتظامات نہ کیے گئے، زکوٰۃ و عشر اور نظام صلوٰۃ جاری کیا گیا، لیکن ایسی فعال، قابل اعتماد اور متحرک انتظامیہ وضع نہ کی جا سکی جو مؤثر طریقے سے انہیں نافذ کرتی۔

ہ) قانون سازی کا عمل سست روی کا شکار رہا، اس کے لئے بروقت قانون سازی اور آئینی ترامیم نہ ہو سکیں۔ حق شفع، قصاص و دیت اور قانون شہادت وغیرہ کے مسودہ جات اسلامی نظریاتی کونسل، وزارت مذہبی امور، وزارت قانون، مجلس شوریٰ اور اس کی کمیٹیوں، اور لاء کمیشن وغیرہ کے درمیان برسوں سفر کرتے رہے اور جب پاس ہوئے تو بھی قصر صدارت میں جاکر پھنس گئے۔ صدر مرحوم کی ایک مجبوری یہ تھی کہ نہ وہ خود عالم دین تھے اور نہ ہی ملک میں کوئی ایسا ادارہ موجود تھا جو اس حوالے سے فیصلہ کرتا کہ مسئلہ اسلامی ہے یا نہیں، تو وہ فیصلہ نہ کر پاتے کہ کیا کریں اور نہ انہوں نے کوئی ایسا ادارہ بنانے کی کوشش کی، نتیجتاً تاخیر ہو جاتی۔

ز) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ضیاء الحق کی اس ضمن میں ترجیحات مناسب نہ تھیں۔ انہوں نے شریعت کی عملی تنفیذ کا آغاز حدود کے نفاذ سے کیا اور لوگوں کو بجا طور پر یہ کہنے کا موقع ملا کہ یہ سیاسی مخالفین کو کوڑے مارنے کا ایک بہانہ ہے۔ قانون سازی کے عمل کی ترجیحات اس طرح طے ہوں کہ لوگوں کو عملی طور پر مشکلات کم ہوں۔ ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے نتیجے میں معاشی خوشحالی، معاشرتی امن ہو اور لوگ اس کے خوشگوار اثرات کو واضح طور پر محسوس کریں۔ اس مقصد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی دینی اور فکری تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے تاکہ عملی زندگی میں وہ اس کی اہمیت و ضرورت کو سمجھ سکیں۔ سب کچھ کیے بغیر اور ضروری تعلیم و تربیت کا اہتمام کے بغیر اگر اسلامائیزیشن کا آغاز کوڑے مارنے اور ہاتھ کاٹنے سے کیا جائے گا تو ظاہر ہے اسے درست حکمت عملی نہیں کہا جا سکتا۔

ح) قوانین کو اسلامیانے میں سب سے بڑی رکاوٹ ضیاء الحق کی اپنی ذات تھی، اس لئے کہ ان کی سیاسی اور انتظامی طاقت کا منبع فوج تھی۔ مارشل لاء کو جاری رکھنا ان کی مجبوری تھی ورنہ وہ جس وقت بھی شریعت کو بالادست کرتے ان کی حیثیت کو عدالت میں چیلنج کر دیا جاتا اور ان کا مستقبل مخدوش ہو جاتا۔ چنانچہ وہ مجبور تھے کہ جب تک وہ برسر اقتدار رہنا چاہتے تو مارشل لاء کو جاری رکھتے۔

ط) ایک جہت سے دیکھا جائے تو ملک میں سیاسی عدم استحکام کو بھی اس صورتحال کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ ضیاء دور میں ان کی ذات میں ارتکاز اختیارات کے باوجود ملک سیاسی اور انتظامی طور پر عدم استحکام کا شکار رہا۔ امن و امان کی حالت بہتر نہ تھی، سرحدیں بھی غیر محفوظ تھیں۔ پاکستان افغانستان میں ملوث ہونے کی وجہ سے ایک سپر پاور کے زیر عتاب تھا۔ عوام الناس تو ان کے ساتھ تھی، لیکن سیکولر، جرائم پیشہ افراد اور ان کے سرپرست ان کے ساتھ نہ تھے۔ ان حالات کے باوجود انہوں نے قانون سازی اور اس کی تنفیذ کے لیے جو اقدامات کیے، وہ قابل ستائش ہیں۔

مذکورہ بالا وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے محمد ضیاء الحق کا قوانین کو اسلامیانے کا عمل بہت مؤثر ثابت ہوا۔ لیکن دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو کچھ ضیاء الحق نے کیا، نہ ان کے پیشرو اتنا کر سکے، نہ ہی آج تک بعد میں آنے والے کر سکے ہیں اور نہ مستقبل قریب میں اس کا امکان نظر آتا ہے۔ مسلم لیگ کی حکومت بنی لیکن قوانین کو اسلامیانے کے حوالے سے ان کا رویہ بھی غیر سنجیدہ رہا ہے۔ اس کے بعد متعدد انتخابات ہوئے اور ان کے نتیجے میں متعدد حکومتیں وجود میں آئیں، لیکن اسلامی قوانین کے حوالے سے مجموعی طور پر اکثریت کا رویہ منفی رہا ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل عوامل اسلامی قوانین کی عموماً اور خاص طور پر قوانین حدود و قصاص کے نفاذ میں رکاوٹ سمجھے جاتے ہیں:

1۔ عوام میں مذہبی جوش و جذبہ کی قلت

پاکستان میں ابھی ایسا ماحول نظر نہیں آ رہا جو دینی احکام پر عمل درآمد کے لیے سازگار ہو۔ دینی احکام و اسلامی قوانین کا نفاذ اور ان پر عملدرآمد ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے ہمت اور جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ عوام میں وہ جذبہ اور حوصلہ ابھی ناپید ہے۔ یہ جذبہ اور حوصلہ پیدا کرنا صرف مذہبی و اخلاقی اداروں کا کام نہیں اور نہ صرف حکومتوں کا کام ہے، بلکہ یہ ہم سب کا ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے شریعت سے پہلو تہی کرنا شروع کر دیتے ہیں؟ ایسے لوگ کتنے ہیں جو سال ختم ہونے پر رمضان شریف کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے بینکوں سے رقم اس لیے نکلوا لیتے ہیں، تاکہ ان کا مال زکوۃ کی ادائیگی کے نتیجے میں کم نہ ہو جائے؟۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں اگر کہا جائے کہ اس دوائی میں آپ کی بیماری کا علاج موجود ہے، لیکن اس میں شراب یا کوئی اور

حرام مواد پایا جاتا ہے، تو وہ اس سے رک جائیں؟۔ کسی بھی فلاحی اور جمہوری معاشرے میں اسلام کے عملی نفاذ کی اصل طلب اور جوش وجذبہ عوام کی طرف سے ہونا چاہیے۔ جب تک وہ اس بارے میں گرم جوشی اور طلب کا مظاہرہ نہیں کریں گے، اس وقت تک حدود و قصاص قوانین کے نفاذ میں صحیح پیش رفت نہیں ہو سکتی۔

2۔ فقہ اسلامی سے ناواقفیت

ہر علم اور ہر قانون کی طرح اسلامی شریعت کے تفصیلی احکام اخذ کرنے اور مختلف نو پیش آمدہ معاملات میں اجتہاد کرنے کے لیے بعض خاص صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ناسخ منسوخ کا علم، خاص کو عام کرنے اور اور عام کو خاص کرنے والی آیات کا علم، شان نزول اگر واضح ہو تو اس کے ذریعے معانی کے تعین کی روشن صورتوں کا علم، عبارۃ النص سے کچھ احکام نکلتے ہیں، کچھ دلالۃ النص سے اور کچھ اشارۃ النص سے نکلتے ہیں۔ لغت اور صرف ونحو کا جاننا تاکہ االفاظ کے معانی کا تعین کیا جا سکے۔ ان اقسام احکام کا علم سورتوں اور آیات کے زمانہ نزول اور اس وقت کے تاریخی احوال کا علم، یہ سارا کچھ جاننے کے بعد حضرت علی، ابن مسعود اور معاذ بن جبل کے راستے پر چلنا ممکن ہے۔

اس کے علاوہ احادیث کا وہ علم بہ لحاظ سلسلہ روایت ودرایت، کمزور سلسلہ روایت پر گرفت کرنے کے لیے اسماء الرجال کا علم، احادیث میں ایک ہی امر کے لیے کئی طریقہ ہائے عمل کے جواز کا علم، روایات کے تعارض کو دور کرنے کی صلاحیت، ناسخ منسوخ کا علم، رواۃ کی عمر کا علم، ان کے عقل و حافظہ کا علم، اخبارِ آحاد کو وقیع بنانے والے دوسرے عوامل کا علم، یہ ساری چیزیں بڑی محنت طلب ہیں۔

نیز جن ائمہ فقہاء نے فقہ کی عمارت کھڑی کی، ان کے اختیار کردہ اجتہادی اصولوں کا تجزیہ، ان اصولوں کے انطباق کی مختلف مثالوں کا جائزہ۔ ان اصولوں سے پیدا ہونے والی مشکلات اور ان کا حل، پھر یہ جاننا کہ ان فقہاء کے متفق علیہ اور مختلف فیہ معاملات کیا ہیں۔ ائمہ فقہاء نے قرآن مجید کی ہر آیت کے ایک ایک لفظ کو جانچا ہے، محدثین کرام کے ساتھ انہوں نے بھی ہر روایت کو کسوٹیوں پر پرکھا ہے۔ ان کے انطباق کی جو مثالیں دور نبوت اور دورِ خلفائے راشدین میں پیش آئی ہیں، ان پر کاوش کی ہے اور پھر وقت کے حاکموں کی گرفت سے اپنے علم کو آزاد رکھنے کے لیے انہوں نے ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا۔ مزید اپنے اپنے ماحاصلِ علم واجتہاد کو علماء کی مجالس میں پیش کیا، تب جا کر ان کے کام کو وہ مقام ملا ہے جو

آج ہمارے سامنے ہے۔
اس طرح کی علمیت، محنت اور تقوٰی الاماشاء اللہ آج کے دور میں پاکستانی عدلیہ کے ججز میں نظر نہیں آتی۔ اسی وجہ سے قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ ممکن نظر نہیں آ رہی۔

3۔ اسلامی ماحول کی عدم فراہمی

ماحول یا تو انسان کو ضائع کر دیتا ہے یا پھر عروج تک پہنچنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو جو اسلامی ماحول فراہم کیا اور ان کی جو تربیت فرمائی یہ اسی کا ہی نتیجہ تھا کہ تھوڑے سے عرصے میں ریاست مدینہ نے پورے علاقے کا کنٹرول سنبھال لیا اور مثالی ریاست کہلائی۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ زور معاشرے کی اخلاقی اقدار کے تحفظ اور اس کی اصلاح پر لگایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کے رہزن محافظ بنے۔ مردوں نے تو دُور، عورتوں نے بھی، جیسا کہ غامدیہ کی ایک عورت نے اپنے آپ کو حد کے اجراء کے لیے رضاکارانہ طور پر پیش کیا، حالانکہ اس کے مقدمہ میں کوئی گواہ نہیں تھا۔ آج بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے اور ایسے ہی ماحول میں قوانین حدود قصاص کی تنفیذ ممکن ہے ورنہ تو ان قوانین کے غلط استعمال ہونے کے خدشات زیادہ ہیں۔

4۔ عوامی شعور کی کمی

پاکستانی معاشرے میں حدود و قصاص قوانین سے واقفیت اور ان پر عمل درآمد کے حوالے سے عوامی شعور کی کمی ہے، جس کی وجہ سے لوگ ان قوانین کے نفاذ کے لیے جدوجہد نہیں کرتے ہیں اور نہ گرم جوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں لوگ شریعت کی روح سے واقفیت رکھتے ہی نہیں۔ وہ اسلام کو صرف عبادات اور اخلاقیات کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اسلام تو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا مجموعہ ہے۔ عبادت سے تو صرف جنت ملتی ہے اور خدمت سے خدا ملتا ہے۔ اس فلسفہ سے آگاہی ہر شخص کو نہیں۔ لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ عوام الناس میں اسلامی معاشرے کی اخلاقی اقدار کے تحفظ، انسانیت کی خدمت کا جذبہ بیدار کیا جائے، تاکہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

5۔ شرعی و قانونی ماہرین کی قلت

حدود و قصاص قوانین کے لیے جس طرح کے ماہرین درکار ہیں، وہ بہت کم یاب بلکہ نایاب ہیں۔ نفاذ اسلام کے لیے مختلف شعبوں میں جس طرح کے ماہرین درکار ہیں، اس طرح کے ماہرین تیار کرنے کا

پاکستان میں کوئی جامع انتظام نہیں ہے۔ اگر آج ایسی حکومت بر سر اقتدار آجائے جو سو فیصد اسلام نافذ کرنا چاہے تو معاشرے میں بہت زیادہ دینی جذبہ رکھنے والے تو مل جائیں گے لیکن بینکاری کے حوالے سے بینکوں کے جدید نظام اور شریعت کے احکام میں ماہر افراد شاید انگلیوں پر بھی نہ گنے جاسکیں۔ ایسے کتنے وکلاء ہیں جو دنیا میں قانون سازی اور قانون دانی میں ماہر مانے جاتے ہوں اور شریعت میں ان کی مہارت بھی مسلّم ہو اور ان کی زندگی اسلامی تعلیمات سے عبارت بھی ہو۔ یہی حال ہمارے معاشرے میں دیگر شعبوں کا ہے

یہ ایک ایسا پہلو ہے جس پر جتنی جلد توجہ دی جائے اتنا ہی ضروری ہے۔ جب تک ایسی ٹیم تیار نہیں ہو گی اور مطلوبہ افراد میسر نہیں ہوں گے، یہ کام نہیں ہو سکتا۔ قانون سازی اور اسلامی عدالتوں کے قیام کے لیے جوں جوں کام شروع ہو، افراد بھی تیار ہوتے جائیں گے، ادارے بھی بنتے جائیں گے اور عملی طور پر کام بھی ہوتا چلا جائے گا۔

6۔سیاسی سطح پر قوت فیصلہ کی کمی اور عدم دلچسپی

حدود و قصاص قوانین کے نفاذ کے عمل میں ایک بڑی رکاوٹ حکومتی سطح پر قوت فیصلہ کی کمی اور عدم دلچسپی ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کا کام جب بھی کیا جائے گا تو اس سے بہت سے لوگوں کے مفادات پر زد پڑے گی۔ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سیکولر طبقات، سیاسی مفادات اور ملکی و غیر ملکی دباؤ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حکومت کو جرات مندانہ اقدام اٹھانا پڑیں گے۔ ضرورت پڑنے پر قوت اور طاقت کا استعمال بھی کرنا پڑے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکومت اور حاکم کے حوالے سے ارشاد فرمایا

"فَالْإِسْلَامُ أُسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَّمَا لَا أُسَّ لَهُ يهدِمٌ وَّمَا لَا حَارِسَ لَه ضَائِعٌ "[501]

"پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔"

لہذا اسلام کی عمارت قائم رکھنے کے لیے ایک مضبوط بنیاد اور طاقت ور دیانتدار چوکیدار کی ضرورت ہے۔ اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ ایک طبقے نے دباؤ ڈالا تو حکومت نے کوئی چھوٹا سا اسلامی قانون نافذ کر دیا۔ لیکن

---

[501] علي بن حسام الدين، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال،كتاب الإمارة ،الفصل الأول في الترغيب فيها، رقم الحديث:14613

جو کچھ ایک ہاتھ سے دیا، وہ دوسرے ہاتھ سے واپس بھی لے لیا۔ اسلامی قوانین کے نفاذ اور عمل درآمد کے حوالے سے حکومتی لوگوں کے سیریس نہ ہونے کے حوالے سے مولانازاہد الراشدی رقم طراز ہیں

"کہ بحیثیت قوم ہمارے قومی ادارے اور کسی استثنا کے بغیر ہمارے تمام ریاستی ادارے نہ اسلام کے نظام میں سنجیدہ ہیں، نہ سودی نظام کے خاتمے میں، اور نہ ہی قومی خود مختاری کے حصول میں۔ انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سب ایڈہاک ازم اور ڈنگ ٹپاؤ کی پالیسی پر چل رہے ہیں کہ کسی طرح وقت گزارو۔ ان تمام مسائل کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ریاستی ادارے ان معاملات میں سیریس نہیں ہیں، ہماری سنجیدگی کا حال یہ ہے کہ ہم ٹاسک فورس میں بھی بیٹھے ہیں اور سٹے آرڈر کی اپیل میں بھی کھڑے ہیں۔"[502]

7۔ بااثر طبقات کا اسلامی قوانین کی تنفیذ میں رکاوٹ بننا

حدود و قصاص قوانین کے نفاذ کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہمارے ملک کے بااثر طبقات ہیں جو اپنے طبقاتی مفادات کا ہر صورت میں تحفظ چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ایک سابق وزیر خزانہ نے (1985ء کے لگ بھگ) کہا تھا کہ پاکستان میں اسی ارب روپے کا ٹیکس حاصل ہونا چاہیے لیکن صرف بیس ارب روپے سرکاری خزانے میں جاتے ہیں۔ چالیس ارب روپے افسران کی جیب میں چلے جاتے ہیں اور بیس ارب روپے کا ٹیکس چوری ہوتا ہے۔ اگر چالیس ارب روپے افسران کی جیب میں جانے کا اندازہ صحیح ہے، تو جہاں پچاس فیصد سے زیادہ ٹیکس کی رقم ٹیکس جمع کرنے والوں کی جیب میں جاتی ہو، تو کیا وہ لوگ ٹیکس کا نیا نظام آنے دیں گے؟ ہر گز نہیں۔ وہ اس میں رکاوٹ پیدا کریں گے۔ جب زکوۃ کا نظام لایا گیا تو اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ کہا تھا کہ زکوۃ کے نظام کو کامیاب بنانے کے لیے ٹیکسوں کے نظام میں بڑی اور انقلابی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے، ورنہ زکوۃ کا نظام کامیاب نہیں ہوگا۔ اس وقت حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ جلد ہی ٹیکسوں کے پورے نظام پر نظر ثانی کی جائے گی۔ لیکن وہ تبدیلیاں نہیں ہوئیں اور ٹیکسوں کا نظام اسی طرح رائج ہے[503]۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑے طبقے کا مفاد اس نظام سے وابستہ ہے۔ وہ طبقہ اس میں کوئی تبدیلی اور اصلاح نہیں ہونے دے گا۔ بینکنگ اور ٹیکسوں کے نظام

---

502 زاہد الراشدی، مولانا، دینی و قومی جدوجہد: چند اہم مسائل، چناب نگر چنیوٹ میں مجلس احرار کی سالانہ کانفرنس سے خطاب، 8 اکتوبر، 2022ء

503 ڈھلوں، عرفان خالد، ڈاکٹر، علم اصول فقہ ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2012ء، طبع دوم، جلد 3، ص: 238

میں درجنوں بار اصلاحات تجویز ہوئیں لیکن وہ نافذ نہیں ہو سکیں، کیونکہ اس سے کئی بااثر طبقات کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔

8۔عدالتی فیصلوں میں تاخیر

پاکستان جیسے ملک میں پولیس کی سستی اور عدم تعاون کا مرکز عمومی طور پر حدود مقدمات ہوتے ہیں۔ پھر ان مقدمات کا دعویٰ بہت تاخیر سے دائر ہوتا ہے۔ پھر بہت زیادہ تاخیر سے ان مقدمات کے کیس عدالتوں میں لگتے ہیں اور باآلاخر ان مقدمات کے فیصلے بھی بہت سالوں بعد ہوتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ پولیس کی سستی، رشوت کی عادات، وکلاء کا عدم تعاون اور ججز کی تعداد کا کم ہونا ہے۔ پاکستانی معاشرہ اس وقت جرائم کا گڑھ بن چکا ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر کافی زیادہ جرائم رپورٹ بھی ہوتے ہیں اور ان کی FIR بھی درج ہوتی ہیں۔ پھر یہ مقدمات عدلیہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اس طرح حدود وقصاص کے مقدمات سالوں تک چلتے ہیں۔ اس کے علاوہ اداروں کے آپس میں مربوط نہ ہونے کی وجہ سے حدود وقصاص کے مقدمات کو غلط طریقے سے نمٹایا جاتا ہے۔ وقت پر انصاف نہ ملنے کی وجہ سے مظلوم اور متضرر اپنے عدالتی نظام سے اور انصاف نہ ملنے پر ریاست سے بھی بد ظن ہو جاتے ہیں۔

9۔انسانی حقوق کی تنظیموں کی بے جامداخلت

انسانی حقوق کی تنظیمیں اور این جی اوز حدود وقصاص قوانین کی تنفیذ میں رکاوٹ ہیں۔ ان تنظیموں کے نزدیک یہ قوانین انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہیں۔ چوری اور حرابہ کے مقدمات کے فیصلوں کے نتیجے میں ہاتھ پاؤں کاٹنا اور کسی انسانی جان کو قصاصاً ختم کرنا انسانی حقوق کے خلاف تصور ہونے لگا ہے۔ لہذا اس طرح کے حالات کے تناظر میں قوانین حدود وقصاص پر عمل درآمد مشکل ہو گیا ہے۔

10۔عالمی میڈیا کی مداخلت

آج کی جدید دنیا میں ریاست کا چوتھا ستون میڈیا کو سمجھا جاتا ہے۔ میڈیا جہاں بہت سے مقامی مسائل کے حل میں عوام الناس کو فائدہ پہنچا رہا ہے، وہاں مغربی طاقتوں کی پالیسیوں اور ورلڈ آرڈر کی پشت پناہی بھی کر رہا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عراق اور افغان جنگ کے معاملے کا کردار سب سے زیادہ میڈیا نے ادا کیا۔ اسی طرح اسلامی ممالک سے ان کی تہذیب وثقافت، پردہ وحیا کے خاتمے میں بھی عالمی میڈیا کردار ادا کر رہا ہے۔ عالمی میڈیا نے قوانین حدود وقصاص کو ظالمانہ اور غیر انسانی قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ ان

قوانین کی تنفیذ کیونکر ہونے دے گا۔

11۔پولیس کا عدم تعاون اور کارکردگی میں سستی کا مظاہرہ

پولیس حدود و قصاص کے مقدمات رپورٹ کرتی ہے، پھر اس کو عدلیہ کے سامنے لاتی ہے۔ حدود و قصاص کے معاملات میں گواہوں کا نہ ملنا، موقع سے ثبوت کا مٹ جانا، تفتیشی آفیسرز کا مجرموں کے ساتھ ساز باز کر کے مقدمے کو بگاڑنا یہ سب شعوری طور پر بھی ہوتا ہے اور کبھی لاشعوری طور پر بھی۔ پولیس کا متضرر کے ساتھ عدم تعاون اور کارکردگی میں سستی قوانین حدود و قصاص میں رکاوٹ کا باعث ہے، جس کی وجہ سے مجرموں کو سزا ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔

12۔بین الاقوامی دباؤ

قوانین حدود و قصاص قوانین کی تنفیذ نفاذ کی جب بھی کوئی بات ہوتی ہے تو پاکستان پر بین الاقوامی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اکثر اوقات ان کا دباؤ اتنا شدید ہوتا ہے کہ ہماری طاقتور حکومتیں اور معزز اشرافیہ اس دباؤ کے تحت اسلامیانے کے عمل سے پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔ حکومت پاکستان پر بین الاقوامی دباؤ اور اثرات کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں، جیسا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے عہد حکومت میں جب ہماری پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ اس وقت اسمبلی میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ شناختی کارڈ میں یہ لکھا جائے گا کہ شناختی کارڈ ہولڈر مسلمان ہے یا غیر مسلم اور اگر غیر مسلم ہے تو عیسائی ہے، ہندو ہے یا قادیانی ۔اسمبلی کے اس فیصلے پر 1992ء تک عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ جب 1992ء میں نئے شناختی کارڈ بننے لگے اور پرانے کارڈ منسوخ کیے جانے لگے تو حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اسمبلی کے اس فیصلے پر عملدرآمد کیا جائے اور شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ رکھا جائے۔ لیکن بہت سی غیر ملکی طاقتوں اور تنظیموں نے اس کی مخالفت کی اور ان کی طرف سے دباؤ ڈالا گیا کہ شناختی کارڈوں میں مذہب کا خانہ نہ رکھا جائے۔ حکومت نے اس غیر ملکی دباؤ پر اس فیصلہ کو واپس لے لیا۔

پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں غیر ملکی دباؤ کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جس کا پس منظر یہ ہے کہ پاکستان میں توہین رسالت کا قانون (Blasphemy Law) قیام پاکستان کے بعد کا نیا قانون نہیں ہے۔ یہ قانون آج سے بہت پہلے کا بنایا ہوا ہے۔ انگریزوں کے دور میں 1927ء میں The Criminal Law Amendment Act XX کے تحت انڈین پینل کوڈ 1860ء میں ایک نئی دفعہ

295.A کا اضافہ کیا گیا تھا جس میں مذہبی عقائد کی توہین قابل تعزیر جرم قرار دی گئی تھی۔ بعد میں اس طرح کی دفعات کا اضافہ کیا جاتا رہا۔ 1980ء کے عشرہ میں چند اور ترامیم کی گئیں جن کی رو سے امہات المومنین، اہل بیت، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی بے حرمتی کو فوجداری جرم بنا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک نئی دفعہ 295.A ہی کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ کی توہین کے مجرم کے لیے موت یا عمر قید کی سزا مقرر کی گئی۔ اکتوبر 1990ء میں وفاقی شرعی عدالت کے ایک حکم اور سینٹ کی ایک متفقہ قرارداد کی رو سے 30 اپریل 1991ء سے توہین رسالت کے مرتکب کی سزا، سزائے موت مقرر ہو گئی۔

اس قانون پر دباؤ کتنا ہے؟ اس کا اندازہ ہر اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والوں کو مغربی سفارت خانوں سے مفت ویزے ملتے ہیں اور وہ جیل سے براہ راست ائیر پورٹ اور وہاں سے مختلف مغربی ممالک پہنچا دیئے جاتے ہیں اور ان کے خلاف مقدمہ درج کرنے والے مدعی کے پیچھے بین الاقوامی ادارے اس طرح ہاتھ دھو کر لگ جاتے ہیں، جیسے اس شخص سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہو۔ اسی طرح 7 اگست 2023ء کو امہات المومنین، اہل بیت، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی بے حرمتی پر تین سال قید کی سزا کو جب بڑھا کر دس سال یا عمر قید کی سزا پر جو واویلا سامنے آیا، وہ اپنی مثال آپ ہے، حالانکہ یہ قانون تین سالہ سزا کے ساتھ پہلے سے باقاعدہ موجود تھا۔

13۔ مذہبی سیاست

پاکستان میں مذہبی سیاست کا موجودہ انداز بھی حدود و قصاص قوانین نفاذ کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ہمارے ملک میں لوگوں نے جب سے مذہب کو سیاست کی بنیاد بنایا ہے۔ اس وقت سے یہاں مذہبی فرقوں کی بنیاد پر سیاسی پارٹیاں وجود میں آگئی ہیں۔ جوں جوں یہ سیاسی پارٹیاں انتخابی میدان میں سرگرم ہوتی جاتی ہیں، ملک میں فرقہ وارانہ تنازعات کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ فرقہ وارانہ تنازعات کی شدت میں اسلام کے عمومی مقاصد پس پشت چلے جاتے ہیں اور جزوی اور فروعی اختلافات اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مزید برآں جب مذہب کی بنیاد پر لوگ انتخابی میدان میں آتے ہیں تو اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام ایک اختلافی مسئلہ بن جاتا ہے۔

ممکن ہے بعض اہل علم اس رائے سے اختلاف کریں، لیکن گذشتہ پچھتر سال کا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ جب

تک پاکستان میں مذہبی اور فرقہ وارانہ اپیل کی بنیاد پر ووٹ لینے والی سیاسی پارٹیاں موجود ہیں اور مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ سیاست ہو رہی ہے، تب تک ان قوانین پر عمل درآمد ممکن نہیں۔ کمال کی بات تو یہ ہے کہ جب تک پاکستان کی نون لیگ، تحریک انصاف پارٹی اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے قائدین اپنی تقاریر میں مذہبی ٹچ نہ دیں۔ اس وقت تک ان کی تقاریر پھیکی رہتی ہیں۔ چنانچہ جب تک اس طرح کی فضا سیاست کے میدان میں رہے گی، اس وقت تک پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے راستے میں کوئی بڑی اور مثبت پیش قدمی نہیں ہو سکتی۔

14۔اندھی تقلید

پاکستانی معاشرے میں مذہبی تقلید کا بہت زیادہ رواج ہے۔ شریعت مطہرہ نے اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا رکھا ہے اور مجتہد کے لیے اجر کا فیصلہ تو ہر صورت میں موجود ہے۔ ہم جب فقہ اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح طور پر یہ نظر آتا ہے کہ متقدمین کے فیصلوں سے متاخرین نے اختلاف بھی کیا ہے اور اسے غلط روش بھی نہیں سمجھا گیا۔ حالات اور عرف کے مطابق فیصلوں میں تبدیلی کی گنجائش بہر حال موجود رہتی ہے، لیکن ہمارے ہاں اسے گناہ یا گناہ جیسا تصور کیا جاتا ہے۔ لہذا اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ حالات کے تناظر میں فقہی جمود سے پہلو تہی اختیار کرتے ہوئے فقہ المقارن سے استفادہ کر کے امت کو آسانی کی طرف لایا جائے۔ اس طرح سے کی جانے والی قانون سازی سے مجرموں کو سزا ہر صورت میں ملے گی۔ یہ اندھی تقلید شرعی سزاؤں میں معاون نہیں ہوتی بلکہ یہ حدود کے فیصلوں کو شبہ کی بنا پر تعزیرات کی طرف لے جانے کا سبب بن رہی ہیں۔

15۔دہشت گردی اور فرقہ واریت

دہشت گردی اور فرقہ واریت اسلامی ممالک میں اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان مسائل میں ہی حکومتیں الجھ کر رہ گئی ہیں۔ دوسری طرف ہر اسلامی ملک میں مزاحمتی تحریکیں، جو کہ بنیادی طور پر اپنے ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ میں مدد و معاون اور اپنی فوج کا ہراول دستہ سمجھی جاتی ہیں، بیرونی مداخلت اور شہ پر ہی انہیں اپنے ملک کا دشمن اور باغی تصور کیا جا رہا ہے۔ عام طور پر تمام اسلامی ممالک کی افواج ان کے خلاف فوجی آپریشن شروع کر کے اپنے بیرونی آقاؤں کو خوش کرتی رہتی ہیں۔ آئے روز دھماکے اور ڈرون حملے اس بات کی علامت ہیں کہ اسلامی دنیا کو اس معاملہ میں بین الاقوامی طور پر خصوصی طور پر ہی نشانہ بنایا جا

رہا ہے۔ ان حالات میں حکومت کو دیگر مسائل پر زیادہ توجہ دینی پڑتی ہے، جس سے قوانین حدود و قصاص کے نفاذ میں تاخیر ہوتی ہے۔

16۔ جرائم پیشہ افراد کا اثر و رسوخ

پیشہ ور مجرم عام طور پر سرکاری عہدیداروں، سیاست دانوں اور بااثر افراد سے منسلک ہوتے ہیں۔ انہی افراد کے اشاروں پر بعض اوقات فرقہ واریت اور دہشت گردی ہوتی ہے۔ عام طور پر اس طرح کے معاملات میں لوگ قوانین حدود و قصاص کے تحت سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پیشہ وران مجرموں سے سختی سے نمٹا جائے تاکہ معاشرے کو معاشرتی ناہمواریوں سے محفوظ رہا جاسکے۔

17۔ عدالتی نظام میں سقم و نقائص

جہاں بھی انسانی وضعی قوانین لاگوں ہوں گے تو ان میں لامحالہ سقم کے خدشات موجود ہوتے ہیں۔ اس طرح پاکستان کے عدالتی نظام میں بھی کچھ نقائص موجود ہیں اور یہ سقم زیادہ تر پروسیجرل لاء میں نظر آتے ہیں، جیسا کہ ججز کی شرعی حوالے سے تربیت اور قابلیت کے معیار پر پورا نہ اترنا، ججز کی تعداد کا کم ہونا، پولیس کا عدم تعاون، وکلاء کا اپنے پیشے اور اسلامی اقدار سے مخلص نہ ہونا، دعویٰ اور فیصلوں کا اردو زبان میں نہ ہونا، کورٹ فیس، شہادت کے لئے معیار کا پورا نہ ہونا اور لوگوں کا غربت اور خوف کی وجہ سے گواہی کے لیے پیش نہ ہونا وغیرہ حدود و قصاص قوانین کے نفاذ میں رکاوٹ و سقم ہیں۔

18۔ غربت اور بے روزگاری

غربت اور بے روزگاری کی وجہ سے لوگوں کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت مشقت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے فرد اپنے خاندان کو بنیادی سہولیات فراہم کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ وہ معاشرے کے مظلوم اور نادار طبقے کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی کا مظاہرہ عملی طور پر کرے۔ جب کوئی شخص اپنے بچوں کو دو وقت کا کھانا اور بیمار بوڑھے ماں باپ کی دوائی نہ خرید سکے، تو وہ ہوش و حواس کے ساتھ جرائم کے محل اور ملزمان کے چہروں کو یاد رکھنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہوتا ہے۔ ایسے حالات اور ایسے معاشروں میں قوانین حدود و قصاص کا نفاذ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے معاشروں کی قیادت کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایسی پالیسیاں اپنائیں کہ لوگوں کی غربت اور مہنگائی کم ہو جائے۔

19۔رشوت ستانی اور سفارش

جس معاشرے میں رشوت ستانی اور ناجائز سفارش کا بازار گرم ہو، اس معاشرے میں قوانین پر عمل کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔رشوت ستانی کی بنیاد پر بڑے سیاسی و سماجی لوگوں اور ان سے وابستہ افراد پر ایف آئی آر کا اندراج بھی مشکل ہو جاتا ہے۔پاکستان کے ہر قومی ادارے میں اس وقت رشوت ستانی عام ہے اور کسی بھی ادارے کے ملازمین اس کے بغیر کام کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔اسی طرح جب عام قوانین پر رشوت کی بدولت عمل درآمد مشکل ہو تو پھر قوانین حدود و قصاص کے نفاذ میں تاخیر اور رکاوٹیں تو خاص طور پر ضرور پیدا ہوں گی اور کی جاتی رہیں گی۔

20۔ قانونی تربیت کی کمی

پاکستان میں پولیس، وکلا اور ججوں کو قوانین حدود و قصاص سے متعلق قانونی تربیت کی کمی ہے۔ایک تو ان تینوں لوگوں کی ایک دوسرے سے ہم آہنگی اور تعاون اس درجہ کا نہیں درجہ کا نہیں ہوتا، جس درجہ کی ہم آہنگی حدود کے معاملات میں درکار ہوتی ہے، دوسرا: انہیں شریعت کے مزاج سے واقفیت نہیں ہوتی، تیسرا انہیں عربی زبان پر بھی عبور حاصل نہیں ہوتا اور آخر پر وہ اپنے نظام کی خرابیوں کی بدولت ان قوانین کو درست طریقے سے لاگو کرنے میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ادارے جوائن کرنے کے بعد سروس کے شروع میں اور دوران ملازمت، ان ملازمین کو تربیت کے مراحل سے ضرور گزارا جائے تاکہ وہ نئے پیش آمدہ مسائل، نئی قانون سازی اور جدید ٹیکنالوجی سے مستفید ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا کر سکیں۔

21۔دینی عناصر کی تقسیم کار

پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کے عمل کو صرف حکومتی کوششوں تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ غیر حکومتی کاوشوں پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے۔وطن عزیز میں غیر حکومتی سطح پر سب سے بڑا عنصر دینی عناصر کا ہے۔اس میں دینی اصلاحی جماعتیں، دینی سیاسی جماعتیں، دینی مدارس و جامعات اور دین کے لیے کام کرنے والے دیگر مزاحمتی گروہ و ادارے شامل ہیں۔ان عناصر کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک گروہ میں وہ دینی جماعتیں، ادارے اور افراد ہیں جو عموماً دین کے اجتماعی پہلو سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی دینی سرگرمیوں کو زیادہ تر محض فرد کی اصلاح اور تبلیغ و تعلیم تک محدود رکھتے ہیں۔

دوسری طرف وہ دینی عناصر ہیں جو دین کو وسیع تر تناظر میں دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور سیاسی اور اجتماعی سر گرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی ساری توجہ سیاست پر مرکوز کی ہوئی ہے۔ لیکن سیاست میں ایسی حکمت عملی اپنانے میں ناکام ہیں جو انہیں کامیابی کی دہلیز تک لے جائے۔ ہونا تو یوں چاہیے کہ یہ دینی سیاسی عناصر آپس میں متحد ہو جاتے اور تقسیم کار کے اصول کے مطابق اپنی قوت کا محض ایک حصہ سیاسی کاموں میں لگاتے اور اپنی بڑی قوت کو دعوت و تبلیغ اور تعلیم تربیت کے کاموں میں کھپاتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ملک کے فہیم دینی عناصر اس صورت حال کا طائرانہ جائزہ لے کر اپنا احتساب کریں ۔ماضی کی کمزوریوں کو محسوس کر کے مستقبل کی پیش بندی کریں تو کچھ بعید نہیں کہ یہ خطہ جو ہمیں اسلام کے نام پر ملا ہے، عملاً بھی اسلام کا گہوارہ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز بن جائے اور اس میں عمومی اسلامی قوانین، جیسے سودی نظام سے پاک معیشیت اور خاص طور پر قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ ممکن ہو سکے۔

22۔سیاسی عدم استحکام

پاکستان میں حکومتوں کی تبدیلی معمول کی بات ہے۔ مشکل سے کوئی سیاسی جماعت تین سال اقتدار میں رہتی ہے کہ حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ پھر انتخابات ہوتے ہیں، پھر دوسری سیاسی جماعت کی حکومت بھی تبدیل کر دی جاتی ہے۔پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی بہت سی وجوہات ہیں، جن میں سے ایک وجہ سیاسی جماعت کے قیام کی شرائط اور قواعد وضوابط کی پابندی نہ کرنا، دوسرا سبب یہ ہے کہ جو پارٹی بھی حکومت بناتی ہے، وہ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتی ہے اور انتقام کی پالیسی اختیار کرتی ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی عدم استحکام کا اہم سبب عدالتی نظام میں عدل کا نہ ہونا ہے۔ وطن عزیز میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مقتدر طبقہ حکومت کے آخری سال میں اپنے ذوق اور دوبارہ عوامی مینڈیٹ حاصل کرنے کے لیے قانون سازی کرتا ہے۔پاکستان کی سیاسی صورتحال اس کے بالکل الٹ رہی ہے۔ لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ سیاسی جماعتوں کو چاہیے کہ حکومت جس کو بھی ملے، اسی کو پورے پانچ سال حکومت کرنے دی جائے تاکہ وہ عوام کے سامنے سرخرو ہو سکے اور عوامی جذبات وخواہشات کے مطابق ملک میں قانون سازی کر سکیں۔ سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ میں مشکلات آ رہی ہیں۔

خاتمہ کلام

حدود و قصاص سے متعلق شرعی قوانین موجود ہیں اور دنیا ان کے ثمرات سے مستفید ہوتی رہی ہے کیونکہ یہی قوانین صدرِ اسلام میں نافذ ہوئے۔ بنو امیہ، بنو عباس، دولتِ فاطمیہ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک اور ہندوستان میں بھی مغلوں نے انہیں قوانین کے ذریعے دنیا کو امن وامان فراہم کیا۔

مصنف اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ حدود و قصاص اور دیگر اسلامی قوانین کی تنفیذ کے لیے ریاست کا ڈھانچہ اسلامی وفلاحی ہو۔ مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی اصل اساس امرھم شوریٰ بینھم ہی ہے اس لیے ان کے امراء وحکام کا انتخاب اور حکومت وامارت کا انعقاد مشورے سے ہی ہو۔ ریاست کے عاملین اور ججوں کا تقرر اسلامی طریقے کے مطابق ہو۔ عاملین وججوں میں یہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہوں کہ وہ مسلمان، آزاد، عادل، پاکدامن، بردبار، ماقبل کے حالات سے باخبر، عقل مند حضرات سے مشاورت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے والے ہوں۔ عدلیہ کے سامنے مقدمات پیش کرنے والے پولیس افسران ایماندار ہوں، تاکہ معاشرے میں نظم وضبط قائم کر سکیں، قانون کو لاگو کر سکیں، مظلوم کو انصاف دلوا سکیں اور مقدمات کے اندراج سے عدالت مجاز میں مقدمہ کے فیصلے تک وہ قانون اور مظلوم کا ساتھ دیں۔ وکلاء آزاد اور صحیح فیصلہ کرنے میں عدلیہ کی معاونت کریں۔ ریاست کے انتظام کو چلانے کے لیے چاہے وہ امیر المسلمین ہو، جج ہو، پولیس افسر، وکیل، سرحد کی حفاظت کرنے والا فوجی ان سب کی صحیح معنوں میں تربیت کے لیے اسلامی نظام تعلیم کا بندوبست ہونا ضروری ہے اور نظام تعلیم کے مقاصد خالصتاً اسلامی فلسفہ حیات سے اخذ کیے گئے ہوں، پڑھنے لکھنے کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس کا عمل بھی ہو، تعلیم کے ساتھ تربیت، مہارتیں، فنون، معاشرے کو چلانے کے لیے جدید علوم وفنون کا سیکھنا لازم قرار دیا جائے اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کا تحفظ اور اسلامی طرز معاشرت سکھائی جائے۔

خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کے ساتھ سب سے پہلا فریضہ جو انسان کے سپرد کیا گیا وہ یہ کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے نکالے گئے ہو۔ اس کے بعد تمہارے مقتدر طبقہ کے ذمہ ایک اہم کام معاشرے کی اخلاقی اقدار کا تحفظ اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے۔ لہٰذا ایک آزاد عدلیہ کا قیام اسلامی حکومت کے لیے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔ جب عدلیہ کی بات ہوتی ہے

تو قوانین زیر بحث آتے ہیں تو اس ضمن میں یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ ریاست میں قانون سازی قرآن و سنت کے مطابق ہو، کیونکہ انہی قوانین کا اطلاق عدلیہ نے کرانا ہے، یعنی ایک تو قوانین اصلیہ شرعی ہوں دوسرا قوانین ضابطہ بھی بہترین ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ فصل خصومات میں پورا پورا عدل وانصاف چار باتوں پر موقوف ہے: اولاً قانون جس کے مطابق فیصلے ہونے ہوں، عمدہ اور مکمل ہو۔ ثانیاً قابل، اہل اور تربیت یافتہ حکام کا انتخاب کیا جائے۔ ثالثاً ان اصولوں کی پابندی کرنا، جن کی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصل خصومات میں رعایت نہ کرنے پائیں۔ چہارم آبادی اور جرائم کے لحاظ سے ججز کی تعداد کافی ہو، تاکہ مقدمات آسانی سے نمٹائے جاسکیں۔

ان سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز معاشرے کی اخلاقی اقدار کا تحفظ واصلاح کرنا ہے، اگر معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہو۔ لوگ ایک دوسرے کے فرائض کا خیال رکھیں، معاشرے میں نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کا رجحان ہو۔ لوگ جب ایک دوسرے کا خیال کریں گے تو کم سے کم مسائل پیدا ہوں گے۔ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کے لیے علمائے کرام، مشائخ اور ذرائع ابلاغ کو کردار ادا کرنا ہو گا۔ جب تنازعات کم ہوں گے تو پھر ان قوانین کا اطلاق آسان ہو جائے گا اور جب کچھ بگڑے ہوئے لوگوں کو سزا دی گئی تو لوگ خود بخود عبرت پکڑ کر ان گناہوں سے دور ہو جائیں گے اور معاشرہ میں امن قائم ہو جائے گا۔ اسلامی حکومت کے قیام، عدالتی نظام کی اصلاح، پولیس، وکلاء کے فعال ہونے، انصاف کی بلا تاخیر فراہمی اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کے تحفظ کے بغیر قوانین حدود و قصاص کی تنفیذ ممکن نہیں۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام اسلامی دنیا میں حدود و قصاص قوانین کے نفاذ اور ان پر عمل درآمد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم ﷺ۔

کتابیات

اردو کتابیں

1. ابن جریر، محمد بن جریر طبری، ابی جعفر، علامہ، مترجم سید ابراہیم ندوی، تاریخ طبری، تاریخ الامم والملوک، نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، 2004ء۔

2. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

3. تنزیل الرحمان، جسٹس، اسلامی قوانین (حدود، قصاص، دیت، تعزیرات)، قانونی کتب خانہ، لاہور، س۔ن۔

4. تنزیل الرحمٰن، جسٹس، جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ، حرمت پبلی کیشنز، راولپنڈی، طبع اول، 1982ء۔

5. خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی، کراچی، 1982ء۔

6. ڈھلوں، عرفان خالد، ڈاکٹر، علم اصول فقہ ایک تعارف، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2012ء۔

7. زاہد الراشدی، ابو عمار، حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، 2007ء۔

8. رانجھا، محمد نذیر، ڈاکٹر، تاریخ و تذکرہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، لاہور، 2003ء۔

9. احسن اختر ناز، صحافتی ذمہ داریاں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1990ء۔

10. صلاح الدین، یوسف، حافظ، تفسیر احسن البیان، دارالسلام، الریاض، س۔ن۔

11. عبدالقادر عودہ، شہید، مترجم: ساجد الرحمٰن کاندھلوی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1988ء۔

12. عمار خان ناصر، حدود و تعزیرات چند اہم مباحث، المورد، لاہور، طبع اول، 2008۔
13. غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران، لاہور، 2005۔
14. الغزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم (مترجم)، مکتبہ المدینہ باب المدینہ، کراچی، 2012ء۔
15. متین ہاشمی، سید، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، 1999ء۔
16. محمد ہارون معاویہ، مولانا، اصلاح معاشرہ کے رہنما اصول، دارالاشاعت، کراچی، 2006ء۔
17. محمد نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر، مقاصد شریعت، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 2009ء۔
18. مہدی حسن، جدید ابلاغ عام، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1990ء۔
19. مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامی قانون، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، 1996ء۔
20. مودودی، اسلامی ریاست، اسلامی پبلیکیشنز شاہ عالمی مارکیٹ لاہور، 2014ء۔
21. نجیب آبادی، اکبر شاہ، مولانا، تاریخ اسلام، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، 2009ء۔
22. ہاشمی، محمد متین، سید، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ، لاہور۔
23. ہشام، عبدالملک، ابو محمد، مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی، سیرت النبی ﷺ (کامل) ابن ہشام، باب خطبہ حجتہ الوداع، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1992۔

عربی کتب

1. القرآن المجید۔
2. ابن تیمیہ، احمدبن عبد الحلیم، شیخ الاسلام، مجموع الفتاوی، المملکة العربیة السعودیة، 1398ھ۔
3. ابن حجر، احمدبن علی، ابو الفضل، عسقلانی، فتح الباری شرح

صحيح البخارى ، دار االمعرفه، بيروت، 1379هـ ۔
4. ابن رشد، محمد بن احمد ، ابو الوليد، الاندلسى، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، مطبعة مصطفى البابي الحلبي ، مصر، الطبعة الرابعة، 1395هـ، 1984ء۔
5. ابن فارس، أحمد بن زكريا، أبو الحسين، معجم مقاييس اللغة، دار الفكر، بيروت، 1399هـ-1979م۔
6. ابن قدامة ، عبد الله بن أحمد بن قدامة، المقدسي ، المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل ، دارالفكر بيروت ، س-ن۔
7. ابن قيم ، اطرق الحكميه فى السياسة الشرعية ، طبع مصر، 1961ء۔
8. ابن ماجه ، محمد بن يزيد، أبو عبدالله، القزويني، السنن ابن ماجه، ، دار الفكر ، بيروت، س-ن۔
9. ابن منظور، محمد بن مكرم، الأفريقي، المصري، لسان العرب، دار صادر ، بيروت، الطبعة الأولى، س-ن۔
10. ابن نجيم ، زين الدين ، البحر الرائقشرح كنز الدقائق ، دار المعرفة، بيروت، س-ن۔
11. ابو داؤد ، سليمان بن الأشعث، السجستاني ، السنن أبي داود ، ، دار الكتاب العربي .بيروت، س- ن۔
12. احمد بن حنبل ، مسنداحمد ، ، مؤسسة قرطبة ، القاهرة، س- ن۔
13. البخارى، محمد بن إسماعيل، أبو عبدالله ، الجامع الصحيح ، دار ابن كثير ، اليمامة ، بيروت، الطبعة الثالثة ، 1407-1987ء۔
14. بدوى، يوسف احمد محمد، مقاصدالشريعه عند ابن تيميه ، دار النفائسن ، عمان ، اردن ، 2000ء۔
15. البيهقى ، أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، أبو بكر، السنن الكبرىٰ، مكتبة دار الباز ،مكةالمكرمة، 1414هـ-1994ء۔

16. الترمذی ، محمد بن عیسی أبو عیسی ، الجامع الترمذي، دار إحياء التراث العربي ، بيروت، س-ن-

17. الجوینی، عبدالملک بن عبدالله بن یوسف، ابوالمعالی ، البرہان فی اصول الفقه ، مطابع الدوحة الحديثة ، قطر، 1399ھ-

18. الحصری، احمد، القصاص، الدیات، العصیان المسلح فی الفقه الاسلامی، عمان، 1974ء-

24. الدارقطني، علي بن عمر، أبو الحسن، سنن الدارقطني،،، دار المعرفة - بيروت ، 1386ھ، 1966ء-

25. راغب ، حسین بن محمد، ابی القاسم، اصفہانی، المفردات فی غریب القران، داراحیاءالتراث العربی، بیروت، لبنان، 1423ھ- 2002م-

19. الزبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق ، الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، تاج العروس من جواهر القاموس، ، دار الهداية، س-ن-

20. السرخسی، شمس الدين، أبو بكر ، محمد بن أبي سهل، المبسوط للسرخسي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت ، لبنان، الطبعة الأولى، 1421ھ 2000م-

21. السید السابق، فقه السنة ، دارالفتح ، القاہرہ ، الطبعة الاولی 1418ھ-

22. الشاطبی ، ابواسحاق ، ابراہیم بن موسیٰ ، الموافقات فی اصول الشریعه، دار الفکر العربی ، مصر ، 1975ء-

23. شاہ ولی الله ، احمد بن عبدالرحیم ، الدہلوی، حجة الله البالغه ، مکتبه السلفیه، لاہور ، 1355ھ-

24. الشوکانی ، محمد بن علی ، نیل الاوطار، بیروت ، دار صادر ، 1981ء-

25. ظفر احمد عثمانی ، اعلاالسنن ، ، دارالکتب العلمیة، بیروت 1997 ء-

26. عبد الرزاق بن همام ، أبو بكر، مصنف عبدالرزاق، ، المكتب الإسلامي ، بيروت ، الطبعة الثانية ، ه1403-

27. عبدالرحمان ، الجزیری، کتاب الفقه علی المذاہب الاربعه، بیروت، دارالفکر، 1990ء ۔
28. عزالدین ، عبدالعزیز بن عبدالسلام ، قواعدالاحکام فی اصلاح لانام ، دار ابن حزم ، بیروت ، لبنان ، 1424ھ۔
29. علي بن حسام الدين ، المتقي، الهندي ، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال410، مؤسسة الرسالة - بيروت - شارع سوريا، 1409 ھ – 1989۔
30. عوده، عبدالقادر ، التشریح الجنائی الاسلامی، دار الکتاب العربی، بیروت، س۔ ن۔
31. الغزالی ، محمد بن احمد، الستصفیٰ من علم الاصول ، دارالفکر بیروت ، لبنان، س۔ن۔
32. القرطبی، محمد بن أحمد بن أبي بکر ،ابو عبدالله، الجامع لأحكام القرآن ،دار الكتب المصرية، القاهرة ،الطبعة الثانية، 1384ھ - 1964 م
33. القرضاوی ، یوسف عبدالله ، الدکتور، اجتہاد فی شریعة الاسلامی ، دارالقلم ، کویت، 1406ھ۔
34. ابن كثير، إسماعيل بن عمر بن كثير، القرشي، الدمشقي، تفسير القرآن العظيم، ، دارالفكر،الطبعة الجديدة 1414 ھ/1994 م۔
35. الکاسانی ، علاؤالدین بن مسعود، ابو بکر، الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الكتاب العربي ، بیروت ، 1982ء۔
36. مالك بن أنس، الموطامالک، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان ، الطبعة الاولی 1425ھ - 2004۔
37. المرغینانی، برہان الدین، الهدایه، مکتبه رحمانیه، لاہور، س ۔ ن۔
38. مسلم ، المسلم بن الحجاج، أبو الحسين، القشيري، النيسابوري ، الجامع الصحيح دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة .بيروت، س-ن۔

39. النسائی احمدبن شعیب ابو عبدالرحمن خراسانی، النسائی، السنن الکبریٰ، المطبوعات الاسلامیة حلب الطبعة الثانیة، 1406ھ۔

40. وھبة الزحیلی، الفقه الا سلامی وادلته ، دارالفکر ، دمشق، س۔ ن۔

English Books

1. The Pakistan Penal code, (XLV Of 1860).
2. United Nations Universal Declaration of Human Rights, The United Nations.
3. The constitution of Pakistan, 3rd schedule, Oath of officers, PLD Publishers, 1999.
4. The Major Act, Police Order, 2002, Article 24, Manzoor law Book House, 2003.
5. Offences against Property (Enforcement of Hudood) Ordinance, 1979, V1 of 1979.
6. Offence Of Zina (Enforcement of Hudood) Ordinance V11 of 1979.
7. Prohibition (Enforcement of Hadd) Order, 1979, 1V of 1979.
8. Offence Of Qazf)Enforcement of Hadd) Ordinance V111 of 1979.
9. Execution of the Punishment of Whipping Ordinnance, 1979, 1X of 1979.
10. Qisas and Diyat Act 1997.

رسائل وجرائد

1. ماہنامہ نصرت العلوم، اکتوبر2002ء۔
2. ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری2011ء۔

اخبارات

1. روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 18 ستمبر2014ء۔
2. روزنامہ پاکستان، لاہور، 17 ستمبر2006ء۔

Internet Web Sites

https://www.dawnnews.tv/news/1184857 Today/2023/07/18

کچھ مصنف کے بارے میں

نام: عبد الغفار بن محمد عثمان

جائے پیدائش: کروڑ لعل عیسن، ضلع لیہ

تاریخ پیدائش: 15-04-1984ء

تعلیم: اسکول کی بنیادی تعلیم ڈیرہ غازی خان سے شروع ہوئی۔ میٹرک سائنس مضامین میں گورنمنٹ ہائی سکول ریلوے روڈ کروڑ سے اور ڈی کام گونمنٹ کالج آف کامرس کروڑ لعل عیسن سے کیا۔ بی کام اور ایم اے اسلامیات جامعہ پنجاب لاہور سے کیا۔ ایم اے ایجوکیشن علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اور درس نظامی جامعہ تعلیم القرآن فتح پور سے کی۔

ایم۔فل اسلامک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور سے اور پی۔ ایچ۔ڈی اسلامک اسٹڈیز، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان سے کی۔

اصلاحی تعلق: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، میانوالی۔

تدریس: درس وتدریس کا سلسلہ گورنمنٹ گریجوایٹ کالج فتح پور سے شروع ہوا، جہاں نیشنل انٹرنشپ پروگرام کے تحت 29 اگست 2007ء سے پڑھانا شروع کیا۔ بعد ازاں فتح پور میں رائل کامرس کالج، جناح کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، فتح پور، جناح کالج آف ایجوکیشن، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج کروڑ اور گورنمنٹ گریجوایٹ کالج لیہ میں بھی اسلامیات اور ایجوکیشن کے مضامین پڑھانے کا موقع ملا۔ 2020ء سے فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عریبک اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور میں تدریسی خدمات سر انجام دینا شروع کر دیں۔

کتاب کے بارے میں

عزیزم ڈاکٹر عبد الغفار زید مجدہم نے **"قوانینِ حدود و قصاص اور اسلامی ریاست"** کے عنوان سے ایک بہترین کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں اپنے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، قرآن، سنت اور فقہی دلائل کی روشنی میں مدلل کلام کیا ہے۔ نیز موجودہ زمانہ میں حدود و قصاص اور اس سلسلہ میں ریاست اپنی ذمہ داریوں کو کسی طرح سرانجام دے، موصوف نے اپنی سفارشات بھی قائم کی ہیں کہ کس طرح سے معاشرہ میں فساد اپنے منطقی انجام کو پہنچ سکتا ہے اور امن کا بول بالا کیسے ہو سکتا ہے۔ فجزاهم الله خيراو احسن الجزاء

خواجہ خلیل احمد، سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ، کندیاں

زیر نظر کتاب میں محترم مولانا ڈاکٹر عبد الغفار نے معاشرتی جرائم کی سزاؤں بالخصوص قوانینِ حدود و قصاص کو گفتگو کا موضوع بنایا ہے اور شرعی احکام کی علل و مصالح اور نتائج و ثمرات کی عملی صورتوں اور ان کے حوالہ سے سامنے آنے والے سوالات و اشکالات پر بحث کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے، جو کہ یقیناً قابل توجہ ہے اور اس دائرہ میں علمی اور عملی کام کرنے والے طبقات و افراد کے لیے مفید ہے۔ اللہ پاک سبحانہ وتعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت و ثمرات سے نوازیں اور اس جدوجہد میں پیش رفت کا ذریعہ بنائیں۔

شیخ الحدیث مولانا ابو عمار زاہد الراشدی، گوجرانوالہ

9 786277 680121